سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۸۱)

# بزم مملوکیہ

جس مین

ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین، اُمرا، اور شہزادون کی عرفان دوستی علم نوازی اور معارف پروری کے حالات اور اُن کے دربار سے متوسل علماء و فضلاء، اور ادباء و شعراء کے کمالات پر تبصرہ کیا گیا ہے

مرتبہ

سید صباح الدین عبد الرحمن ایم، اے

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

کتبہ اقبال مطبع معارف اعظمگڈھ مین چھپی

۱۳۷۴ھ
۱۹۵۴ء

فہرست مضامین

# بزمِ مملوکیہ


| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مقدمہ شاہ معین الدین احمد ندوی | - |
| دیباچہ مؤلف | - |
| **قطب الدین ایبک** سنہ ۶۰۲ھ ۱۲۰۶ء - سنہ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء | ۱ - ۳۴ |
| ایبک کی ابتدائی تعلیم | ۱ |
| ترقی مدارج | ۳ |
| تخت نشینی | ۴ |
| شاہی القاب | ۵ |
| اتباع خلفائے راشدینؓ | ۶ |
| شریعت نوازی | ۷ |
| علم نوازی | ۹ |
| بہاء الدین اوشی | " |
| جمال الدین محمد | ۱۱ |
| قاضی حمید الدین | ۱۳ |
| حسن نظامی نیشاپوری و تاج المآثر اور اسکی شاعری کے نمونے | ۱۴ |
| فخر مدبر | ۲۷ |
| امام صغانی | ۲۹ |
| عہد قطبی کے بعض مدارس | ۳۴ |
| معلمون کی قدر | " |
| **ناصر الدین قباچہ** سنہ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء - سنہ ۶۲۵ھ ۱۲۲۸ء | ۳۵ - ۶۰ |
| مشائخ سے تعلقات | ۳۶ |
| شعراء کی سرپرستی | ۳۷ |
| شمس الدین محمد بلخی | ۳۸ |
| فضلی ملتانی | ۳۹ |
| ضیاء الدین سجزی | |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مولانا منہاج الدین جوزجانی | ۴۰ |
| وزیر عین الملک کی علمی سرپرستی | ۴۴ |
| سدید الدین محمد عوفی | ۴۶ |
| لباب الالباب | ۵۰ |
| جوامع الحکایات ولوامع الروایات | ۵۳ |
| چچ نامہ | ۵۷ |
| تعلیمی درسگاہیں | ۶۰ |


## شمس الدین التتمش

۶۰۷ھ - ۶۳۳ھ
۱۲۱۰ء - ۱۲۳۶ء

۶۱ - ۱۳۳


| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| ابتدائی زندگی | ۶۱ |
| مشائخ سے عقیدت | ۶۶ |
| التتمش اور حضرت عثمان ہرونیؒ | " |
| التتمش اور حضرت خواجہ معین الدینؒ | ۶۸ |
| التتمش اور حضرت بختیار کاکیؒ | ۷۰ |
| التتمش اور دوسرے مشائخ | ۷۷ |
| علماء سے عقیدت | ۸۴ |
| مذہبی مذاکرے | ۸۵ |
| حکمرانی کے نظریے | ۸۸ |
| مذہبی مجلسیں | ۹۰ |
| علمی تحفے | ۹۱ |
| علماء کی فیاضانہ سرپرستی | ۹۴ |
| درسگاہیں | ۹۵ |
| شعراء | ۹۶ |
| ناصری | [illegible] |
| روحانی | ۹[illegible] |
| تاج الدین ریزہ | ۱۰[illegible] |
| التتمش اور ریزہ | ۱۰۴ |
| شہزادہ غیاث الدین اور ریزہ | ۱۰۹ |
| رضیہ اور ریزہ | ۱۱۸ |
| وزیر نظام الملک اور ریزہ | ۱۲۰ |
| بہاء الدین علی | ۱۲۹ |
| فخر مدبر | ۱۳۲ |
| موید جاجرمی | " |


## رکن الدین فیروز شاہ

۶۳۳ھ - ۶۳۴ھ
۱۲۳۶ء

۱۳۴ - ۱۴۷


| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| رکن الدین فیروز شاہ اور ریزہ | ۱۳۵ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| قصائد ریزہ | ۱۳۶ |
| ریزہ کا انجام | ۱۴۷ |
| شہاب الدین مہمرہ | ۱۴۸ |
| امیر خسرو اور شہاب مہمرہ | ۱۴۹ |
| رکن الدین کی مدح | ۱۵۲ |
| شہاب مہمرہ کی جدت طرازی | " |
| خسرو کا تلمذ | ۱۵۳ |
| گمنامی کے اسباب | ۱۵۶ |
| کلام شہاب | ۱۵۹ |

## رضیہ

سنہ ۶۳۴ھ - سنہ ۶۳۷ھ
۱۲۳۶ء ۱۲۴۰ء
۱۶۸ - ۱۷۰

## معزالدین بہرام شاہ

سنہ ۶۳۷ھ - سنہ ۶۳۹ھ
۱۲۴۰ء ۱۲۴۲ء
۱۷۱ - ۱۷۴

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| معزالدین اور مولانا منہاج | ۱۷۳ |
| معزالدین اور حضرت ایوب ترکمانی | " |
| قاضی جلال الدین کاشانی | ۱۷۴ |

## علاء الدین مسعود شاہ ۱۷۴

سنہ ۶۳۹ھ - سنہ ۶۴۴ھ
۱۲۴۱ء ۱۲۴۵ء

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مولانا منہاج | ۱۷۴ |

## ناصر الدین محمود

سنہ ۶۴۴ھ - سنہ ۶۶۴ھ
۱۲۴۶ء ۱۲۶۵ء
۱۷۶ - ۲۲۰

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| درویشانہ زندگی | ۱۷۸ |
| حب رسول | ۱۷۹ |
| لینت اور مروت | ۱۸۰ |
| اوصاف حمیدہ | " |
| مشائخ سے مودت | ۱۸۲ |
| علماء سے گرویدگی | ۱۸۶ |
| طبقات ناصری کی تدوین | ۱۸۸ |
| علماء کی سرپرستی | ۱۹۲ |
| شیخ عماد الدین | " |
| قاضی ممالک جلال الدین کاشانی | ۱۹۳ |
| شمس الدین بہرائچی | " |
| جمال الدین بسطامی | " |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| مولانا قطب الدین | ۱۹۳ |
| شعراء | ،، |
| ناصر الدین محمود اور مولانا منہاج | ۱۹۴ |
| شمس دبیر | ۱۹۶ |
| عمید سنامی | ،، |
| عمید اور تاج الدین سنجر | ۱۹۹ |
| عمید کا لقب | ۲۰۲ |
| وطن | ۲۰۳ |
| ولادت | ،، |
| عمید اور سلطان بلبن | ۲۰۴ |
| عمید کی قادر الکلامی | ۲۰۹ |
| عمید اور انوری | ۲۱۱ |
| عمید کی غزل گوئی | ۲۱۵ |
| عمید کی ہزل گوئی | ۲۱۷ |
| عمید اور منظوم مناظرات | ۲۱۸ |

## غیاث الدین بلبن

۶۶۴ھ – ۶۸۶ھ
۱۲۶۶ء – ۱۲۸۷ء

۲۲۱ — ۳۲۲

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| ابتدائی زندگی | ۲۲۱ |
| مشائخ سے عقیدت | ۲۲۳ |
| بلبن اور بابا گنج شکر | ۲۲۴ |
| بلبن اور حضرت علی چشتیؒ | ۲۲۶ |
| بلبن اور خواجہ شمس الدین ترک | ۲۲۷ |
| فیوض مشائخ | ۲۲۸ |
| علماء کی قدردانی | ۲۲۹ |
| مولانا برہان الدین محمود | ۲۳۰ |
| نجم الدین عبد العزیز | ۲۳۱ |
| شیخ سراج الدین ابوبکر | ۲۳۲ |
| مولانا شرف الدین ولوالجی | ،، |
| مولانا برہان الدین بزاز | ،، |
| قاضی رکن الدین سامانوی | ،، |
| مولانا کمال الدین زاہد | ،، |
| مولانا شمس الدین خوارزمی | ۲۳۳ |
| مولانا فخر الدین ناقلہ | ۲۳۵ |
| تعلیم کی ترویج | ،، |
| بلبن پر بزرگان دین کے اثرات | ۲۳۷ |
| بلبن کے دربار میں شعراء کی کمی | ۲۴۴ |
| شہزادوں کی تعلیم و تربیت | ۲۴۶ |
| شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار | ۲۴۷ |

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| شہزادہ محمد سلطان کی تمنا | ۲۵۴ |
| خسرو اور سعدی | " |
| شہزادہ محمد سلطان کی شہادت | ۲۵۶ |
| حسن سجزی کا مرثیہ | ۲۶۰ |
| شہزادہ بغرا خان | ۲۶۳ |
| شمس دبیر | ۲۶۵ |
| شمس دبیر اور بابا گنج شکر | " |
| شمس دبیر اور بغرا خان | ۲۶۷ |
| اجودھن کی حاضری | ۲۷۰ |
| لکھنوتی میں قیام | ۲۷۲ |
| شمس دبیر اور خسرو | ۲۷۳ |
| شمس دبیر کے کلام کی نایابی | ۲۷۷ |
| ان کا ایک قصیدہ | " |
| قاضی اثیر | ۲۷۹ |
| امراء | " |
| علاء الدین کشلی خان | " |
| خسرو اور کشلی خان | ۲۸۱ |
| ملک الامراء فخر الدین | ۲۸۷ |
| شعراء | ۲۸۸ |
| **خسرو** | **۲۸۸ - ۳۱۹** |

| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| خاندان | ۲۸۸ |
| وطن و تعلیم | ۲۸۹ |
| مشق سخن | ۲۹۱ |
| امیر عماد الملک کی سرپرستی | ۲۹۲ |
| تحصیل علم | ۲۹۳ |
| اساتذۂ فن کی تقلید | ۲۹۵ |
| دیوان تحفۃ الصغر کی ترتیب | ۲۹۶ |
| خسرو اور سلطان المشائخ | ۲۹۸ |
| خسرو کی جامعیت | ۳۰۱ |
| خسرو اور علاء الدین کشلی خان | " |
| خسرو اور بغرا خان | ۳۰۲ |
| خسرو اور شہزادہ محمد سلطان | ۳۰۳ |
| دیوان وسط الحیٰوۃ کی ترتیب | ۳۰۶ |
| خسرو اور خاقانی | ۳۰۹ |
| خسرو اور کمال اسمٰعیل | ۳۱۳ |
| خسرو کی غزل گوئی | ۳۱۵ |
| سعدی اور خسرو | ۳۱۶ |
| خسرو اور حافظ | ۳۱۷ |
| حسن سجزی | ۳۱۹ |
| حسن سجزی کی گوشہ نشینی | ۳۲۲ |

## معزالدین کیقباد

۶۸۶ھ - ۶۸۹ھ

۱۲۸۷ء - ۱۲۹۰ء

۳۲۳ - ۳۴۹


| مضمون | صفحہ |
| --- | --- |
| کیقباد کی تخت نشینی | ۳۲۳ |
| اس کی رنگینی اور سرمستی | " |
| بغرا خان کی اصلاحی کوشش | ۳۲۴ |
| باپ بیٹے کی ملاقاتیں | ۳۲۵ |
| خسرو سے ان ملاقاتوں کے منظوم کرنے کی خواہش | ۳۲۶ |
| قصیدۂ تہنیت تخت نشینی | ۳۲۷ |
| مثنوی لکھنے میں خسرو کی ہچکچاہٹ | ۳۳۰ |
| قران السعدین کی تدوین | ۳۳۱ |
| قران السعدین کی تاریخی حیثیت | ۳۳۳ |
| قران السعدین میں اسوقت کے تمدنی واثری وعمرانی حالات | ۳۳۵ |
| شہر دہلی کی تصویر | ۳۳۵ |
| چمن بندی وچمن آرائی | ۳۳۶ |
| جشن نوروزی | ۳۳۷ |
| شاہی کھانے | ۳۳۸ |
| شاہی تحائف | ۳۳۹ |
| قران السعدین کا ادبی جائزہ | ۳۴۰ |
| مثنوی کی خصوصیات | " |
| نظم کے اصناف ثلثہ کا امتزاج | " |
| مضامین میں تنوع | ۳۴۲ |
| وصف نگاری | " |
| نادر تشبیہات واستعارات | ۳۴۳ |
| صنائع معنوی | ۳۴۷ |
| صنائع لفظی | ۳۴۹ |
| غلط نامہ | ۱ - ۲ |

# مقدمہ

دارالمصنفین میں ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کی ترتیب کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اس کی ایک جلد تاریخ سندھ شائع اور دوسری غزنوی عہد کی مرتب ہوئی تھی کہ بعض اسباب وموانع کی بنا پر فی الحال سیاسی تاریخ کا سلسلہ ملتوی کر دینا پڑا مگر علمی وتمدنی تاریخ کی ترتیب کا کام جاری ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کتاب جو تیموریوں کے علمی کارناموں پر مشتمل ہے، بزم تیموریہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے، ایک کتاب ان کے فوجی نظام پر تیار ہے، ایک اسلامی عہد کی عام تمدنی ترقیوں پر زیر ترتیب ہے اور انشاء اللہ اس سلسلہ کو تکمیل تک پہنچانے کا قصد ہے، اور جب حالات سازگار ہوئے تو سیاسی تاریخ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جائے گا۔

ہندوستان کے مسلمان خاندانوں میں تیموریوں کی عظمت اور ان کے کارناموں پر تو بہت لکھا گیا ہے، مگر ان سے پہلے کے سلاطین دہلی یعنی غلاموں، خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کے عہد کے علمی وتمدنی حالات کیجانب کم توجہ کی گئی ہے، اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کی کوئی اہمیت یا ان کے کارنامے نہیں ہیں، بلکہ ان کے حالات میں اس قسم کا تاریخی سرمایہ ہی کم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ خود ان سلاطین نے اپنی تاریخ لکھانے کیجانب توجہ کی، اور نہ ان کے عہد میں کوئی ایسا مورخ پیدا ہوا جو ان کی عظمت کا مرقع تیار کرتا، جو دو چار معاصر تاریخیں ہیں بھی تو ان میں اس زمانہ کے مذاق کے مطابق رزم کی داستان سرائی میں زیادہ زور قلم صرف کیا گیا ہے، اور علمی وتمدنی حالات بہت کم اور محض ضمناً کہیں کہیں آگئے ہیں، اور اس کی تلاش کے لیے بڑی محنت اور دیدہ ریزی کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اردو کے اصحاب علم وقلم نے بھی دوسری کو کم گوارا کیا ہے، اس کے مقابلہ میں تیموریوں کی تاریخ پر ہر قسم کا نہایت وافر ذخیرہ موجود ہے، اس دور کے عام مورخوں کے علاوہ خود ان کے درباری مورخین نے ان کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں، اس لیے ان کی تاریخ لکھنا نسبتاً آسان ہے، یہی وجہ ہے کہ تیموریوں کے مقابلہ میں سلاطین دہلی کے

کارناموں کی تصویر دھندلی نظر آتی ہے، اگر ان کو بھی ابوالفضل، عبدالحمید لاہوری، عبدالباقی نہاوندی اور محمد کاظم جیسے مورخین مل جاتے تو تیموریوں کی طرح ان کی تاریخ بھی شاندار اور پرشوکت نظر آتی۔

سلاطین دہلی میں بہت سے باعظمت، علم دوست اور علماء نواز حکمران پیدا ہوئے جنھوں نے علم و تمدن کی بھی بڑی خدمت انجام دی، ان کے درباروں میں بڑے بڑے علماء و فضلاء، ادباء، شعراء اور مختلف فنون کے اصحاب علم و کمال کا اجتماع تھا، وہ صلحا، و اخیار سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے پند و نصائح کو قبول کرتے تھے جس کا اثر ان کی حکومت پر پڑتا تھا، تاج الدین ریزہ، شہاب مہمرہ، خسرو، حسن سجزی، بدر چاچ اور مطہر کڑہ جیسے شعراء اور مولانا منہاج سراج، مولانا شمس الدین خوارزمی، مولانا معین الدین عمرانی، مولانا عبداللہ سلطانپوری اور مولفین فتاوی تاتارخانی جیسے علماء ان کے دربار کی زینت تھے، اس لیے علمی حیثیت سے انکا دور نہایت ممتاز ہے، مگر اردو میں اس کے متعلق بہت کم معلومات ہیں،

اس کمی کو پورا کرنے کی بڑی ضرورت تھی، اس لیے بزم تیموریہ کے لائق مولف نے تیموریوں کی علمی بزم کی مرقع نگاری کے بعد سلاطین دہلی کی علمی تاریخ بھی مرتب کی ہے' زیر نظر جلد مملوک کے عہد کے حالات میں ہے، اس میں انکے علمی و ادبی خدمات کی تفصیل اور ان کے دربار سے متوسل علماء و شعراء کا تذکرہ ہے، ان میں سے بعض علماء و شعراء کے حالات جس تحقیق و تفصیل کے ساتھ پہلی مرتبہ اردو میں پیش کیے گئے ہیں اور انکی تلاش و جستجو میں مولف نے جو محنت و کاوش کی ہے، اصحاب نظر کو اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوگا، ضمناً تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، اس کے بعد کی جلدیں خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کے علمی حالات میں ہوں گی، اس طرح اسلامی ہند کی علمی تاریخ کا پورا سلسلہ مرتب ہو جائے گا۔

فقیر معین الدین احمد
ناظم شعبۂ علمی، دارالمصنفین

۱۱ر جنوری ۱۹۵۵ء

# دیباچہ

اہلِ نظر نے میری حقیر تالیف بزمِ تیموریہ کی قدردانی میری توقع سے زیادہ کی تو خیال ہوا کہ تیموری عہد سے پہلے کے سلاطین کی علم نوازی اور معارف پروری کی بھی تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے، اور جب اس ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر یہ کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اس عہد کے شاہی درباروں سے متوسل علماء و فضلاء اور ادباء و شعراء کے حالات کچھ ایسے پراگندہ، منتشر اور نظروں سے اوجھل ہیں کہ ان کو یکجا کرنے اور تاریکی سے روشنی میں لانے کی کوشش میں، کتاب کی نوعیت بدلنی پڑے گی یعنی بزمِ تیموریہ کی طرح فضلاء، و شعراء پر اجمالی نظر ڈالنے کے بجائے انکا تفصیلی جائزہ لینا ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہر خاندان کیلئے ایک ایک جلد علٰحدہ کرنی پڑی، موجودہ جلد ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین، اور انکے امراء اور شہزادوں کی علم دوستی پر مشتمل ہے، اور اس علم دوستی کی بدولت جو فضلاء، و شعراء علم و ادب کے افق پر مہر و ماہ بنکر چمکے، ان کے کمالات کو بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

اگر ناظرین کو یہ کچھ بھی پسند آجائے تو یہی مؤلف کی کاوش و محنت کا صلہ ہو جائیگا، آیندہ جلدوں میں خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کی بزم کی تصویریں ہوں گی،

بزمِ تیموریہ میں تیموری بادشاہوں کی عرفان دوستی کا ذکر نہیں ہے، لیکن اس کتاب میں بعض سلاطین کے حالات میں وقت کے مشائخ کے فیوض و برکات کا ذکر بھی خاص طور پر کیا گیا ہے، اہل دل بزرگانِ دین کی نظر کیمیا اثر نے سلطان شمس الدین التمش کو کس طرح خاک سے پاک کر دیا، اسکا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، یہ اس لیے کہ اس سلطان کی سیرت کا یہ پہلو اب تک نظروں کے سامنے نہ تھا، راقم کو ایک گونہ مسرت ہے کہ اسی نے شاید پہلی دفعہ ستمبر سنہ ۱۹۳۵ء کے معارف میں اس سلطان کے عرفانی پہلو کو پیش کیا، بزمِ صوفیہ میں اس کو پھیلا کر لکھنے کا موقع نہ تھا، اس لیے اب

اس کتاب مین اسکو تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی گئی ہی جس کے بعد یہ کہنے مین تامل نہین کہ اس سلطان کا شمار اسلامی تاریخ کے ان حکمرانون مین کیا جا سکتا ہی جن پر انکی اعلیٰ سیرت، اور اعلیٰ کردار کی بہ دلت مسلمانون کو ناز ہی، ناصرالدین محمود اور غیاث الدین بلبن کو بھی ایسے ہی فرمانرواؤن کی صف مین لاکر کھڑا کیا جا سکتا ہی، جیساکہ ناظرین کو خود اس کتاب مین ان کے حالات سے اندازہ ہوگا، گو ناصرالدین محمود اپنے باپ سلطان شمس الدین التیمش یا اپنے خسر غیاث الدین بلبن کی طرح ایک حکمران کی حیثیت سے زیادہ کامیاب نہین رہا، ان سلاطین کے اوصاف و محاسن کے ذکر مین جابجا ملفوظات خواجگان چشت کے حوالے ہین بعض اہل علم کا خیال ہی کہ ہندوستان مین شروع دور کے خواجگان چشت کے ملفوظات فرضی ہین، اسلیے انکو ماخذ بنانا صحیح نہیں، اسکی طرف بھی توجہ راقم ہی نے پہلی دفعہ جولائی ۱۹۴۸ء کے معارف (ص ۷۰) کے ذریعہ دلائی، پھر ۱۹۴۹ء مین بزم صوفیہ کی تمہید مین یہ واضح کیا کہ خواجگان چشت کے ملفوظات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگون نے انکو مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد مین ان کے اسمائے گرامی انکی طرف منسوب کردیے گئے ہین، پھر اس پر تفصیل کیساتھ اکتوبر ۱۹۵۰ء، واکتوبر ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۲ء کے معارف مین بحث کی، ان تمام مباحث کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہی کہ جو رسالے خواجگان چشت کے نام سے منسوب ہین، اگر ان کے قلم اور ہاتھ سے نہیں لکھے گئے تو کم از کم قدیم العہد ضرور ہین، اور ان کو احتیاطاً کیساتھ ماخذ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، جیساکہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے تذکرہ اخبار الاخیار مین کیا ہے، وہ بھی ملفوظات خواجگان چشت کو ان کی تصانیف تسلیم کرنے مین متامل ہین، پھر بھی وہ ان کے حوالے بار بار دیتے ہین، اس کتاب مین بھی ان سے جابجا استفادہ کیا گیا ہی، ناقدین کی تنقیدون سے بچنے کی خاطر ان ملفوظات سے جہان کوئی روایت نقل کیگئی ہی وہان دوسرے مستند مجموعۂ ملفوظات اور تذکرون کے متوازی حوالے بھی دیدیے گئے ہین تاکہ یہ روایتیں محض یہ کہکر مجروح نہ کردی جائین کہ یہ ان ملفوظات کے مجموعون سے لی گئی ہین جن کو بعض اہل علم فرضی سمجھتے ہین، اس سلسلہ مین بزم صوفیہ کے بعض واقعات کی تکرار بھی اس کتاب مین ہوگئی ہی لیکن یہ واقعات بزم صوفیہ مین محض اجمالی طور پر آئے ہین، انکو تفصیل سے لکھنے کا موقع اس کتاب مین ملا تو تکرار ناگزیر ہوگئی،

راقم کو اس کی بھی خوشی ہی کہ اس کتاب کے ذریعہ بعض فارسی شعراء کا تعارف اردو مین پہلی دفعہ کیا جا رہا ہی شعراء کے

تنقیدی مطالعہ سے جو طوالت آگئی ہے امید ہے کہ ناظرین پر گران نہ گزریگی بعض طویل قصائد اسلیے بھی نقل کر دیے گئے ہیں کہ

گاہے گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را

آج ہمارے اسلاف کیلیے یہ قصائد ہی کیا بلکہ انکی ساری فارسی شاعری دفتر پارینہ ہی کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ہم اپنی رواداری اور وسعتِ قلب کی بنا پر فارسی زبان کو چھوڑ کر ہندوستان کے رہنے والوں کی ملی جلی زبان اُردو کو قبول نہ کر لیتے تو آج ہماری علمی اور ادبی زندگی، کو یہ فارسی شاعری کس قدر متمول کر چکی ہوتی، اب یہ تمام شعراء ہمارے لیے گویا اجنبی سے بنگئے ہیں، اور ہماری ثقافتی زندگی سے دور ہوتے جارہے ہیں، پھر بھی انکے علمی و ادبی کارناموں کا مطالعہ ضروری ہے کہ ان ہمارے ماضی کی علمی تاریخ بنی اور بالآخر انہی کے کمالات کی بدولت ہماری موجودہ علمی ذوق کی نشو و نما ہوئی۔

ان شعراء میں امیر خسرو پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے متعلق کوئی نئی بات لکھنی آسان نہیں لیکن اس کتاب میں ناظرین کو کوئی بات بھی نئی نظر آجائے تو مؤلف اپنی قلمی کاوشوں کو رائگان نہیں سمجھے گا،

شعراء کے کلام حتی الوسع بڑی احتیاط سے نقل کیے گئے ہیں، مگر بعض بدخط قلمی نسخوں اور تذکروں سے انکو نقل کرنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ہے بعض مطبوعہ نسخوں میں بھی اشعار صحیح نقل نہیں ہوئے ہیں، اس لیے اگر اشعار کی کتابت میں غلطیاں رہ گئی ہوں تو ہم اس کے لیے پہلے سے معذرت خواہ ہیں، مطبع کی غلطیوں کی تصحیح آخر میں کر دی گئی ہے انکو ناظرین درست کر لیں بعض اشعار کے الفاظ میں "یائے مجہول" کے بجائے "یائے معروف" ہی لکھی گئی ہے، کیونکہ بعض اساتذہ نے ان کو اسی طرح نقل کیا ہے:

اس کتاب میں کہیں "جیتل" اور کہیں "جیتیل" لکھا گیا ہے جیتل زیادہ صحیح ہے لیکن بعض مستند نسخوں میں جیتیل بھی مرقوم ہے، اسی طرح تنکے اور ٹنکے دونوں اصطلاحات نظر سے گذری ہیں،

ممکن ہے اس کتاب کا نام "بزم مملوکیہ" عام فہم نہ ہو، کیونکہ ہندوستان کے غلام سلاطین کے لیے عام طور سے "مملوک" کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی ہے لیکن حال کے اہل قلم ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کرنے لگے ہیں، اسلیے بزم تیموریہ کی مناسبت سے "بزم مملوکیہ" ہی نام زیادہ پسند آیا،

اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ مین علی گڈھ کا بھی سفر کرنا پڑا، اور وہان حبیب گنج اور مسلم یونیورسٹی کے کتب خانوں کی کتابون سے استفادہ کیا، بزرگ محترم جناب عبید الرحمن خان صاحب شروانی، جناب ڈاکٹر محمد عزیز صاحب لکچرار شعبۂ اردو، اور ڈاکٹر عشرت حسین انور صاحب لکچرار شعبۂ فلسفہ کی مہمان نوازیون کا صمیم قلب سے رہین منت ہون، جناب عبید الرحمن خان صاحب شروانی انتہائی لطف وکرم کا اظہار کر کے ان خصوصی خاندانی روابط ومراسم کا ثبوت دیا، جو ان کے والد بزرگوار مولانا حبیب الرحمن خان رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے دار المصنفین والون کے ساتھ قائم ہین۔

علی گڈھ کے قیام کے زمانہ مین مجھی خلیق احمد نظامی ریڈر شعبۂ سیاسیات سے معلوم ہوا کہ محترمی پروفیسر محمد حبیب صدر شعبۂ سیاسیات نے کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سے تاج المآثر کی نقل منگوائی ہے، اس سے پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا جس کے بغیر میری یہ کتاب ایک حد تک ناقص رہتی، ان دونون حضرات کی اس علمی امداد کا بھی تہ دل سے شکرگذار ہوں، سید بشیر الدین صاحب لائبریرین لٹن لائبریری کا بھی ممنون ہون کہ انھون نے امیر خسرو کے مطبوعہ دیوان وسط الحیوۃ کا ایک نسخہ دار المصنفین کو نذر کر کے میری بہت سی مشکلات آسان کر دین، یہ نسخہ ناقص رہ جانے کی وجہ سے چھپنے کے بعد شائع نہ ہو سکا، اس کے کچھ نسخے مسلم یونیورسٹی مین محفوظ رہ گئے ہین، لٹن لائبریری مین مشتاق احمد صاحب اسسٹنٹ لائبریرین اور شاہد شروانی صاحب جس اخلاق سے پیش آئے اس کا بھی مشکور ہوں۔

عم محترم جناب بشیر الحق صاحب بیدل دسنوی عظیم آبادی اور جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی بھی لائق تشکر ہین کہ انھون نے خدابخش خان لائبریری پٹنہ اور کتب خانہ رامپور سے بعض ضروری اقتباسات نقل کر کے بھیجے۔

ہیچمدان

سید صباح الدین عبد الرحمن (علیگ)

۱۲ر جنوری ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# قطب الدین ایبک

۶۰۲ - ۶۰۷ھ

۱۲۰۶ - ۱۲۱۰ء

سلاطین دہلی کی حکومت غلاموں کی بادشاہت سے شروع ہوتی ہے، اور یہ اسلامی مساوات و اخوت کا ایک بہت روشن پہلو ہے کہ غلاموں نے بھی مسند حکومت پر جلوہ افروز ہو کر اپنے آقاؤں ہی کی طرح کشورکشائی اور جہانبانی کی، اور جس تدبر اور ہوشمندی سے زمام سلطنت کو سنبھالا وہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان غلاموں کی پرورش و پرداخت ان کے آقا اپنے خاندان کے افراد ہی کی طرح کرتے تھے، انھوں نے جو تعلیم و تربیت پائی اس سے ان کی گوناگوں صلاحیتیں ابھر آئیں، اور ان کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھی، اقبال نے بھی بڑھ کر ان کے قدم چومے اور انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں ایسے سیاسی، تمدنی اور علمی کارنامے انجام دیے جن پر آج بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

**ایبک کی ابتدائی تعلیم** دہلی کے مملوک یعنی غلام سلاطین کی حکومت کا آغاز قطب الدین ایبک سے ہوتا ہے، وہ نسلاً ترکی یعنی ترکستان کا رہنے والا تھا، بچپن میں ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشاپور لے آیا، یہاں اس نے قاضی فخر الدین عبد العزیز کوفی کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد میں سے

تھے، اور نیشاپور اور اسکے مضافات کے حاکم بھی تھے[1]، اپنے علم فضل، دینداری اور تقوی کی وجہ سے اپنے عہد کے امام ابو حنیفہ سمجھے جاتے تھے، تاریخ فخرالدین مبارک شاہ میں ہے:۔

امامے عالم ذوفنون متبحر متقی بسیار فضل متدین از فرزندان امام عالم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ درایام وعہد خود ابو حنیفہ ثانی بود[2]

گویا قطب الدین کو اس کی قسمت نے ایسے گھر پہنچایا جو دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا تھا، تاریخ فخرالدین مبارک شاہ میں ہے کہ قطب الدین نے امام فخرالدین کے گھر میں کلام پاک پڑھنا شروع کیا، اور ان کی برکت سے کلام پاک کی ایسی تعلیم پائی کہ قرآن خواں کے نام سے مشہور ہو گیا،

قرآن در خانۂ آن امام بزرگ آموخت و از برکت نظر او قرآن خوان شد و بدین نام معروف گشت و ترکان ببازی و دویدن و نرد و شطرنج باختن معروف شدند او بقرآن خواندن مشہور گشت و بہ سبب برکت قرآن خواندن اقبال و دولت و دوستکامی روے بدو آورد۔[3]

طبقات ناصری کے مؤلف کا بھی بیان ہے کہ قاضی فخرالدین نے اس زرخرید غلام کو اپنے بچوں ہی کی طرح کلام پاک پڑھوایا، اور سواری اور تیراندازی کی بھی تعلیم دی[4]، فرشتہ رقمطراز ہے کہ قطب الدین اپنے آقا قاضی فخرالدین کے لڑکوں کے ساتھ مکتب جاتا، اور تھوڑے ہی دنوں میں کلام پاک پڑھنے لگا، لکھنے پڑھنے سے واقف ہو گیا، اور دوسرے آداب اور کمالات میں بھی اچھی طرح مہارت حاصل کر لی[5]، قاضی فخرالدین کی وفات کے بعد ان کے کسی لڑکے نے قطب الدین کو کسی تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا، جس نے اس کو سلطان معزالدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا، سلطان نے بڑی قیمت دیکر خرید لیا، اس کی صورت خراب ہونے کے علاوہ اس کی چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی، اس لیے لوگ اس کو ایبک شل

---

[1] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۳۸ [2] تاریخ فخرالدین مبارک شاہ ڈینی سن روس ص ۲۱ [3] ایضاً

[4] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۳۸ [5] تاریخ فرشتہ ج اص ۶۱، نولکشور پریس۔

(خستہ انگشت) کہتے تھے[1] آگے چل کر ایک شل کے بجائے صرف ایبک ہی اس کے نام کا جزء ہوگیا۔
حالانکہ ایبک کے معنی صرف انگلی ہی کے ہیں۔

**ترقی مدارج** وہ رفتہ رفتہ اپنے اوصاف و محاسن کا سکہ سلطان شہاب الدین غوری اور اس کے درباریوں پر بٹھاتا گیا، سلطان شہاب الدین نے ایک رات بزم نشاط منعقد کی، خوشی کے عالم میں اس نے تمام غلاموں کو انعام میں چاندی سونے اور روپے پیسے عطا کیے، قطب الدین کو تمام غلاموں سے زیادہ دیا، لیکن جب یہ محفل عشرت ختم ہوئی، اور قطب الدین باہر آیا تو اس نے اپنے سارا انعام ادنیٰ غلاموں میں تقسیم کر دیا، جب اس کی خبر سلطان کو ہوئی تو وہ اپنے ایک غلام کی بلند حوصلگی اور فیاضی سے خوش ہوا، اور اس کو اپنے امراء میں داخل کر لیا، اور اس کی جگہ اپنے تخت کے سامنے مخصوص کی[2]، اور پھر وہ روز بروز سلطان کی آنکھوں کا تارا ہوتا گیا، پہلے تو وہ امیر خور کے عہدہ پر مامور کیا گیا، اور جب غور، غزنین اور بامیان کے سلاطین نے مل کر خراسان کی طرف سلطان شاہ کے خلاف یورش کی تو اس لشکر میں وہ علفچیوں کا سردار تھا، ایک روز وہ اپنے لشکر کے مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کر رہا تھا کہ غنیم کی فوج نے بڑھ کر اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا، قطب الدین ان سے بہادری سے لڑا، لیکن اس کے ہمراہی تھوڑے تھے، اس لیے وہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، انھوں نے اس کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے قید کر دیا، لیکن جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کا آہنی پنجرہ ایک اونٹ پر لاد کر سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا گیا، سلطان نے اس کو پنجرے سے نکالا، اور طوق آہنی کے بجائے موتیوں کے ہار اس کے گلے میں پہنائے[3]، اس کے بعد قطب الدین کے درجات اور بھی بڑھتے گئے، ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں شہاب الدین اجمیر فتح کر کے اور دہلی کے راجہ کو اپنا باجگذار بنا کر غزنیں واپس

[1] طبقات ناصری ص ۱۳۸، [2] ایضاً و طبقات اکبری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ج ۱ ص ۴۱،

[3] طبقات ناصری ص ۱۳۹، فرشتہ ج ۱ ص ۶۱

جانے لگا تو قطب الدین کو کہرام اور سامانہ کا اقطاعدار (ایال) اور ہندوستان کا سپہ سالار بنایا، [1]
قطب الدین نے اس جلیل القدر عہدہ کے فرائض اچھی طرح انجام دیے اور اسی کے ساتھ میرٹھ، دہلی اور رنتنھبور کو تسخیر کرکے اپنے فن سپہگری کے بھی پورے جوہر دکھائے، چنانچہ ۵۸۸ھ ۱۱۹۳ء میں سلطان شہاب الدین نے اس کو غزنین بلاکر اس کے کارنامے کی داد دی اور بے شمار قیمتی تحفے عطا کیے، غزنین سے واپس ہوکر قطب الدین نے اپنی فوجی سرگرمیاں اور تیز کردیں، اور جب شہاب الدین غوری قنوج اور بنارس کے راجہ جے چند سے جنگ کرنے کے لیے ہندوستان پہنچا تو قطب الدین اپنے آقا کی پیشوائی کے لیے آگے بڑھا، اور اس کے حضور میں ایک سو عربی گھوڑے، پچاس ہزار سوار، ہاتھی اور اونٹ پیش کیے [2]، سلطان ان تحائف سے خوش ہوا، اور اس کو پیشرو لشکر بنا کر آگے قنوج کی طرف بھیجا، اس لڑائی میں قطب الدین نے اپنی وفاداری، جانبازی اور سپہگری کا کچھ ایسا ثبوت دیا کہ سلطان شہاب الدین نے اس کو اپنا فرزند بناکر فرمان فرزندی اور ایک سفید ہاتھی عطا کیا، [3]
قطب الدین کا ستارۂ اقبال چمکتا گیا، اور اس کی فوجوں اور اس کے فوجی سرداروں کے لشکری گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز گجرات، راجپوتانہ، گنگ وجمن کے دوآب، بہار اور بنگال، ہر طرف سنائی دینے لگی، اور ہر جگہ اس کی فوجیں فتح کا ڈنکا بجاتی اور نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں، لیکن وہ اب تک اپنے کو آقا کا غلام ہی سمجھتا رہا۔

**تخت نشینی** جب شہاب الدین غوری شہید ہوا، اور سلطان محمود بن غیاث الدین اس کا شرعی وارث بنا تو اس نے قطب الدین کی عزت اپنے چچا سے زیادہ کی، تخت پر بیٹھتے ہی قطب الدین کو سلطان کا خطاب دیا، چتر اور امارت بادشاہی عطا کی، اور اسی کے ساتھ آزادی کا فرمان بھیجا،

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۳۹، تاج المآثر (نسخہ پروفیسر محمد حبیب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

[2 و 3] فرشتہ ج ۱ ص ۶۱

قطب الدین نے خلعت اور فرمان کا استقبال دہلی سے چل کر لاہور میں کیا، اور اپنے آقا کے گھرانے سے اپنی وفاداری کی یہ قدر دیکھ کر پھولا نہ سمایا، محمود کا خلعت لے کر ۱۸ ذیقعدہ ۶۰۲ھ (مطابق جون ۱۲۰۶ء) میں لاہور میں تخت نشین ہوا[1] جس کے بعد ہندوستان کی سیاسی، تمدنی، عمرانی اور علمی تاریخ کا ایک نیا شاندار باب شروع ہوا،

لاہور اس وقت نہ صرف فوجی حیثیت سے ایک اہم مقام تھا، بلکہ یہ اربابِ فضل و کمال اور اصحابِ زہد و اتقیا اور صوفیہ و مشائخ کا مسکن بھی تھا، تاج المآثر میں ہے:

"وخطۂ لوہور کہ مستقر سریر سلاطین و مطلع خورشید ارباب یقین و منشا اصحاب فضل و تقوی و مامن زہاد و عباد و مسکن اقطاب و اوتاد گشتہ است دار الملک دولت شد"

قطب الدین ایبک نے ایک اجنبی ملک میں اپنی نئی حکومت کی بنا ڈالی، اس لیے اس کو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کو نہ صرف اپنی سلطنت کے حدود کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی دھن رہی، بلکہ بہتر سے بہتر عدل و انصاف، نظم و نسق قائم کر کے لوگوں کے دلوں کی تسخیر کی بھی فکر رہی۔

شاہی القاب | اس نے تخت نشینی کے وقت جو القاب اختیار کیے تھے، ان میں مظفر، منصور، عادل، مجاہد، غازی، ظہیر الایام، مجیر الانام، کہف الاسلام والمسلمین اور ناصر الاسلام کے بھی القاب تھے،[2]

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۴۰، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ۸ ذیقعدہ مرقوم ہے، [2] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں قطب الدین ایبک کے پورے القاب یہ درج ہیں:

ملک موید مظفر منصور، عادل، مجاہد، غازی، قطب الدنیا والدین، کہف الاسلام والمسلمین، اکرم الملوک والسلاطین ظہیر الایام، مجیر الانام، جلال الدولۃ، کمال الملۃ، قاطع الکفرۃ والمتمردین، قاتل الفجرۃ والمشرکین، حامی البلاد، راعی العباد، ناصر الاسلام کاسر الاصنام شہریار الزمان، ابو الفوارس ایبک السلطانی نصرۃ امیر المومنین اعلی اللہ شانہ و خلد ملکہ و سلطانہ (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۳۲)

تاج المآثر میں یہ القاب اس طرح درج ہیں: قطب الدنیا والدین، رکن الاسلام والمسلمین، کہف الملوک والسلاطین قاطع الکفرۃ والمشرکین، قاہرۃ الفجرۃ والمتمردین، صفی الایام، رضی الانام، ظہیر الملۃ، مجیر الامۃ، المؤید من السماء، المنصور علی الاعداء، تاج المعالی، عضد الخلافۃ شہریار، غازی خسرو ہندوستان، ابو الحرث ایبک سلطانی نصرت امیر المومنین خلد اللہ دولتہ و اعلی رایتہ۔

مختلف لڑائیوں میں اپنی شجاعت اور بہادری کا جوہر دکھا کر اس نے مظفر منصور، مجاہد اور غازی کے القاب کو حق بجانب ثابت کیا، طبقات ناصری میں ہے کہ

"حق تعالیٰ اور اشجاعت وکرمے بخشیدہ بود کہ در شرق و غرب عالم در عصر او بادشاہے را نبود (ص ۱۳۷)

پھر تخت پر بیٹھ کر جس عدل و انصاف کا نمونہ پیش کیا وہی آئندہ نسلوں کے لیے روایت بن گیا، فخر مدبر کا بیان ہے کہ قطب الدین نے تائید ایزدی، تدبر اور اصابت رائے سے اس ملک میں ایسا نظم ونسق قائم کیا اور ایسے قوانین و قواعد بنائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برابر بادشاہی اور حکمرانی کرتا رہا ہے اور عدل کی ایسی بنا ڈالی کہ اس کے لشکر میں ترک، غوری، خراسانی، خلجی، ہندوستانی، راجے اور ٹھاکر وغیرہ سب ہی تھے لیکن کسی کی یہ ہمت نہ تھی کہ گھاس کی ایک پتی یا ایک چپاتی یا جنگل سے بکری یا آبادی سے کسی کی کوئی چڑیا پکڑ لیتا، یا کسی رعیت کا گھر برباد کر دیتا، تاج المآثر کے مؤلف نے بھی اپنے خاص انداز میں لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک کی عدل نوازی کی بنا پر کبک نے باز، دراج نے عقاب اور تدرو نے شاہین سے امن پایا، لومڑی اور ہرن شیر کے پاس اور بھیڑ یا بکری کے نزدیک رہا کرتا تھا، اسکی حکمرانی کی اس عام پالیسی کی بنا پر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اس کے "عادل" ظہیر الایام (زمانہ کی پشت) ظہیر الامت (امت کی پشت) رضی الانام (مخلوق میں مقبول) اور مجیر الانام (مخلوق کی جائے پناہ) جیسے القاب صحیح تھے،

اتباع خلفائے راشدین

وہ کہف الاسلام والمسلمین، ناصر الاسلام اور رکن الاسلام بھی کہلاتا تھا، اس نے ان القاب کا بھی اپنے کو مستحق بنایا، فخر مدبر کا بیان ہے کہ وہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ میں خلفائے راشدین کے نمونے پیش نظر رکھتا تھا، چنانچہ سخاوت میں حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کی، عدل میں حضرت عمرؓ کی تقلید کی، دیانت میں حضرت عثمانؓ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا اور شجاعت و مردانگی میں

حضرت علیؓ کی مثال سامنے رکھکر اپنی سپہگری کا جوہر دکھایا[۵]، ظاہر ہے کہ ان محاسن کے ساتھ اس کی حکومت اہل ہند کے لیے کیسی رحمت الٰہی رہی ہوگی، افسوس ہے کہ اس عہد کے مورخوں نے ان محاسن کا ایک اجمالی بیان دے کر ان کی تفصیل لکھنا غیر ضروری سمجھا، اگر وہ تفصیل بھی لکھتے جاتے تو آج اس عہد کے حکمرانوں کی تاریخ کس قدر روشن، تابناک اور باوقار ہوتی،

**شریعت نوازی** فخر مدبر نے مختصر طریقہ پر یہ لکھا ہے کہ قطب الدین نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کی زندگی اسلامی اور شرعی نہج پر تشکیل کرنے کی کوشش کی، مثلاً ان کی جائداد سے جتنے غیر شرعی خراج لیے جاتے تھے، ان کو ختم کر دیا، اور شریعت کے مطابق عشر لینے کا حکم جاری کیا جس سے عام طور پر مسلمان خوش ہوئے، اس کے علاوہ تمام نامشروع بدعتیں بھی دور کر دیں، اور سنت کی پیروی کرنے اور کرانے کی عام تلقین کی، اور اس کو اس میں کامیابی بھی ہوئی، اس کی تصدیق تاج المآثر کے حسب ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے:

"شعار شرایع اسلام بہ غایت ظہور انجامید، و مناہج و شعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست و آفتاب سعادت از افق تائید بر دیار ممالک نور انداخت و ماہ جلالت از سپہر کامگاری بر عرصہ ممالک سایہ افگند و روضۂ دین بہ عقل زرین نضارت از سر گرفت و بیضۂ اسلام برائے متین آرایش بے نہایت یافت

تاج المآثر کے مؤلف کا بیان یہ بھی ہے کہ شرع و سنت کی ترویج میں احکام حنفی کا خاص لحاظ رکھا گیا،

و عذبات و آیات شرع و سنت تنسیم صبح ہدیٰ خافق گشت و اعلام احکام حنفی سر بذروۂ کیوان و اوج گنبد گردان افراخت"

[۵] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۵۹ - ۵۴

چنانچہ شریعت کی پابندی نیکی وخیرات، تسبیح وتہلیل کا عام رواج تھا،

در اظہار شرع ومنار اسلام تاکید بہ سزا رفت وبنائے طاعات وارکان خیرات افراشتہ آمد، ورسوم بدعت وقوانین ضلالت اندراس پذیرفت ........ وزجل تسبیح وتہلیل والحان مؤذنان بکیواں رسیدہ[1] ........

قطب الدین نے بچپن میں ایسے گھر میں زندگی گذاری تھی جس کے ہر فرد کے رگ وریشہ میں شریعت اور خصوصاً فقہ سرایت کرگئی تھی، اس لیے وہ بادشاہ بنکر شرعی اور فقہی احکام کی تعمیل کرانے میں سرگرم رہا، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ زمانہ بھی وہ تھا جبکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان میں قدم رنجہ فرما کر اس سرزمین کو اسلام کے انوار وتجلیات سے معمور کر رہے تھے، ایک طرف وہ اپنی بے نفسی، سیرت کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جلالت وعظمت قائم کر رہے تھے تو دوسری طرف قطب الدین اپنی نبرد آزمائی، عدل گستری، شریعت نوازی اور رعیت پروری سے اسلام کی سطوت وحشمت کا سکہ بٹھا رہا تھا، اور دونوں کی نیتوں میں اخلاص تھا، اس لیے جس دین اور سیاست کا پرچم دونوں نے لہرایا وہ اس سرزمین پر برابر لہراتا رہا۔

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نزول اجلال راجہ پتھورا کے زمانہ میں ہوا، اور ان کا وصال سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوا، قطب الدین ایبک اپنے آقا شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان آیا تو اس وقت حضرت خواجہ اجمیر ہی میں مقیم تھے، ان کی مدت قیام میں قطب الدین کئی بار اجمیر شریف گیا، لیکن تذکروں اور تاریخوں میں دونوں کی ملاقاتوں کا کوئی ذکر نہیں، قیاس یہی کہتا ہے کہ دونوں میں ضرور ملاقاتیں ہوئی ہونگی اور قطب الدین کو حضرت خواجہ معین الدینؒ سے مل کر جو فیوض حاصل ہوئے ہوں گے، ان کی بدولت اس میں اسلام کی خدمت کا جذبہ اور بھی زیادہ پیدا ہوا ہوگا۔

[1] تاج الماثر قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر محمد حبیب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

لیکن تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے، اس لیے ہم بھی اس کے متعلق کچھ لکھنے سے قاصر ہیں۔

علم نوازی | قطب الدین کو اپنے لوازم شاہی کے سلسلہ میں معارف نوازی اور علم پروری کی بساط بھی بچھانی تھی، اس کا وقت توزیادہ تر ایک نوزائیدہ سلطنت کے سنوارنے میں گذرا، پھر بھی غزنین اور غور کی روایات کے مطابق وہ علماء، فضلاء اور شعراء کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیتا اور ان کی سرپرستی کرتا رہا، تاج المآثر میں ہے:

"دتوقیر واحترام علمائے دین کہ ورثۂ انبیاء وخزنۂ علوم شریعت وحقیقت اند وبشرف قربت ومزیت درجۂ اختصاص یافتہ واجب ومتعین دانست واعزاز واکرام ایشان بر وفق کتاب وسنت مقدمۂ بختیاری وعمدۂ جہانداری شناخت"

ان علماء کی قدردانی کا ذکر ایک جگہ اور تاج المآثر میں اس طرح ہے:

"وائمۂ وعلمائے دین کہ نگین خاتم شریعت وواسطۂ قلادۂ سنت ودر درج فتوی وعزد درج تقوی ومرکز دائرہ علم وقطب فلک فضل وماہ آسمان معانی وخورشید سپہر معانی اند...... بلطف اعزاز ونواخت کرامت وتشریف اسپ وساخت اختصاص یافتند"

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود وسخا میں مشہور تھا، بادشاہ ہونے کے بعد اسکی فیاضی و داد ودہش کے واقعات ضرب المثل ہوگئے، وہ انعام واکرام میں لاکھوں روپئے تقسیم کردیتا، اور اسکی یہ زرپاشی صرف اس کے اہل دربار ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ ہر محتاج اور ضرورت مند اس کی سخاوت سے فیضیاب ہوتا تھا، اسی لیے وہ لک بخش کے نام سے مشہور ہوا۔ شعراء اور فضلاء بھی اس کے خوان کرم سے متمتع ہوتے رہے، جن میں سے ہم یہاں پر بعض کا ذکر کرتے ہیں

بہاء الدین اوشی | مولانا بہاء الدین اوشی اوش سے ہندوستان آئے، اپنے زمانہ کے مشہور شاعر اور ادیب تھے۔

عوفی نے لباب الالباب میں ان کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا۔

"الامام الاجل بہاء الدین محمد الاوشی، ایک خوشگو واعظ، جوان طبع، انشاء پرداز اور فصیح لطیفہ[۱] پرداز تھے، ہمیشہ اپنے کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ اے بہاء اوشی تو بہاء اوشی (یعنی اے بہاء تو اوش کی رونق ہے) ان کی نظم بھی پسندیدہ اور خوشنما ہوتی تھی لیکن ان کی نثر نظم سے بہتر تھی، اور تمام معاصر فضلاء نے انصاف کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ بدیہہ گوئی میں کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا[۲]۔

ہندوستان آکر قطب الدین ایبک کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور اس کی شان میں قصائد کہہ کر اپنی خوش گوئی اور فصیح البیانی کی داد لیتے، اور اس کے فیض و کرم سے سیراب ہوتے، مندرجۂ ذیل قصیدہ میں انھوں نے قطب الدین ایبک کی بہادری، فیاضی اور عدل پروری کا ذکر حسین والہانہ انداز سے کیا ہے، وہ سلطان وقت کی ذات سے ان کی شیفتگی اور خود سلطان کی علم پروری کی دلیل ہے،

| | |
|---|---|
| اے قطب آسماں کہ ز سہم دز باس تو | در روز رزم رستم خونخوار بشکند |
| از شرم فیض قلزم مواج کفِ تو | در وقت بزم بحر گہربار بشکند |
| قطبی و آفتاب ز نور تو وام خواست | گر رونقی ز تو دل آن یار بشکند |
| در قدر تو بگرد فلک بر نیامدی | ہم کار و بار گنبد دوار بشکند |
| ناہید گر نہ گوید مدح تو در نوا | زخمہ اش بوقت زخم بر او تار بشکند |
| بے بوئے خلق تو نتواند صبا بعہد | کز جعد زلف یار یکے تار بشکند |
| بر ہر کہ بوئے خلق تو روزی گذر کند | او آرزوے نافۂ تاتار بشکند |
| اسرار روزگار بہر ست وراے تو | ہر روز بگر نامۂ اسرار بشکند |
| تو مرکزی و چرخ چو پرکار گرد تو | یکسر اگر شود ز تو کار بشکند |

---

[۱] ان کے کچھ لطیفے لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۰ پر درج ہیں [۲] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۰

خارے کہ پائے بے زرۂ خصم تو بخست | دست زمانہ خود سر آن خار بشکند
---|---
در گرد صیت تو نرسد خوش رو صبا | سیار تیز رونہ زطیار بشکند
بازار ظلم اگر بشود گرم در جہان | از عدل تو ستم را بازار بشکند
از شکند ردیف نکردم زبہر آن | تا یاد شعر طرہ بنہجار بشکند
بادا حیات ذات تو جفت ثبات و عز | تا آنگہے کہ طاق نگو نسار بشکند[۱]

اوپر کہا جا چکا ہے کہ قطب الدین اپنی فیاضی کی وجہ سے لک بخش مشہور تھا، مولانا بہار الدین اوشی نے اس خطاب کے ساتھ اس کی مدح اس طرح کی ہے

| | |
|---|---|
| اے بخشش لک تو درجہان آوردہ | کارا کف تو کار بجان آوردہ |
| از رشک کف تو خون گرفتہ دل کان | وز لعل بہانہ درمیان آوردہ |

ان اشعار کو تمام مورخوں نے نقل کیا ہے، لباب الالباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بہار الدین ہندوستان سے مراجعت کر کے اپنے وطن اوش چلے گئے، اور وہاں وہ شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور ہوئے، روز روشن میں ان کی وفات کی تاریخ ۶۰۷ھ درج ہے۔

**جمال الدین محمد** قطب الدین ایبک کے ایک دوسرے درباری شاعر کا نام عوفی نے الصدر الاجل افتخار الملک افضل العصر جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے جس کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ عوفی کے اس بیان سے ہوگا۔

"فضل و بزرگی کے فلک پر ایک قطب اور مجد و بزرگواری کے آسمان پر ایک چاند تھا، اپنے فضائل میں عدیم المثال، اور فنون میں بے نظیر، بلاغت و براعت میں تمام معاصروں سے سبقت لے گیا تھا، برسوں ملوک جبال کی دولت سے فیضیاب ہوتا رہا۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے مؤلفات

---

[۱] لباب الالباب از محمد عوفی جلد اول ص ۱۸۹

تمام اطراف میں مقبول ہیں، ......... مجلس آرائی شہابی اس کی ایک مختصر لیکن بہت مفید تصنیف ہے، اس سے اس کے فضل وکمال کا اظہار ہوتا ہے، اس کے اشعار میں لطافت اور فصاحت ہوتی ہے، اور دونوں زبان میں اس کے شعر ہیں۔" (جلد اول ص ۱۱۷)

قطب الدین ایبک نے جمال الدین محمد کے علم کی بھی پوری قدر دانی کی اور اس کے التفات شاہانہ سے جمال الدین محمد کی زندگی عیش عشرت میں گذری، عوفی رقمطراز ہے کہ

"وازاقبال سلطان سعید بایعیشے حمید روزگار گذاشت[1]۔"

جمال الدین محمد بھی شاہی لطف وعنایت کا معترف ہوکر آقا کی مدح میں قصیدے لکھتا اور اپنی شاعری کا جوہر دکھاتا، ایک قصیدہ میں لکھتا ہے،

خداوندا شہے گیتی ستانے — کہ شاہاں جہانش بندگانند
گہے آثار او در ہند بینند — گہے فرمان او در روم خوانند
چو خصمانرا ازباس او یقین شد — ہم از ہستی خود اندر گمانند
گہے در خدمتش قائم چو تیراند — گہے نالاں زبیمش چوں کمانند
نداز ندا زجنابت مجرمان باک — اگر از رحمت وعفوش بدانند

ایک دوسرے قصیدہ میں کہتا ہے،

آن مظفر کامگار وآن موید نامدار — آن مکرم شہریار وآن مبارک پادشاہ
عالمی در صدر مسند لشکری در خسم زین — آسمانے در قبا وآفتابے در کلاہ
صورت بخشش چو بر تخت مبارک دید گفت — اینت روشن رای ذات واینت زیبا روے شاہ
آنکہ حلم طبع او وقت طلوع آفتاب — زرد رخ دارد زخجلت کوہ راماند کاہ

---

[1] لباب الالباب جلد اول ص ۱۱۷

آخر ماہ از شعاع روی او پنہان شود | اول مہ رخ نماید سر فرو افگندہ ماہ
فرط عدلش آہوان را پاسبان خواہد ز شیر | فیض اقبالش ز سنگ خارہ رویاند گیاہ
پاس او گر شعلۂ در عرصۂ عالم زند | آتش فتنہ بظل رحمتش جوید پناہ
در بداند لذت عفوش کہ چند و تا کجاست | ہر زمانے تازہ گردد مہر جانے بر گناہ
چون بقوت پاے قدرت بر سر کیوان نہاد | گنبد آئینہ گون گردد از زبان صبح آہ
بر بساط بارگاہ و ساحت درگاہ اوست | گاہ قیصر بار خواہ و گاہ خاقان داد خواہ[1]

قاضی حمید الدین | قطب الدین ایبک کے دربار کے تیسرے پروردہ شاعر کا نام عوفی نے القاضی الامام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر المحمودی لکھا ہے، عوفی اس کے علمی فضائل اور شاعرانہ کمال کا بہت مداح ہے، اور اس کو "قدوۂ افاضل عصر و والی و متصرف بر ولایت نظم و نثر" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ

"رسالت و منشآت او دریں بلاد مشہور ست و بر زبانہاے فضلا مذکور۔"

ان رسائل و منشآت کا نام معلوم نہ ہو سکا، البتہ اس کے کلام کے نمونے لباب الالباب میں ہیں، سعد الدین مسعود نے ایک بار اس کو ایک قطعہ لکھ بھیجا، اس قطعہ کی ردیف عقیق تھی، جب یہ قطعہ علی بن عمر المحمودی کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں، اسی حالت میں اس نے قطعہ کا حسب ذیل جواب لکھ کر سعد الدین مسعود کو ارسال کیا،

فرزانہ سعد دولت و دین صدر اہل فضل | دور از تو ہست چشم من از درد چون عقیق
در جزع دیدگانم نوری کہ داشتم | گشت از رمد بعینہ آن در کنون عقیق
از کان عقیق زاید و از بحر چشم من | بر ضد و عکس آید ہر دم برون عقیق

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۱۹، اس تذکرہ میں جمال الدین محمد کے کلام کے اور بھی نمونے ملیں گے۔

زین پیش بحر ردیم ہر گز شبہ نداد      واکنوں چہ شد کہ دادم این دہر دون عقیق

از دیدہ در د دیدہ چو بہتر شود مرا      سازم ردیف مدح تو اے ذوفنون عقیق[1]

عوفی نے السید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"مدتہا دیوان انشا سلطان شہید برسم او بود۔"

عوفی نے "سلطان شہید" کا لقب قطب الدین ایبک اور معز الدین سام شہاب الدین غوری دونوں کے لیے استعمال کیا ہے، میرا خیال ہے کہ ظہیر الدین سلطان معز الدین ہی کی ملازمت میں ہوگا، کیونکہ عوفی نے قطب الدین ایبک کے حریف تاج الدین یلدز سے ظہیر الدین کے گہرے تعلقات کی کچھ تفصیل لکھی ہے، ظاہر ہے کہ قطب الدین ایبک کے دربار سے وابستہ ہونے کے بعد ظہیر الدین یلدز کے دربار سے منسلک نہیں ہو سکتا تھا، ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اس کی دو رباعیاں پیش ہیں، اس سے اسکے کلام کے رنگ کا کسی قدر اندازہ ہوگا،

(۱)

یک ذرہ چو نیست در منت لستگی      منمائے دل ریش مرا خستگی

کم کن جفا و جور چند انک دلم      خو باز کند از تو باہستگی

(۲)

اگر سیفی با تو طریق جور سپرد      جفات گفت بیا زروت از جنون دعنہ

بعافیت نظرے کن بعافیت میری      مقابلہ چہ کنی مرسفیہ را بسفہ

**تاج المآثر** | اس عہد کی مشہور و معروف تاریخ تاج المآثر قطب الدین ایبک ہی کی خواہش پر لکھی گئی ہے، اسکا مؤلف حسن نظامی نیشاپوری تھا[2]، وطن میں سیاسی اختلال و انتشار سے جب اس کی قدر نہ ہوئی، تو قسمت آزمائی

---

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۲۰۵ [2] پروفیسر عندلیب شادانی نے اپنے ایک مقالہ میں حسن نظامی نیشاپوری کو چہار مقالہ

(باقی حاشیہ ص ۱۵ پر)

کے لیے غزنی پہنچا، یہاں کے زمانۂ قیام میں بہت سے علماء و فضلاء کے ساتھ اس کے روابط قائم ہوئے اور یہیں سے ہندوستان کی دولت کی شہرت سن کر اپنے چند دوستوں کے ساتھ دہلی روانہ ہوا، اور سفر کی ناقابل برداشت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد دہلی پہنچا، اور قاضی القضاۃ شرف الملک[۱] کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اس کی بڑی پذیرائی کی، جب اس کی علمی صلاحیتوں کی شہرت ہوئی تو اس کے دوستوں نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ سلطان وقت کی خواہش کے مطابق اس کے عہد کی تاریخ قلمبند کرے، قطب الدین ایبک نے اسی زمانہ میں اپنے فتوحات کا حال لکھنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ حسن نظامی نیشاپوری نے ۶۰۲ھ میں کتاب لکھنی شروع کی جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد بھی تصنیف جاری رکھی،

یہ کتاب اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے حالات میں پہلی تاریخ ہے، شروع میں سلطان معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر آخری پانچوں حملوں کا ذکر ہے، پھر قطب الدین ایبک کے عہد حکومت کی تفصیل ہے، اس کے بعد آرام شاہ کا تو ذکر نہیں، لیکن شمس الدین التمش کے عہد کے پہلے سات سال کے سیاسی و حربی واقعات ہیں[۲]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴) کے مؤلف نظامی عروضی سمرقندی کا لڑکا بتایا ہے (روداد ادارہ معارف اسلامیہ ۱۹۳۶ء) کشف الظنون جلد اول ص ۲۱۱ میں تاج المآثر کے مؤلف کا نام صدر الدین محمد بن الحسن النظامی مرقوم ہے،

[۱] پروفیسر حبیب کے نسخہ میں "صدر اعلیٰ شرف الملک" مرقوم ہے۔ [۲] اس کتاب کے تاریخی واقعات کی سرخیاں یہ ہیں: (۱) فتح اجمیر (۲) رسالت فرستادن برائے اجمیر (۳) تفویض ایالت اجمیر بہ پسر رائے پتھورا (۴) فتح دہلی (۵) صفت قلعۂ دہلی (۶) صفت لشکرگاہ در حدود دہلی بموضع اندپت (۷) ذکر ایالت کہرام و سامانہ (۸) صفت سواری بادشاہ از جہت شکار و لوازم آں (۹) انہزام جیتوان و کشتن او در جنگ (۱۰) ہزیمت کفار (۱۱) استخلاص میرٹ و دہلی۔ (باقی صفحہ ۱۶ پر)

یہ تاریخ شروع سے آخر تک بہت ہی مرصع، مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے، تحریر میں طرح طرح کی صنعتیں دکھائی گئی ہیں، جنگ کے اسلحہ مثلاً تیغ، نیزہ، تیر، خم کمند وغیرہ، بزم کے لوازم مثلاً ساقی، مے، حباب بر پیالہ، ارباب طرب، چنگ، بربط، کمانچہ، دف، جشن، عشرت وغیرہ، قدرتی مناظر مثلاً ماہ نو، شب کواکب، گل، گلزار وغیرہ، مختلف موسموں مثلاً بہار، خزاں، تابستان وغیرہ، مختلف فصل مثلاً خریف، شتا، خزاں، وغیرہ کے بیان میں ورق کے ورق رنگ دئے ہیں، اسی طرح ہاتھی، گھوڑے، خربزے، قلم، آگ، طبیب، بیماری اور صحت وغیرہ پر صفحے کے صفحے بھرے ہیں، بظاہر صفت (صنعت) وصف نگاری کا کمال دکھانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس وصف نگاری میں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵) (۱۲) عصیان ہیرراج، برادر رائے اجمیر (۱۳) نہضت مبارک بر صوب غزنہ (۱۴) رجوع شاہنشاہ بمقرہ عز و دولت و مرکز سعادت (یعنی دہلی) (۱۵) مسجد آدینہ (۱۶) نہضت مبارک بر جہت قلعہ کول و خطہ بنارس (۱۷) استخلاص حصن قلعہ کول وضبط آن زمین (۱۸) جنگ بنارس باجے چند کہ رائے قنوج بود (۱۹) اتفاق عزیمت رایات اعلیٰ بہ طرف غزنہ (۲۰) نہضت مبارک بہ طرف کول و تفویض ولایت آن موضع بہ ملک الامرا حسام الدین علیک (۲۱) مراجعت بحضرت دہلی (۲۲) فتح اجمیر کرت دوم (۲۳) فتح قلعہ تھنکر (۲۴) تفویض ایالت تھنکر بہ بہاء الدین طغرل (۲۵) فتح کالیور و مراجعت بدار الملک (۲۶) جنگ نہروالہ و انہزام رائے نہروالہ (۲۷) فتح قلعہ کالنجر (۲۸) صفت حصار کالنجر (۲۹) تفویض قلعۂ کالنجر بہ ہزبر الدین حسن ارنب (ارنال) (۳۰) مراجعت خداوند سلطان السلاطین از خوارزم و غزنہ کوکر (۳۱) شہادت خداوند سلطان السلاطین معز الدین والدین محمد سام انار اللہ برہانہ (۳۲) مرتب شدن امرائے اطراف در سلک خدمت و مسلم شدن ممالک ہندوستان بہ ملک قطب الدین ایبک (۳۳) وفات خداوند سلطان سعید قطب الدین والدین ایبک

پروفیسر محمد حبیب (مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ) کے نسخہ میں شمس الدین التمش کے عہد کے واقعات نظر سے نہیں گذرے جو شاید نقل کرنے سے رہ گئے ہیں۔

لفظی صنائع زیادہ ہین، نثر مرجز (یعنی وہ نثر جس کے دونون فقرون کے کلمات مقابل ہم وزن ہون، مگر
ہم قافیہ نہ ہون) کے نمونے ہین، کہین سجع مطرف کی مثالین ہین، (یعنی دو فقرون کے کلمے وزن مین اور ردی
مین متفق) اور کہین سجع متوازی ہین (یعنی دو فقرون کے کلمے وزن اور ردی دونون مین متفق) اور کہین پہلے
فقرے کے تمام الفاظ دوسرے فقرے کے تمام الفاظ کے وزن اور ردی مین پوری مطابقت رکھتے ہین،
یعنی بالکل مرصع ہیں، یہ آرٹ اس عہد مین وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، مگر اب یہ آرٹ خصوصاً نثر مسجع
ونثر مرصع موجودہ ذوق پر گران گزرتی ہین، کہا جاتا ہے کہ اس مین بارہ ہزار سطرین ہین، جن مین سے سات
ہزار عربی اور فارسی اشعار ہین، بقیہ سطرون کو منظوم منثورات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا،

اس میں شک نہیں کہ حسن نظامی نے یہ کتاب لکھ کر ادب وانشاء میں اپنی غیر معمولی مہارت و
قدرت کا ثبوت دیا ہے، مگر شاید اس زمانہ میں مرصع و مسجع انشاء پردازی کے لیے ہندوستان کی فضا
سازگار نہیں ہوئی تھی، اس لیے حسن نظامی کا طرز انشاء مقبول نہیں ہوا، چنانچہ اس عہد کی تاریخوں میں
طبقات ناصری کی زبان تو بہت آسان اور عام فہم ہے، تاریخ فخر الدین، مبارک شاہ کی تحریر طبقات
ناصری کی طرح سادہ تو نہیں لیکن تاج المآثر کی طرح پر تکلف بھی نہیں، ضیاء الدین برنی نے تاریخ
فیروز شاہی میں کہیں کہیں ترصیع تکرار لفظی و معنوی، خطابت اور شاعرانہ تخیل سے کام لینے کی کوشش
توکی ہے، لیکن وہ مرصع نہیں ہونے پائی ہے، بلکہ اس کی رنگیں بیانی میں موجودہ مذاق کے مطابق بھی ادبی
شان ہے، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں بھی زیادہ لفظی اور معنوی تصنعات نہیں ہیں،
یحییٰ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی کی زبان تو بہت ہی سادہ ہے، مسجع اور مرصع انشاء پردازی،
درحقیقت پرشکوہ اور پر تکلف تمدن کا نتیجہ ہے جو اس وقت پیدا نہ ہوا تھا، تیموری بادشاہوں کے
دور میں ابو الفضل نے اکبر نامہ میں جو طرز اختیار کیا تو وہ اس دور کے تمدن کا لازمی نتیجہ تھا، سلاطین
دہلی کے زمانہ میں تمدن کے مظاہر میں شوکت و جلال کا تو مظاہرہ تھا لیکن تصنع اور تکلفات سے وہ

پاک تھا، اسی لیے اس عہد کی زبان بھی بہت زیادہ پر تکلف نہیں تھی۔ اس کا اطلاق امیر خسرو کی زبان پر کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نظم و نثر دونوں میں اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے اور ہر رنگ میں زبان و قلم کا جوہر دکھاتے تھے۔

تاج المآثر کے انشاء کے تکلف، تصنع اور آورد کے باوجود اس کے تاریخی واقعات میں سقم نہیں پایا جاتا۔ اس کا مؤلف ہندوستان کا پہلا مورخ ہے جس کی اصل کتاب محفوظ رہی، اور اسی کی بدولت قطب الدین ایبک کی زندگی کے حالات بعد کی نسلوں کو معلوم ہوئے، ورنہ ہندوستان کے پہلے مسلمان فرمانروا کے بعض اہم کارناموں پر تاریکی کا پردہ پڑا رہتا۔ تاریخ فخرالدین مبارک شاہی کے مؤلف نے قطب الدین ایبک کے تھوڑے بہت حالات اسی کو سامنے رکھکر قلمبند کیے ہیں۔ طبقات ناصری سے قطب الدین ایبک کے حالات ضرور معلوم ہوتے ہیں، لیکن وہ کچھ ایسے مختصر ہیں کہ ایبک کی ابتدائی زندگی خصوصاً اس کی سپہگری اور نبرد آزمائی کی تفصیلات اس سے ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ تاج المآثر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی ہوشمند سپہ سالار اور شیر دل سپاہی تھا۔ بڑی تیز رفتاری سے اپنے ہمراہ فوجیوں کو راستے طے کراتا۔ جتوان کے خلاف ہانسی کی طرف فوج لے کر بڑھا تو ایک رات میں تقریباً ۹۰ میل کی مسافت طے کی۔ اپنے نیزوں سے میدان جنگ میں قوی ہیکل ہاتھیوں کو گرا کر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ کول کی جنگ میں تین ہاتھیوں کو اپنے تیروں سے ڈھیر کر دیا۔ اپنے آقا معز الدین سام کے ساتھ بنارس کی جنگ میں شریک ہونے کے لیے دہلی سے روانہ ہوا تو راستے میں چار خونخوار شیر اپنی تلوار سے ہلاک کر دیئے۔

قطب الدین ایبک کی بعض جنگی فتوحات کو بھی طبقات ناصری کے مولف نے حذف کر دیا ہے، مثلاً ہانسی کے پاس قطب الدین ایبک اور جتوان کی جنگ کا ذکر طبقات ناصری میں بالکل نہیں، حالانکہ اس لڑائی میں قطب الدین کی فتح و کامرانی اس کی سپہگری کا بڑا کارنامہ ہے جو تاج المآثر میں

کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے، اس کے مؤلف نے اپنے مخصوص زورِ قلم سے اس جنگ کی پوری تصویر کھینچی ہے، جس کے بعض حصے یہاں پر اس لیے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں کہ اس کی عبارت آرائی کے نمونے بھی سامنے آ جائیں۔[1]

رمضان المبارک ۵۸۸ھ میں جتوان نے ہانسی میں نصرۃ الدین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا،

"وچوں ماہ معظم رمضان سنہ ثمان ثمانین وخمسمایہ کہ موسم رحمت و موعد مغفرت است استقبال نمود، بدرگاہ ہمایوں خبر تازہ شد کہ جتوان لعین غرور شیطان در دماغ گرفتہ است وکلاہ سرودی وسرکشی بر سر نہادہ و در پایۂ قلعہ ہانسی بجنگ نصرۃ الدین سالارے برآوردہ بالشکرے یک دل کہ موقف جان سپاری وہنگامۂ سواری ......"

قطب الدین کو خبر ملی تو اپنی شجاعت کا جوہر دکھانے کے لیے بے تاب ہو گیا،

"واز وصول ایں خبر در دل خسرو شیر دل آتش حمیت زبانہ زد وگوہر شجاعت خاصیت پیدا کرد و بجہت نصرت اسلام سوسن وار کمر بست وچون گل تازہ خندان شد"

اور بڑی تیزی سے دشمن کی سرکوبی کے لیے بڑھا،

"وبادکردار سوئے آتش بیکار روئے نہاد وسمند باد رفتار ابر کردارش در گرد چشمۂ خورنہان کرد وخاک با ماہ ہمراز گردانید"

اس کے ساتھ تیز رفتار سوار بھی تھے، جو شیروں کی طرح بہادر اور بہت ہی مشاق اور چابکدست تیرانداز اور شمشیر زن تھے،

وشیر فلک پیش شمشیر ایشان چوں شیر عود سوز خوار بودے وشیر بیشہ چو شیر گرمابہ بے قدر نمودے واز عقاب خدنگ ایشان سر طائر ہلو تہی کردے وقبہ زرین شیر گراں گرد ون تیغ زنگ

---

[1] ان اقتباسات میں بیچ بیچ کی بعض عبارتیں خصوصاً فارسی اور عربی اشعار حذف کر دیے گئے ہیں۔

چون تن خارپشت پر خار پیکان شدے، ماہی سپہر دولابی بساں کشف سر درکشیدے و کژدم

این طاس آب گون نیش در دم نہاں کردے و دل در ہر خرچنگ نارنگی بساں آثار شگافتہ

گشتے و ہر یک بنوک ناوک درشب بہ حکم بے آزار نقط سپید از سابقہ چشم برداشتے ........

لشکر کے علم پر چاند کا نشان تھا، اور قطب الدین کا چتر سیاہ تھا۔

ماہ از ماہ رایت خسرو تاج خورشید بود، و از گوشۂ چتر سیاہش سایہ بر گردوں افتادہ

و ابر خاک مواکب و کتائب او بدیدہ آب می زد و باد غاشیہ رخش آتش پائے او

بر دوشش می کشید۔

ان سواروں کی ہیبت سے پورا ہندوستان لرزتا تھا،

و کشور ہند از نہیب سواران دشت محشر شد و مرکز خاک از بے قراری فلکے دیگر گشت

گفتی آسمان از عکس تیغ و خنجر دریائے اخضر ست و روئے ہوا از رایات سرخ و زرد دیبائے

پر از زر .......

سرخ اور زرد علم پر چاند کے علاوہ شیر کا بھی نشان ہوا کرتا تھا،

و اژدہائے فلک از بیم اژدہائے علم نگوں می شد و شیر چرخ از شیر رایت بجاں

اماں می خواست .........

قطب الدین اپنے لشکر بے کراں کے ساتھ جتوان کے خلاف مہم پر روانہ ہوا،

و خسرو با چنیں لشکر بے کراں ........ و از شرہ کارزار و شغف پیکار شتابندہ از

ابر و باد بر روئے گردوں و صحن ہامون در دل شب تار رواں شد ........

اس نے اپنی فوج کے ساتھ رات بھر میں بارہ فرسنگ کی مسافت طے کی،

خسرو فیروز جنگ کہ ہمیشہ افسر دگاہ او برتر از گنبد مہر و ماہ باد در یک شب دوازدہ

فرسنگ برانده، رہے کشندہ کہ مرغ از فراز کہسار آن دشوار گذشتے و باد از مساحت
دشت آن عاجز آمدے۔

چتوان نے اس فوج کی آمد پر پریشان ہوکر راہ فرار اختیار کی لیکن جب قطب الدین کی فوج باگر کی سرحد تک پہنچ گئی تو چتوان مجبوراً جنگ کے لیے آمادہ ہوگیا۔

وباآنکہ جتوان را مکنت مقاومت و مجال جنگ نبود اما چو بنا کام خود را در کام
اژدہائے قتال دید و راہ ہزیمت وگریز بستہ درایت دولت و اعلام نصرت خسروی
کشادہ بضرورت حال نہ از سر اختیار کمہ ......... خنجر کین از نیام عداوت
برکشید و باد کردار گرد فتنہ برانگیخت و بہ تیغ آبدار آتش حرب افروخت

لڑائی شروع ہوئی تو ارنے بھینسے کے چمڑے کے نقارے پر ضرب لگائی گئی اور دوسرے جنگی ڈھول باجے مثلاً تبیرہ، سپید مہرہ، طبل، دمامہ، نائے رومین کی آواز سے میدان جنگ گونج اٹھا

واز نعرۂ جدال بر کوس چرم گوزن خروش برآوردہ و بانگ تبیرہ و آواز سپید مہرہ جہان
بر سر گرفت ......... و صدائے رعد طبل دمامہ بعیوق برآمد و دم نئے رومین نفخ صور
پیدا آورد.........

دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی ہوتی ہے:

و ہر دو لشکر چون دو دریائے اخضر در تموج آمدند و بسان دو گروہ پولاد بر یک دیگر
حملہ کردند و ہوائے نبرد از گرد سیاہ در شعر سیاہ شد و زمین جنگ از دم دلیران لعل پوش گشت

مؤلف نے قطب الدین کی نبرد آزمائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے جنگ کے ایسے شعلے بلند کیے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، خون سے میدان جنگ رنگین ہوگیا، مخالف سرداروں کے

سروں کے ڈھیر لگ گئے۔

وشہریار سیر شکار بزخم پولاد از سنگ خارہ آتش می افروخت واز کشتہ وخستہ ممر بادبستہ می کرد واز خون بہ نعل اسپ رنگ لعل بدخشاں می داد وسر سروراں در پائے بادپایاں چوگوی وزخم چوگان می افگند واز زبان زبان سنان آبدارش آتش حرب زبانہ می زد وبہ لمعان برق زخم شہاب دار روئے ہوائے فروخت واز خون بہ سنگ وریگ رنگ یاقوت رمانی ولعل بدخشانی می بخشید واز بیم چہرہ بے رنگ زہرہ گونہ زرد زریہ می یافت ........

جتوان کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا

جتوان کہ مایہ شر وفساد واصل کفر وعناد بود وہم نشین وہم ندیم ندم شد واعلام شرک ورایات ضلالت او بدست قہر نگوں گشت

مذکورۂ بالا جنگ کی تفصیل کے علاوہ رائے پتھورا کے بھائی ہرراج کی بار بار بغاوتوں کا ذکر بھی تاج المآثر ہی میں ملتا ہے، طبقات ناصری کے مؤلف نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے، اسی طرح کول کی فتح، گوالیار پر قبضہ، کالنجر کی تسخیر وغیرہ کی جو تفصیلات تاج المآثر میں ہیں وہ طبقات ناصری میں نہیں ہیں، البتہ جب قطب الدین ایبک نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تو اس وقت سے اس کی موت تک کے حالات تاج المآثر میں زیادہ نہیں ہیں۔ اس مدت کے واقعات کے لیے طبقات ناصری ہی کا مطالعہ مفید ہے،

تاج المآثر میں کہیں کہیں سنین کی غلطیاں بھی ہیں، لیکن بقول پروفیسر عندلیب شادانی، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ غلطیاں مؤلف کی ہیں یا کاتب کی ہیں، طبقات ناصری کے مؤلف نے نثر عاری کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ معلومات کم سے کم سطروں میں فراہم کر دیئے ہیں لیکن تاج المآثر کا مؤلف اپنے قلم کی زنگا رنگی اور بوقلمونی دکھانے میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ سطروں میں کم سے کم معلومات فراہم ہوتے ہیں، لڑائی کے بعد منہدم مندروں اور ہندو مقتولین کی

تعداد بتانے میں تو اس کا قلم بالکل ہی بے قابو ہو جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی تحریر میں اور بھی زیادہ غلو پیدا ہو گیا ہے، مثلاً ہانسی میں جب ان کو شکست ہوئی تو لکھتا ہے کہ یہ علاقہ شرک سے بالکل ہی پاک ہو گیا،

و بہ خنجر آب دار خاک رزمگاہ بخون آن مخذول سرشتہ شد و عرصۂ ممالک از نجاست

شرک آن شستہ آمد"

البتہ مؤلف نے اپنے عہد کی دہلی کی جامع مسجد کی جو تصویر کھینچی ہے، اس میں عقیدت اور مفید معلومات کے علاوہ اثر اور کیفیت بھی پائی جاتی ہے، مثلاً اس کی دیوار کے بارہ میں رقمطراز ہے،

دیوارش کہ ھی اعلیٰ من مناط الثریا دست ارتفاع در کمر جوزا زد مبسان سد سکندر دیناً

ہر ان بہ سنگ خارہ استحکام یافت

منبر و محراب پر جو آیتیں لکھی تھیں اور جو نقش آرائی کی گئی تھی، اس کے متعلق لکھتا ہے،

و منبر و محراب بہ لطائف کتابت و دقائق صنعت آراستہ شد و باشکال غریب و نقوش بدیع ساختہ و پرداختہ گشت ........ و طاق سپہر آسا و رواق فلک فرسائے آن کہ از غایت نزہت غیرت بہشت برین ست و از کمال صنعت رشک نگار خانہ چین بہ طغرائے رحمانی مزین و موشح شد و بہ توقیع نامۂ یزدانی مشرف و مکرم گشت

پھر اس مسجد کے قبے اور اس کے پورے حسن کے بارہ میں بیان کرتا ہے،

و قبہائے زریں بت خانہا مانند چتر آئینہ کردار خورشید و تاج گوہر نگار ناہید بر شرفت آں نہادہ آمد و بہ میامن رائے مبارک چنین بقعہ متبرکہ نزہت ہائے اہل صفا و مہبط اجابت دعا شد، گفتی رضوان روضہ از بہشت بدنیا فرستادہ است و ملک آن را چون کعبہ قبلہ و مزار خویش ساختہ ہوائے انس افزائے آں صافی تر از چشم ہائے نور د صحن غم زدائیں آراستہ تر از چہرۂ حور........

بعض انگریز مورخوں نے اس کتاب کی عبارت آرائی کے طومار سے گھبرا کر اس کی تاریخی اہمیت کم کرنی چاہی ہے، لیکن ہر زمانہ کے مسلمان مورخوں نے اس کو ایک مستند اور معتبر ماخذ قرار دیا ہے۔ مولانا ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروزشاہی میں رقمطراز ہیں:

"مورخان آخر دار الملک دہلی نیز از معتبران عہد وصدور عہد بودند، چنانچہ خواجہ صدر نظامی مصنف تاج المآثر و مولانا صدر الدین عوفی مؤلف جامع الحکایات و قاضی صدر جہاں منہاج جوزجانی مؤلف طبقات ناصری و کبیر الدین پسر تاج الدین عراقی کہ در عہد علائی فتحنامہا سے سلطان علاء الدین نوشتہ است و ساحری ھا کردہ ہر چہار معتبر و معظم و مکرم و مبجل بودند۔" (ص ۱۴)

تاریخ الفی، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، آئین اکبری اور تاریخ فرشتہ کے مولفوں نے تاج المآثر سے پورا استفادہ کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ ابتک کسی اہل قلم یا کسی ادارہ نے اس کو چھاپ کر شائع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے[۱]

اوپر کہا گیا ہے کہ تاج المآثر میں بارہ ہزار سطریں ہیں، جن میں سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہیں، اس میں موقع بموقع مصنف نے اپنا کلام بھی درج کیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھا، اپنے ممدوح سلطان قطب الدین ایبک کی تعریف میں ایک قطعہ کہتا ہے:

از تیغ او بجائے صلیب و کلیسیا — در دار کفر مسجد و محراب و منبر است

آں جاکہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں — اکنوں خروش و نعرۂ اللہ اکبر است

---

۱؎ ڈھاکہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی نے ۱۹۳۶ء میں ادارۂ معارف اسلامیہ کے دوسرے اجلاس (لاہور) میں تاج المآثر پر ایک پرمغز اور مفید مقالہ پڑھا تھا، جس میں یہ اعلان کیا تھا کہ اسکو اڈٹ کر کے وہ جلد ہی شائع کرنے والے ہیں، لیکن یہ ابتک شائع نہ ہو سکی ہے۔

اس کے عدل و انصاف کے متعلق کہتا ہے:

فلک تختی کہ بید ابخشش بہم خسپند یک جا باز و تیہو
ز عدل او در اقصائے ممالک کنار شیر بالین کرد آہو

وز تنگنائے بیضۂ زتد بیر عدل او نقاش طبع بیکہ مرغاں ستاں نہاد

ہمائے عدل تو چوں پر و بال باز کند تدرو چینہ برون آرد از حلاحل باز

گرگ از نہیب عدل تو اندر دیار تو از بیم میش بار رمہ گیرد و سگ از شبان

در انصاف او تا باز بودے سماع کبک زنگ باز بودے
بجز مطرب کسے رہ زن نبودے برہنہ کس بجز سوزن نبودے

نکردے ہیچ آب از سنگ فریاد قبائے گل نگشتے پارہ از باد
کبوتر از عقاب آموختے پند بجان گرگ خوردے میش سوگند

قطب الدین کی سخاوت کے بارہ میں کہتا ہے:

پس بناشد سخاوت او را زادہ کوہ و دادہ دریا
گر جہانے بیک عطا بدہد از کف خویش نشمرد بہ سخا

قطب الدین ایبک کی وفات پر بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

مشتری را از بہر کینۂ او باز حل کارزار بایستی
روئے مریخ ہمچو ایام زیں فزع ہم چو تار بایستی
از پئے تشنگان ماتم او آفتاب آبدار بایستی
بدل عود زہرہ را زیں غم خون دل در کنار بایستی
تا نوید بجوں مرا ثی او با عطارد قرار بایستی

ماہ در عقدۂ ذنب زیں ہول — خستہ و سوگوار بالستی

صبح دراعہ چاک کردہ زغم — شب سر گیسواں بتاب زدہ

فلک خرقہ پوش بے خیلش — سبحہ بر تارک تراب زدہ

بادبے سایۂ مبارک او — خاک در چشم آفتاب زدہ

آہواں در غمش زسینۂ گرم — شعلہ در نافۂ مشک ناب زدہ[1]

صفت بہار کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں گل افشانی کرتا ہے:

فشاند از سوسن و گل سیم و زر باد — زہے رادی کہ رحمت باد بر باد

بداد از نقش آذر صد نشاں خاک — نمود از سحر مانی صد اثر باد

مثال چشم آدم شد مگر ابر — و لیل نفس عیسیٰ شد مگر باد

کہ در بارید دم دم بر چمن ابر — کر جان آورد خوش خوش در سحر باد

برائے بلبل مست شبانہ — کند عرض صبوحی جام زرباد

گل خوشبوی تر سیم اوو درنگ — ازین غماز صبح و پردہ در باد

برائے چشم برنا ابل کوئے — عروس باغ را شد جلوہ گر باد

مورے و موئے کے ساتھ صنعت لزوم مالایلزم میں اس کی ایک نظم بھی ملاحظہ ہو:

اگر مورے سخن گوید و گر موئے رواں دارد — من آں مورم سخن گویم من آں موئیم کہ جاں دارد

تنم چوں سایہ موئیست و دل چوں دیدۂ موراں — ز ہجر خالیہ موئے کہ چوں موراں میاں دارد

بچشم مور در گنجم چو موئے از زاری و نالہ — اگر خواہد مرا مولے بہ موئے در نہاں دارد

تنم چوں موئے زر اندود و زیں مور چوں افشاں — نہ موئے کاں گرہ گیرد نہ مورے کاں زباں دارد

[1] ان اشعار میں جا بجا عربی کے اشعار بھی ہیں جو طوالت کے خیال سے حذف کر دیے گئے ہیں۔

من ار با مور د با موئے شبار روزے شوم ہمرہ
نہ مور از من خبر یابد نہ مور از من نشان دارد

من آن مویم کہ از زاری پئے مورے بہ پوشاند
من آن مورم کہ از سستی کم از موئے توان دارد

من ار چہ مور موئے زا کشم چو دانہ ذی خانہ
ز موئے از مویہ دانندم کہ ایں یک مو جان دارد

**فخر مدبر** اس عہد کے ایک دوسرے اہل قلم فخر مدبر نے ایک رسالہ بحر الانساب الکمکہ سلطان قطب الدین ایبک کے حضور میں پیش کیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لیکر مولف کے زمانہ تک کے ۱۳۶ شجرے قلمبند ہیں، اس کے ابتدائی حصہ سے قطب الدین کے اوائل زندگی کے حالات اور پھر ۵۸۶ھ میں اس کے کہرام اور سمانہ کا اقطاع دار مقرر ہونے سے ۶۰۲ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد تک کے کچھ واقعات معلوم ہوتے ہیں، اس ابتدائی حصہ کو سر ای۔ ڈے نی سن روس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرو روذی کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن سے شائع کر دیا ہے، سر ڈ س نے غلطی سے اس کے مصنف کا نام فخر الدین محمد ابن منصور المرو روذی الصدیقی مبارک شاہ بتایا ہے، حالانکہ اصل مصنف مبارک شاہ المعروف بہ فخر مدبر تھا، فخر الدین مبارک شاہ مرو روذی غوری سلاطین میں سے سلطان غیاث الدین غوری کے دربار کا ایک ممتاز شاعر تھا جس کی وفات ۶۰۲ھ میں ہوئی۔ اس نے غوریوں کے نسب ناموں کو منظوم کیا، جس کا نام نسبت نامہ رکھا، شاید اسی نسبت نامہ کے دھوکے میں بحر الانساب کے مصنف کو بھی سر روس نے فخر الدین مبارک شاہ مرو روذی سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، بحر الانساب کے مولف کا نام محمد بن منصور بن سعید بن ابی الفرح تھا[۲]، اس کا لقب مبارک شاہ تھا، لیکن عرف عام میں فخر مدبر کہلاتا تھا، باپ کی طرف سے اپنے کو حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد میں شمار کرتا ہے، اور ماں کی طرف سے اس کا شجرہ غزنین کے

---

[۱] پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے اس کا نام سلسلۃ الانساب بھی لکھا ہے (اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۹ء ص ۸۰)

[۲] اسلامک کلچر (حیدر آباد دکن)، اکتوبر ۱۹۳۸ء کے ایک مضمون "فخر مدبر" میں ابی الفرج مرقوم ہے۔

سلطان امیر بیاتگین سے ملتا ہے، اس کا پرداد، ابو الفرح سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار کا ایک معزز عہدیدار تھا، جو مختلف اوقات میں ۲۱ عہدوں پر فائز ہوا، اس کا باپ منصور علم و فضل میں اپنے زمانہ میں بڑا مشہور رہا، فخر مدبر کے بارہ میں صرف یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس کی زندگی زیادہ تر لاہور اور ملتان میں گذری، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندوستانی نژاد تھا، وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں زندہ تھا، کیونکہ اس نے اپنی کتاب اداب الحرب والشجاعۃ اسی کے نام سے معنون کی ہے، سلطان شمس الدین التمش ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا، پہلے کہا جا چکا ہے کہ فخر الدین مبارک شاہ المرو روزی کی وفات ۶۰۲ھ میں ہوئی، اس لیے ظاہر ہے کہ بحر الانساب کا مصنف جس نے آداب الحرب والشجاعۃ بھی لکھی، مبارک شاہ فخر مدبر ہی ہے نہ کہ فخر الدین مبارک شاہ مرو روزی[1]

ڈے نی سن روس کی شائع کردہ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرو روزی صرف ۸۰ صفحے پر مشتمل ہے، جس کے شروع میں ساتوں اقلیم کا بیان ہے، پھر انبیاء کا کچھ ذکر ہے، اس کے بعد علماء، سلاطین، والیانِ ولایت وغیرہ کی اہمیت بتائی گئی ہے، ۲۱ دیں صفحہ سے قطب الدین کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور اس کی تخت نشینی کے بعد تک کے کچھ واقعات ہیں، لیکن یہ واقعات تفصیل سے نہیں لکھے گئے ہیں، اسی طرح قطب الدین کے اوصاف مثلاً سخاوت، عدل پروری، دیانتداری شریعت نوازی، شجاعت، مردانگی اور علم پروری پر ایک عام اجمالی تبصرہ ہے، جس میں غیر متعلق باتیں مثلاً ترکستان کے عجائب و غرائب، وہاں کے پتھر، وہاں کے قبائل، ان کی خصوصیات، ان کی زبانیں، ان کے رسم الخط اور ان کی شاعری وغیرہ زیادہ آگئی ہیں، قطب الدین کے اوصاف کو ذکر کرنے میں اس کو خلفائے راشدین کا مقلد بتایا گیا ہے لیکن اس سلسلہ میں قطب الدین کے محاسن

[1] تفصیل کے لیے دیکھو انگریزی مضمون فخر مدبر، اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۸ء، نیز دیکھو برٹش میوزیم کیٹلاگ، فارسی مخطوطات، جلد دوم ص ۴۸۶-۴۸۷

کی تفصیل لکھنے کے بجائے خلفاء راشدین ہی کے اخلاق وفضائل کی تفصیلات زیادہ لکھی گئی ہیں، اس طرح قطب الدین کی ذات زیادہ نمایاں ہونے نہیں پاتی، کتاب کے صفحہ ۶۲ سے ۸۴ صفحے تک کتاب الانساب کا دیباچہ ہے، ان صفحات اور دوسری غیر متعلق باتوں کو حذف کر دیا جائے تو قطب الدین سے متعلق صرف چند اوراق ہی کام کے نکلیں گے، لیکن معاصر ماخذ ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ مفید باتیں ضرور پائی جاتی ہیں، طرز تحریر سے مؤلف ایک قادر الکلام اہل قلم معلوم ہوتا ہے، اس کی عبارت تاج المآثر کی طرح بہت زیادہ پر تکلف، مرصع اور مبالغہ آمیز نہیں، اور طبقات ناصری کی طرح سادہ اور سلیس بھی نہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے شستہ اور پاکیزہ ہے۔

امام صغانی اس عہد کے ایک مشہور عالم ربانی امام رضی الدین ابو الفضائل الحسن صغانی تھے، جن پر آج بھی اسلام کی علمی دنیا کو ناز ہے، جلال الدین سیوطی نے ان کا نسب نامہ یہ لکھا ہے، "الحسن ابن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی العدوی والعمری الامام رضی الدین ابو الفضائل الصغانی"[1] نسب نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، ان کے آباؤ اجداد چاغان (یا چغان) کے رہنے والے تھے، معجم البلدان میں ہے کہ صغان کو اہل عجم نے چغان کر دیا، لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ چاغان (صغان) چاغان (چغان) کا معرب ہے، معجم البلدان کے مطابق صغان ماوراء النہر میں ترمذ کے قریب ایک علاقہ ہے، نزہتہ الخواطر میں ہے کہ یہ مرو کا ایک قریہ ہے، امام صغانی کے والد بزرگوار نے صغان سے آکر ہندوستان میں سکونت اختیار کی بغیۃ الوعاۃ، مآثر الکرام، تذکرہ علمائے ہند اور نزہتہ الخواطر میں ہے کہ امام صغانی لاہور میں پیدا ہوئے۔ موخر الذکر تین تذکروں میں یہ بھی ہے کہ لاہور میں نشو ونما ہوئی، لیکن سیوطی اور معجم المطبوعات کے مرتب نے ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ لاہور میں تو پیدا ہوئے لیکن غزنی میں

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷

میں نشو و نما پائی۔ بغیتہ الوعاۃ[1]، مآثر الکرام، تذکرۂ علمائے ہند اور معجم المطبوعات میں انکی ولادت کی تاریخ ۵۷۷ھ لکھی ہوئی ہے، لیکن نزہتہ الخواطر میں ۵۵۷ھ ہے جو بظاہر صحیح نہیں۔

ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی، اور بہت جلد ان کا شمار ارباب فضل و کمال میں ہونے لگا، اور ایک فقیہ، محدث اور عالم ربانی کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے، نزہتہ الخواطر کے مولف کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک نے ان کو لاہور کی قضاءت پیش کی، لیکن یہ انہوں نے قبول نہیں کیا، اور مزید علوم کی تحصیل و تکمیل کے لیے ہندوستان سے باہر نکل کھڑے ہوئے، ہندوستان سے نکلے تو پہلے غزنین آئے۔ جہاں کچھ دنوں درس و تدریس میں مشغول رہے، پھر عراق آئے، جہاں علوم و فنون کی تحصیل کی تکمیل کی، اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے، بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے لئے اپنی مشہور و معروف کتاب مشارق الانوار لکھی،[2] جس کے صلہ میں ان کو خلعت بھی عطا ہوا، بغداد سے مکہ معظمہ زیارت خانہ کعبہ کیلئے آئے، اس کی جاروب کشی کرنے کے علاوہ یہاں کے محدثین سے سماع حدیث بھی کرتے رہے، وہاں سے عدن ہوتے ہوئے پھر بغداد آئے۔ خلیفہ مستنصر باللہ[3] نے ان کو فرمان دے کر سلطان شمس الدین التمش کے پاس ہندوستان بھیجا جہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے، پھر یہاں سے حج کے لیے مکہ معظمہ گئے، وہاں سے عدن اور پھر بغداد آکر علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، خلیفہ بغداد کی طرف سے سفیر بن کر

---

[1] معجم المطبوعات، مصر جز ثانی ص ۱۲۸ [2] دیکھو مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" از مولانا سید سلیمان ندوی، معارف نمبر ۴ جلد ۲۲ ص ۲۵۲ [3] نزہتہ الخواطر میں خلیفہ بغداد کا نام ناصرلدین اللہ لکھا ہے، لیکن التمش کو ابو جعفر منصور المستنصر باللہ نے خلعت بھیجکر اس کی حکومت کے استقلال و خود مختاری کو تسلیم کیا، دیکھو تاج الدین ریزہ کا قصیدہ، باب التمش رضیہ کے عہد میں بھی خلیفہ مستنصر باللہ ہی نے علامہ صغانی کو ہندوستان بھیجا تھا کیونکہ رضیہ کے سکّوں پر "المستنصر امیر المومنین" ہی کندہ ہے۔

رضیہ کے عہد میں دوبارہ ہندوستان آئے، اور یہاں کچھ دنوں قیام کر کے ۶۳۷ھ میں پھر بغداد واپس تشریف لے گئے اور ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔ بغیۃ الوعاۃ میں سیوطی نے ان کے شاگرد دمیاطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ ایک نجومی رہتا تھا، جس نے کسی خاص روز ان کی وفات کی پیشین گوئی کی تھی لیکن اس روز وہ بالکل توانا اور تندرست رہے اور خوشی میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کی دعوت کی، دعوت کے بعد ان کے مہمان تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک شخص نے ان کی موت کی اطلاع دی[1] شاید قلب کی حرکت بند ہونے سے موت ہوئی ہو، ابتداءً بغداد میں دفن کیے گئے، پھر ان کی وصیت کے مطابق ان کا جسد خاکی مکہ معظمہ منتقل کر دیا گیا،

لغت، حدیث اور فقہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان کے علمی پایہ کو ہر زمانہ کے جلیل القدر صلحاء و علماء نے تسلیم کیا ہے، علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ وہ علم لغت کے علم بردار تھے[2]، ذہبی کا قول ہے کہ علم لغت میں حرف آخر تھے[3]، شیخ شرف الدین دمیاطی کا بیان ہے کہ وہ لغت، فقہ اور حدیث تینوں فن کے امام تھے، شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، ان کے عربی اشعار کے کچھ نمونے بغیۃ الوعاۃ میں درج ہیں۔

ان کی تمام تصانیف میں مشارق الانوار بہت مقبول ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"این کتاب حجت است میان من خدا ے، واگر حدیثے بوا دمشکل شدے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام را در خواب دیدے و تصحیح کردے"[5]

مشکوٰۃ کی طرح یہ بھی حدیث کا ایک مجموعہ ہے جس میں دو ہزار دو سو چھیالیس حدیثیں ہیں، مشکوٰۃ کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے، اور مشارق الانوار کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷ [2] ایضاً [3و4] نزہۃ الخواطر ص ۱۳۹ [5] فوائد الفواد ص ۱۰۳

علما محدثین نے اس کتاب کی بڑی قدر کی، مدارس کے نصاب میں داخل ہوئی اور عالم اسلام کے ممتاز علماء نے اس کے ڈھائی ہزار سے زیادہ شروح اور حواشی لکھے، حدیث میں ان کی اور دوسری تصانیف یہ ہیں:

التکملہ علی الصحاح، یا التکملہ والذیل والصلہ، الدّار الملتقط فی تبیین الغلط. رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ، شرح البخاری، الشمس المنیرہ فی الحدیث. فی الضعفاء المتروکین فی رواۃ الحدیث. کشف الحجاب عن احادیث الشہاب. مصباح الدجی فی حدیث المصطفیٰ[1]، امام صغانی کی قدر ہندوستان سے باہر ہی زیادہ ہوئی. حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" میں رقمطراز ہیں کہ ساتویں صدی کے شروع میں مشارق الانوار کے مصنف صغانی نے ہندوستان میں علم حدیث کی روشنی پھیلائی تاہم یہ روشنی گھر میں کم اور گھر سے باہر زیادہ پھیلی۔

امام صغانی نے فن لغت میں "العباب الزاخر واللباب الفاخر" بیس جلدوں میں لکھی، اسی طرح لغت میں ان کی دوسری تصنیف "مجمع البحرین" بارہ جلدوں میں تھی، اس فن میں انکی اور دوسری تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

النوادر فی اللغات، التراکیب، الاضداد. الشوارد فی اللغات وغیرہ، ان کی طرف حسب ذیل تصانیف بھی منسوب ہیں: اسماء الاسد. اسماء الغادۃ، الاضداد، الافتعال، التجرید وحمل الصغانی. تعزیہ بیتی الحریری. توشیح الدریدیہ، در السحابہ، الذیب، الساکین العروض. فرائض الصغانی. مناسک الصغانی وغیرہ،[2]

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷، ماثر الکرام ص ۱۸۱، فہرست کتب خانہ خدیویہ [2] کشف الظنون، تذکرہ علماء ہند، ص ۴۸، نزہتہ الخواطر ج ۱ ص ۱۴۱

شیخ شرف الدین دمیاطی، محمود بن عمر ہروی، ابن صباغ، برہان الدین محمود بن السعد البلخی
ان کے ممتاز تلامذہ میں تھے، جنھوں نے اپنے عہد میں بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔[۱]

فوائد الفواد (ص ۱۰۳) میں مولانا رضی الدین صغانی صاحب مشارق کے ذکر میں ہے کہ

"او از بداؤن بود۔"

پھر ان کے ذکر میں یہ بھی ہے کہ مولانا رضی الدین نے بداؤن سے کول آکر یہاں نائب مشرف کا عہدہ قبول کیا، مشرف کی صحبت اور ماتحتی پسند نہ آئی، اس لیے یہ ملازمت چھوڑ کر والی کول کے لڑکے کو پڑھانے لگے، جس کے معاوضہ میں ان کو سو ٹنکے ملا کرتے تھے، اس ملازمت سے طبیعت اچاٹ ہوگئی تو حج کے لیے والی کول کے لڑکے کو اطلاع دیے بغیر چل کھڑے ہوئے، تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ تھک کر بیٹھ گئے، والی کول کے لڑکے نے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کا تعاقب کیا، اور جب ان کے پاس پہنچا تو واپس چلنے کی الحاح وزاری کی، لیکن وہ نہ مانے، بالآخر لڑکے نے ان کو اپنا گھوڑا دیدیا، اسی پر انھوں نے سفر کیا، پہلے بغداد آئے، جہاں اس زمانہ کے مشہور محدث مولانا ابن ازہری کے درس میں شریک ہوئے، مولانا ابن ازہری نے ان کے علم کی قدر کی، پھر ان کے علم کی شہرت خلیفۂ وقت کے پاس پہنچی، تو اس نے ان کو بلا کر ان سے کچھ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد وہ دہلی آئے، اور دہلی سے اپنے ایک استاد سے ملنے کے لیے بداؤن بھی آئے۔[۲]

فوائد الفواد کے اسی بیان کو سامنے رکھ کر مخدومی جناب سید ہاشمی صاحب فرید آبادی اپنی تاریخ ہند جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد دکن کے صفحہ ۲۷۲ پر رقمطراز ہیں کہ امام صغانی کے حالات اور تصانیف کا ذکر مآثر الکرام میں موجود ہے، اور اس میں انھیں غلطی سے لاہوری لکھ دیا ہے۔ لیکن سب سے واضح اور معتبر حالات وہ ہیں جنھیں سلطان نظام الدین کی زبانی صاحب فوائد الفواد نے

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص ۱۱۶ [۲] فوائد الفواد ص ۱۰۳ تا ۱۰۴

نقل کیا ہے، جناب سید ہاشمی صاحب نے اپنے اسی خیال کو تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت کی جلد اول مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۴۲ میں بھی دہرایا ہے لیکن نزہۃ الخواطر میں مولانا عبد الحئی مرحوم نے مولانا رضی الدین صغانی کو جن کا ذکر فوائد الفواد میں ہے، مولانا رضی الدین حسن بن محمد صغانی صاحب مشارق الانوار سے علیحدہ شخصیت بتائی ہے، اور اول الذکر کے کچھ حالات فوائد الفواد ہی کے حوالے سے لکھے ہیں (ص ۱۵۶) جو شیخ حسن بن محمد صغانی کے حالات (ص ۱۴۱-۱۳۰) سے جدا ہیں، شاید فوائد الفواد کے مرتب امیر حسن سنجری نے سہواً حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات کو کچھ خلط ملط کر دیا ہو، اور اگر خلط ملط نہیں ہوا، اور اس کو صاحب مشارق الانوار ہی کا ذکر سمجھا جائے تو پھر "او (یعنی صاحب مشارق) از بداؤں بود" کے اجمالی بیان سے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ بداؤں ہی ان کا مولد تھا، ممکن ہے کہ صرف منشاء رہا ہو، شاید اپنے مولد لاہور سے آکر بداؤں میں نشوونما اور تعلیم پائی ہو، گو بعض تذکرہ میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ان کا منشاء غزنین بھی بتایا گیا ہے،

عہد قطبی کے بعض مدارس | سلطان وقت کے ذوق کی تقلید اسکے ملوک و امرا بھی کرتے تھے، چنانچہ بختیار خلجی نے جب بنگال فتح کیا تو اس نے اور اسکے ساتھ کے امراء نے تعلیم کی اشاعت کے لیے جابجا مدارس قائم کیے، طبقات ناصری میں ہے:

"چون محمد بختیار آن مملکت (یعنی بنگال) را ضبط کرد ........ بر موضعے کہ لکھنوتی است دار الملک ساخت و اطراف آن ممالک را در تصرف آورد و خطبہ و سکہ در ہر خطہ قائم کرد و مساجد و مدارس و خانقاہات در آن اطراف بسعی جمیل او و امراے او بنا شد (ص ۱۵۱)

معلموں کی قدر | اس زمانہ میں معلموں کی قدر و منزلت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ تاج الدین یلدز کا ایک لڑکا اپنے استاد سے پڑھ رہا تھا کہ استاد نے تادیب کے لیے غصہ میں ایک کوڑا لڑکے کے سر پر مار دیا، جس سے اس کو سخت چوٹ آگئی اور وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا، تاج الدین یلدز کو خبر ہوئی تو استاد کو بلایا اور زاد راہ دیکر کہا کہ قبل اس کے کہ لڑکے کی ماں کو خبر ہو تم یہاں سے چلے جاؤ (طبقات ناصری ص ۱۳۳)

# ناصرالدین قباچہ

سنہ ۶۰۷-۶۲۵ھ
۱۲۱۰-۱۲۲۸ء

ناصرالدین قباچہ اور شمس الدین التتمش دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے، اور دونوں علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کے مالک ہوئے، التتمش دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا اور قباچہ کا دارالسلطنت اچہ قرار پایا، اس کی مملکت میں ملتان سے دیول تک کے علاقے علاوہ سیوستان، تبرہندہ (بھٹنڈہ) کہرام اور سرستی وغیرہ بھی شامل تھے، وہ آزاد فرمانروا تو اپنے خسر قطب الدین ایبک کی وفات ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء کے بعد ہوا لیکن اچہ اور ملتان کی ایالت اس کے سپرد ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء ہی سے تھی، اس طرح بائیس سال تک یہاں اس کا دربار قائم رہا، ملتان اس وقت تک بڑا مذہبی، علمی اور ثقافتی مرکز بن چکا تھا، سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کے صوفیہ و مشائخ یہاں شریعت و طریقت کی شمع روشن کیے ہوئے تھے، مقامی علماء کے علاوہ باہر سے فضلا و شعراء آکر علم و ادب کی مجلسیں گرمائے ہوئے تھے، چنانچہ اس عہد کے ملتان کا ذکر کرتے ہوئے سیرالاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ

قبۃ دریں ایام ملتان قبۃ الاسلام عالم بود، فحول علماء آنجا حاضر بودند" (ص ۶۰)

اسی قبۃ الاسلام میں ناصرالدین قباچہ نے ایک مدت تک حکومت کی، غزنین، غور اور پھر دہلی کی روایات اس کے سامنے تھیں، اس لیے عرفان نوازی اور علم دوستی کو اس نے

بھی لوازم شاہی قرار دیا، التتمش کا وہ حریف بن گیا تھا، اس لیے ظاہر ہے کہ مذہبی اور علمی حیثیت سے بھی ملتان کو دہلی سے بہتر بنانا چاہا ہوگا، اس کے دربار میں علم و فن کی جو بساط بچھائی گئی اس کی زینت و آرایش کی تو تصویر دکھائی دیتی ہے، البتہ مشائخ سے اس کے تعلقات کی تفصیل بہت زیادہ نہیں ملتی ہے، حالانکہ قیاس یہی کہتا ہے کہ اس کے پایہ تخت میں جب بڑے بڑے مشائخ کا اجتماع تھا تو اس نے اپنے کو ان سے قریب تر کرنے کی بھی ضرور کوشش کی ہوگی،

**مشائخ سے تعلقات** | لیکن مشائخ سے اس کے تعلقات کی صرف دو روایتیں ہم کو ملی ہیں، ایک سے تو اس کی عقیدت مندی اور دوسری سے ان بزرگانِ دین کی طرف سے اس کے تکدر کا اظہار ہوتا ہے، ۶۲۱ھ میں چنگیز خانیوں نے سندھ پر یورش کی تو بڑھتے ہوئے قباچہ کے دار السلطنت ملتان تک پہنچ گئے، سراسیمگی کی حالت میں قباچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ تینوں مشائخ اس وقت ملتان ہی میں یکجا جلوہ فرما تھے، قباچہ نے ان تینوں سے روحانی امداد کی درخواست کی، حضرت خواجہ قطب الدین نے قباچہ کو ایک تیر دے کر کہا کہ لڑائی کے وقت اس کو اپنے برج حصار سے دشمن کی طرف پھینکو، پھر قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھو، دوسرے دن قباچہ نے ایسا ہی کیا، اور اس کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی، قطب صاحب اور حضرت جلال الدین تبریزی ملتان چھوڑنے لگے تو قباچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور منت سماجت کی کہ وہ ملتان کو خیر و برکت سے محروم نہ کریں، کیونکہ ان ہی کے فیوض سے ملتان میں امن و امان ہے، لیکن قطب صاحب نے فرمایا، جلال الدین غزنی جائیں گے اور ہم دہلی، ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، ان ہی کی حمایت تم لوگوں کو حاصل رہے گی، [۱]

---

[۱] سیر الاولیا ص ۱۰۵ و سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۴۸

دوسری روایت ہے کہ جب ناصر الدین قباچہ اور سلطان شمس الدین التمش کے درمیان نزاعی صورت پیدا ہوئی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف ہوا، کیونکہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، یہ سلطان اپنے زہد و تقویٰ اور دینداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا تھا، ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی جو ایک متدین عالم تھے، اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی معاندانہ سازش سے مطلع کر دیں، دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ نے مولانا شرف الدین اصفہانی کو تو فوراً موت کی سزا دیدی، اور حضرت بہاء الدین زکریا کو اپنے یہاں طلب کیا، اور جب وہ اس کے یہاں پہنچے تو اس نے تعظیماً ان کو اپنے داہنی جانب بٹھایا، قباچہ نے ان کا مکتوب ان کے ہاتھ میں دیا، شیخ نے اس کو پڑھ کر پوری درویشانہ شان و عظمت سے کہا کہ بیشک یہ میرا خط ہے، تحریر بھی میری ہے، قباچہ نے پوچھا، آپ نے یہ کیوں لکھا، شیخ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا، میں نے حق تعالیٰ کے لیے لکھا ہے اور حق لکھا ہے، تمھارا جو جی چاہے کرو، اور تم کر ہی کیا سکتے ہو، تمھارے ہاتھ میں کیا ہے، قباچہ نے یہ جواب سنا تو مشتعل ہونے کے بجائے خاموش ہو گیا، اور پھر کھانا لانے کے لیے حکم دیا، اس کو علم تھا کہ حضرت بہاء الدین زکریا کسی دوسرے کے یہاں کھانا تناول نہیں فرماتے، قباچہ نے سوچا کہ اگر شیخ کھانے میں شریک ہوں گے تو اسی بہانہ ان کو ایذا پہنچانے کا موقع مل جائے گا، مگر جب کھانا آیا تو شیخ بہاء الدین زکریا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے، یہ دیکھ کر قباچہ کا سارا غصہ جاتا رہا اور معذرت کر کے عزت کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔[۱]

شعراء کی سرپرستی | قباچہ کا دربار شعراء و فضلاء کا گہوارہ رہا، تاتاریوں کی غارتگری، دہشت انگیزی اور

---

[۱] فوائد الفواد ص ۲۰-۱۱۹۔ سیر الاولیاء ص ۷۹ ۵۔ سیر العارفین ج ۱ ص ۲۹-۲۸

خوں ریزی سے گھبرا کر خراسان، غور اور غزنین کے جن اکابر و اشراف نے ہندوستان کا رخ کیا، ان میں شعراء و علماء بھی تھے، قباچہ کے دربار میں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی، طبقات ناصری میں ہے کہ

او (یعنی قباچہ) در حق همگنان انعام واکرام دافر فرموده" (ص ۱۴۳)

محمد عوفی جس کا ستارۂ اقبال قباچہ ہی کے دربار میں چمکا، اپنے تذکرہ لباب الالباب میں رقمطراز ہے،

"یہ دربار علماء و فضلاء سے پُر ہے، یہ ایک ایسا آسمان ہے جس میں ارباب کمال کے ستارے چمکتے ہیں، یہ ایک ایسا بوستان ہے، جہاں فضل کی کلیاں اور ہنر کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں (ج ۲ ص ۴)

عوفی نے ان علماء، فضلاء، اور شعراء میں صرف دو چار کا ذکر کیا ہے، ان کے نام مع القاب کے حسب ذیل ہیں،

(۱) الاجل المحترم شمس الدولہ والدین سید الندمار تاج الفضلا مفخر القدما، محمد الکاتب البلخی۔

(۲) الاجل فخر الشعراء ضیاء الدین السجزی، بقیہ دو کے نام لباب الالباب کے مرتب ای۔ جی۔ براؤن کو غالباً قلمی نسخے کے کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکے، اس لیے لباب الالباب کے مطبوعہ نسخہ کے ص ۴۱۸ و ص ۲۲۴ میں ان کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، مگر اورینٹل کالج میگزین لاہور (نومبر ۱۹۳۸ئہ) کے ایک مضمون نگار نے گلِ رعنا مولفہ لچھمی نرائن کی مدد سے نمبر ۴ کے شاعر کا نام فضلی ملتانی بتایا ہے۔

**شمس الدین محمد بلخی** | عوفی شمس الدین محمد بلخی کے شاعرانہ کمال اور ذاتی اوصاف و محاسن، لطافت طبع، خلق و کرم اور دوست پروری وغیرہ کا بڑا معترف ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

"وہ ایک ایسا جوان ہے جس کی نظیر چرخ پیر نے نہیں دیکھی ہے اور چکر لگانے والے آسمان نے اس کے جیسا جامع صفات کسی اور کو نہیں پایا" (ص ۲۱۴)

شمس الدین بلخی اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا، عوفی کا بیان ہے کہ وہ اس فن میں مشہور خطاط ابن البواب اور ابن مقلہ سے بھی بہتر تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"درخط بدرجہ کہ ابن البواب انگشت برحرف او نتواند نہاد و ابن مقلہ دیدہ ازمشاہدہ دلبران خط او بر نتواند داشت" (ص ۴۲۱)

عوفی رقمطراز ہے کہ شاعری میں شمس بلخی انوری کا ہم پایہ تھا۔ "درشعر عدیل انوری" (ص ۴۲۱) اور تاج الفضلا، اور مفخر القدما جیسے القاب سے اس کو یاد کیا ہے، قباچہ کے دربار میں اس کی شاعری کو اور بھی زیادہ فروغ ہوا، اور اس نے سلطان کی مدح کے قصائد میں اپنی شاعری کا جوہر خوب دکھایا، اس کا سرپرست اور مولی قباچہ کا وزیر عین الملک بھی تھا۔ اس کی مدح میں بھی شمس الدین نے قصیدے لکھے جن کا ذکر آئے گا۔

فضلی ملتانی | فضلی ملتانی بخارا میں عوفی کے ہم درس اور ہم مکتب تھے یہیں دونوں نے امام فخرالدین کی "جامع الصغیر" حفظ کی جب مولانا فضلی ملتانی قباچہ کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوئے تو اپنے علم و فضل کی بدولت انکو ایسا عروج ہوا کہ ابناے کبار و علماے نامدار میں ان کا شمار ہونے لگا (لباب الالباب جلد دوم ص ۲۳۴)، وہ اپنے زمانہ کے ممتاز شاعر بھی تھے اور خود قباچہ ان کی شاعری کا قدردان تھا، اس قدردانی کی وجہ سے ان کو بھی سلطان کی ذات سے گرویدگی تھی، چنانچہ اس کی شان میں قصائد لکھکر اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار کیا ہے، ایک قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں،

| | |
|---|---|
| اے ظفر ہمدم ترا از بخت برنا آمدہ | نامۂ تائید تو انا فتحنا آمدہ |
| ناصر دین خسرو دنیا قباچہ شاہ شرق | اے مہ چتر تو بر گردونِ مینا آمدہ |
| از پے اعلاے دین نصر من اللہ در ازل | بر سر منصور شاہی تو طغرا آمدہ |
| منظر قصرت ز کیوان در گذشتہ از علو | مسند قدرت بر از عرش معلا آمدہ |
| ظلم بیہ اندنہ نہاں کردہ روی از ہیبتت | امن سر پوشیدہ از عدلت بصحرا آمدہ |
| گر ضلالت فی المثل رفتہ سوی فغفور چین | بے توقف ز جواب تو الطعنا آمدہ |

ابرنیساں کم زدہ لاف سخاوت چون گفت — در گہر بخشی فزوں از ہفت دریا آمدہ

بادۂ جام تو اے اسکندر ثانی بہ بزم — چوں زلال چشمۂ حیوان مصفا آمدہ

چون کشتی لشکر بعزم رزم لشکر گاہ تو — جملۂ ہامون ودشت وشیب وبالا آمدہ[۱]

ناظرین کی ضیافت کے لیے مولانا فضلی کی کچھ رباعیاں بھی پیش کی جاتی ہیں :-

کروی سیم زآن شرب گیسو کزراست — نیکوست رخت ولیک بدخو کزراست

در پہلوے تیر مژۂ مردم کش — احسنت زہے کمان ابرو کزراست

آغاز نہاد فتنہ بازش چہ کنم — چوں داشتہ ام محرم رازش چہ کنم

بسیار زخشم دست بردست زدم — کوتاہ نشد دست درازش چہ کنم

ہر لالہ کہ چشم کوہساری بودست — صد قطرہ زخون تاجداری بودست

مپسر بقدم سبزۂ بستان گستاخ — کان وسمۂ ابروی نگاری بودست

ضیاء الدین سجزی | ضیاء الدین سجزی کو عوفی نے فخر الشعراء لکھا ہے، یہ اپنے زمانہ کا قادر الکلام شاعر تھا۔ اس کے قصیدہ کا نمونہ آگے پیش کیا جائے گا۔

مولانا منہاج الدین جوزجانی | طبقات ناصری کے مولف مولانا ابوعمر منہاج الدین عثمان الجوزجانی کا علمی اقبال بھی ہندوستان میں قباچہ ہی کے دربار میں چمکا، انھوں نے اپنا نسب نامہ یہ لکھا ہے، منہاج الدین ابوعمر عثمان بن سراج الدین محمد بن منہاج الدین عثمان بن ابراہیم بن امام عبدالخالق جوزجانی۔ یہ خاندان دراصل غوزگان یا جوزجان کے علاقہ کا رہنے والا تھا، جو غور سے شمال مغربی گوشہ میں اور ہرات سے شمال میں دریا سے مرغاب سے آگے جبال ہرات کے قریب واقع ہے، اسی لیے اس خاندان کے ہر فرد کے نام کے ساتھ وطنی نسبت جوزجانی کا بھی جزہے، اس خاندان کی

[۱] لباب الالباب ج ۲ ص ۴۶۵

مورثِ اعلیٰ امام عبد الخالق اپنے زمانہ کے جید عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے، ان کی شادی غزنین کے سلطان ابراہیم شاہ کی لڑکی سے ہوئی، اس شادی سے جو فرزند تولد ہوا، اس کا نام بھی ابراہیم رکھا گیا، یہ خاندان اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے ہمیشہ ممتاز رہا، طبقات ناصری کے مولف کے والد سراج الدین محمد اعجوبۃ الزمان افصح العجم کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے[1]، ان کی ماں سلطان غیاث الدین محمد سام کی بیٹی شہزادی ماہ ملک کی رضاعی بہن اور ہم مکتب تھیں، وہ شہزادی کے ساتھ فیروزکوہ کے شاہی محل میں رہتی تھیں، ذہین منہاج الدین ۵۸۹ھ میں پیدا ہوئے، انھوں نے شہزادی ماہ ملک کے محل میں شاہی خاندان کے بچوں کی طرح پرورش پائی، چنانچہ خود لکھتے ہیں،

"آن ملکۂ جہان این ضعیف را در حجرۂ بادشاہی خود چون فرزندان در پرورش بادشاہانہ داشتے وشب و روز در صغر سن در حرم او بودے و در نظر مبارک او تربیت یافتے" (طبقات ناصری ص ۲۸)

شہزادی ماہ ملک کے محاسن کا اعتراف جابجا کیا ہے، لکھتے ہیں کہ اس کو پورا کلام اللہ حفظ تھا، اور اسی کے ساتھ اس کو شہادت کے تمام واقعات بھی زبانی یاد تھے، اور ہر سال دو رکعت نماز میں پورا کلام پاک ختم کیا کرتی تھی، اسی مذہبی فضا میں مولانا منہاج کی تربیت ہوئی، ان کے ننہالی خاندان کی عظمت کا اندازہ ان کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے کہ اس خاندان کو خلافت بغداد سے فرامین بھی عطا ہوئے تھے، خلیفہ مستضی باللہ نے ان کے نانا کو تولک، قہستان اور جبال ہرات کی قضاءت دی تھی، ان کے دادا کو بھی پایۂ تخت سے خلعت عطا ہوا تھا[2]، ان کے والد کو ۵۸۳ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے علی کرماخ ناظم لاہور کے ماتحت عساکر سلطانی کا قاضی مقرر کیا، فوج کے کوچ کے وقت بارہ اونٹ ان کے دفتر کے سامان کی باربرداری کے لیے سرکار شاہی سے مقرر تھے[3]، ۵۹۰ھ میں بہاء الدین سام بامیان اور طخارستان کا فرمانروا ہوا تو اس نے اپنی

---

[1] طبقات ناصری، ۱۱، [2] ایضاً [3] ایضاً

سلطنت میں ہر دیار کے علما، و فضلا کو جمع کرنا شروع کیا، خود طبقات ناصری کے مولف کا بیان ہے کہ علمائے عالم کا اس پر اتفاق تھا کہ اس عہد کے مسلمان بادشاہوں میں بہاء الدین سام سے بڑھ کر کوئی حکمراں علم پرور نہ تھا، اسی علم پروری کی خاطر مولف طبقات ناصری کے والد مولانا سراج الدین کو اپنی سلطنت میں آنے کی دعوت دی، جب طلبی پہنچی تو اس وقت فیروزکوہ میں مقیم تھے، وہ جب اس کے یہاں پہنچے تو اس نے ان کا خیر مقدم بہت عزت و احترام کے ساتھ کیا، اور ان کو اپنی مملکت کا قاضی، خطیب اور محتسب بنا کر اپنی قدر دانی کا ثبوت دیا، اور دو مدرسوں کی تولیت بھی تفویض کی،[1] طبقات ناصری کے مولف کی عمر اس وقت تین سال کی تھی، جس زمانہ میں سلطان تکش خوارزم شاہی نے خلیفہ ناصر لدین اللہ سے بغاوت کی تو خلیفہ نے دار الخلافت سے سلاطین غور و غزنیں کے پاس امداد طلب کرنے کے لیے سفرا بھیجے، سلطان غیاث الدین محمد سام نے اس کا جواب امام شمس الدین ترک اور مولانا سراج الدین کے معرفت بھیجا،[2] یہ سفارتی مشن مکران کی راہ سے بغداد روانہ ہوا، راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا، اور مولانا سراج الدین ان ہی ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے،

اٹھارہ سال کی عمر تک مولانا منہاج الدین فیروزکوہ ہی میں رہے،[3] اسی زمانہ میں سلطان غیاث الدین محمود بن غیاث الدین ابو الفتح محمد سام کو خوارزمی پناہ گزینوں نے قتل کیا، ۶۱۳ھ میں انھوں نے سیستان کے دار الخلافت زرنج کی راہ لی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ غور اور غزنین کی تمام مملکت خوارزم شاہیوں کے زیر نگیں آگئی تھی، مولانا منہاج الدین بست ہوتے ہوئے سیستان کے دار الخلافت پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا، اور وہاں کے سلطان ملک الغازی یمین الدولہ بہرام شاہ نے ان کو بڑے اعزاز و احترام سے سات مہینے تک رکھا، ان کو خلعت عطا کی اور ان کے اخراجات کے لیے روپیہ اور غلہ برابر دیتا رہا، وہاں سے خراسان آئے، ۶۱۷ھ میں وہ

[1] طبقات ناصری ص ۱۰۷، [2] ایضاً ص ۷۱، [3] ایضاً ص ۸۸، [4] طبقات ناصری موسومہ عبد الحبیب قندھاری ص ۲۳۳، اور طبقات ناصری کلکتہ ص ۲۴۴

تولک میں تھے، اور یہاں تقریباً چار سال تک چنگیز خانیوں کی یورش دیکھتے رہے، اسی دار وگیر کے زمانہ میں جب کہ ان کی عمر تیس سال کی تھی، ان کی شادی ایک رشتہ دار امیر کی لڑکی سے ہوئی، شادی کے بعد چنگیز خانیوں کی شورش سے گھبرا کر ہندوستان منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا لیکن ابھی یہ ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ۶۲۱ھ میں حصار تولک سے ملک تاج الدین حسن سالار خر پوست نے ان کو رسالت کے فرائض انجام دینے کے لیے اسفزار بھیجا، مغلوں کی یورش سے قافلوں کی آمد و رفت بالکل بند ہو گئی تھی، مولانا منہاج اسی راستہ کو دوبارہ کھلوانے کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ اسفزار سے قہستان گئے، وہاں سے تون، قائن اور اسفزار ہوتے ہوئے پھر تولک واپس آئے، ۶۲۲ھ میں غور کے حکمران ملک رکن الدین محمد عثمان مرغنی کے یہاں خانسار پہنچے، اور اس کے حکم سے دوسری بار قہستان گئے، اس مرتبہ بھی ملک رکن الدین کی خواہش کے مطابق قافلوں کی آمد و رفت کے راستے جاری کرنے کیلئے وہاں پہنچے، پھر فراہ، سیستان، کرہ، طبس، مومن آباد اور قائن ہوتے ہوئے خانسار آئے، یہاں آکر ہندوستان کے سفر کی تیاری میں سامان سفر خریدنے کے لیے فراہ گئے، اس وقت ملک تاج الدین نیالتگین خوارزمی ملاحدین سے شکست کھا کر وہیں مقیم تھا، اس نے مولانا منہاج کی آمد کو غنیمت سمجھا، اور ان کو قہستان کے والی شمس الدین محتشم کے پاس پیام مصالحت لے جانے پر آمادہ کیا، مولانا منہاج قہستان پہنچکر شمس الدین محتشم سے نبیہ میں ملے، اور شرائط صلح طے کر کے فراہ واپس آئے، لیکن تاج الدین نے شاید ان شرائط کو تسلیم نہیں کیا، اور وہ ملاحدوں سے جنگ پر آمادہ ہو گیا، اس سلسلہ میں اس نے مولانا منہاج کو پھر قہستان بھیجنا چاہا، لیکن دوسری مرتبہ انھوں نے جانے سے انکار کیا، تاج الدین نے برہم ہو کر ان کو سجستان میں قید کر دیا، ۴۳ دن قید میں رہے تھے کہ ملک رکن الدین خنسار نے ان کی رہائی کی سفارش کی، اور وہ رہا کر دیے گئے، مولانا منہاج نے شکریہ میں اس کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا،[1]

[1] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۷۰، ۱۴۴

سنہ ۶۲۴ھ مین عازم ہندوستان ہوئے، غزنین ہوتے ہوئے ملتان کوٹ پہنچے، وہان سے کشتی پر بروز سہ شنبہ ۲۶ جمادی الاول سنہ ۶۲۴ھ کو اوچ آئے، اور پھر ناصرالدین قباچہ کے دربار میں حاضر ہوئے، جہان ان کی بڑی پذیرائی ہوئی، اوچہ کا مدرسہ فیروزی ان کے سپرد کیا گیا، اور قباچہ کے لڑکے علاء الدین بہرام شاہ کے لشکر کے قاضی بھی مقرر ہوئے،[۵] یہان ان کو معاشی اور قلبی اطمینان حاصل ہوا، تو انھون نے اپنے علم وفضل کا جوہر دکھایا، ان کا ذکر سلاطین دہلی کے سلسلہ مین بھی آئے گا، جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ اپنے عہد کے کس قدر جید عالم اور ممتاز فاضل تھے،

وزیر عین الملک کی علمی سرپرستی | قباچہ کے دربار کی علمی فضا اس کے وزیر عین الملک ملک الوزرا فخرالدین الحسین بن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری کی علم دوستی اور علم پروری سے اور بھی زیادہ روشن اور منور تھی، وہ علوم وفنون کا دلدادہ اور اپنے آقا کی طرح شعراء کا بڑا مربی اور سرپرست تھا، شعراء سلطان اور وزیر دونون کی شان مین قصیدے کہتے، اور دونون سے داد پاتے تھے، عین الملک کی مدح مین تاج الفضلاء مولانا شمس الدین بلخی ایک قصیدہ مین کہتے ہین :-

یوسف کنعان حسنی دو دعناب تو ہست ۔۔۔ سال وماہم پائمال دست گرگان یافتہ

در دریاے ملاحت صورت زیبائے تو ۔۔۔ اشکم اندر عشق خود ہم رنگ مرجان یافتہ

آب حیوان لعل تست ومعجز عیسی خرد ۔۔۔ دایم از خاک در دستور گیہان یافتہ

صاحب جمشید رتبت فخر دنیا عین ملک ۔۔۔ آنکہ ملک از راے او تمکین وامکان یافتہ

از سواد موسی کلکت ید بیضاے ملک ۔۔۔ ہمچو موسیٰ از عصا اعجاز ثعبان یافتہ

خصم بدکیش ترا چرخ کمان دش زہ عید ۔۔۔ از حسامت بر بساط کینہ فرمان یافتہ

تا جہان باشد بقاے دولت و جاہ تو باد ۔۔۔ اے جلال عز وجاہ از فضل یزدان یافتہ

[۱] طبقات ناصری بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۴۴۔ [۲] لباب الالباب ج ۲ ص ۴۲۱ - ۴۲۳

ضیاء الدین سجزی نے بھی عین الملک کی مداحی کی ہے جس کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں، ان سے قصیدہ نگار کے ممدوح کی فیاضی اور علم دوستی کے ساتھ اس کے کلام کا رنگ اور اس زمانہ کی قصیدہ گوئی کے طرز کا بھی کچھ اندازہ ہوگا،

زیں طراوت تا ابد خالی نہ بینی باغ را — زانکہ او دولت سرائے صاحب ہے یا عطاست

خواجۂ آفاق عین الملک کز تعظیم او — آسمان مرتبت را آفتاب کبریاست

آصف جمشید رتبت فخر دین و دولت آن — کاستان چرخ سایش سجدہ جاے اصفیاست

اے حسن خلق حسین اسمی کہ از بہر شرف — بخت بر درگاہ امرت بندۂ فرمانرواست

صاحبا در بندگیت ایام برنائی تمام — صرف کردم جاہ تو بر صدق این دعوی گواست

ملجاء خود جز جناب جاہ تو نشناختم — از جوانی تا گہ پیری کہ ہنگام عناست

عہد برنائی گذشت اکنوں و مویم شد سپید — در زمانہ نا امید بہاے دیگر در قفاست

در جوانی چون عزیزم داشتی از راہ لطف — حق پیری را اکنون گر شاکرم وادی رواست

با دعا سازم کہ در مدح تو عاجز یافتم — خاطر خود را اگرچہ مبلغ حمد و ثناست

رتبت صدر وزارت جاودان جاہ تو باد — کز ترقی جاہ تو پیرایۂ عز و بقاست[1]

عین الملک کی مدح میں لباب الالباب میں ایک قصیدہ درج ہے، مگر قصیدہ نگار کا نام مرتب لباب الالباب کو معلوم نہیں ہو سکا. گو اس کے کچھ حالات کتاب میں موجود ہیں، وہ بامیان کا رہنے والا تھا، صاحب قلم اور صاحب سیف بھی تھا، اس نے دمسگان اور سیرک کی ایالت بھی کچھ دنوں تک کی ہے، سلطان جلال الدین کی طرف سے اس کو بغروش کا لقب عطا ہوا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان ممالک میں اس کی قدردانی کم ہو گئی تھی، اسی لیے وہ قسمت آزمائی کے لیے

[1] لباب الالباب ص ۲۷-۴۲۶

ہندوستان پہنچا، یہاں قباچہ کے دربار سے وابستہ ہوا، اور عین الملک کے دامنِ عاطفت میں پناہ لی اور بقول عوفی اپنے قلم مشکبار سے اس کی مداحی شروع کی، اس کی شان میں ایک قصیدہ سوال و جواب کی شکل صنعت میں لکھا ہے، لیکن اس صنعت کے باوجود قصیدہ کا ہر شعر زورِ بیان، سلاست اور روانی کی اعلیٰ مثال ہے، بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

| | |
|---|---|
| گفتم بدان نگار کہ خرشید انوری | گفتا زدی نکوترم ار نیک بنگری |
| گفتم کہ دل ربائی جانان ز عاشقان | گفتا بزلف عنبری و چشم عبہری |
| گفتم مہ چہاردہ بر سپہر حسن | گفتا مہ مراست ہزار از تو مشتری |
| گفتم بہ بندگئی تو اقرار می کنم | گفتا چو تو بسیت کنونم بجا کری |
| گفتم کہ جان بنزد تو آرم بخدمتے | گفتا کہ تحفہ الیست زبے سیمی و زری |
| گفتم گہر فشانی ز اوصاف شاعریست | گفتا کہ زر ستانیست آئین دلبری |
| گفتم کہ شعر من گہر بحر خاطرست | گفتا کہ شعر خواہم دیبای ششتری |
| گفتم ثنائے صاحب آفاق خوانمت | گفتا کہ چون بخوانی؛ خوانم برابری |
| گفتم کہ عین ملک جہان فخر دین حق | گفتا کہ آن حسین ابو بکر اشعری |
| گفتم بیان اوست بہ از تیغ خسروی | گفتا بنان اوست بہ از رمح صفدری |
| گفتم گہر برآرد غواص کلک او | گفتا ز بحر وصل گہ آشنا دری[1] |

**سدیدالدین محمد عوفی**[2] عین الملک کے گلدستۂ علم و ادب کا گلِ سرسبد سدید الدین (یا نور الدین)

[1] لباب الالباب جلد دوم ص ۴۱۹ [2] مولانا ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی (ص ۱۴۱) میں عوفی کا نام صدر الدین بتایا ہے، لیکن ڈاکٹر محمد نظام الدین صدر شعبۂ فارسی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد نے بڑی محنت و کاوش کر کے صحیح نام سدید الدین بتایا ہے گو عام طور سے وہ نور الدین کے لقب سے مشہور ہے، دیکھو ڈاکٹر نظام الدین کی کتاب
Introduction to The Jawami'ul Hakayat wa Lawamiu riwayat, p. 4, 5

محمد عوفی تھا، وہ مشہور صحابی حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف کی اولاد سے تھا، اسی لیے اپنے نام کے ساتھ عوفی لکھتا ہے، عوفی کے دادا قاضی الامام شرف الدین سید المحدثین ابو طاہر یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی ماوراء النہر کے مشہور علماء میں تھے، اس کے ماموں سید الحکماء ملک الاطبا شرف الزمان امام مجد الدین محمد بن عدنان السرخکتی اپنے عہد کے ممتاز طبیب تھے، اور ماوراء النہر کے سلطان قلیچ طمغان خاں ابراہیم بن حسین کے دربار سے منسلک تھے،

عوفی بخارا میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم یہیں امام رکن الدین مسعود بن امام زادہ، تاج الدین عمر بن مسعود بن احمد اور مولانا قطب الدین سرخسی سے حاصل کی، مزید تحصیل علم کے لیے تقریباً بیس سال تک ماوراء النہر اور خراسان کے مختلف دیار مثلاً سمرقند، اموی، خوارزم، مرو، شہر نو، نساء، نیشاپور، ہرات، اسفزار، اسفرائن، سجستان اور فرہ کی سیاحت کی، اور یہاں کے علماء، فضلا اور شعراء سے مستفید ہوا ۵۹۷ھ میں سمرقند میں اس نے مولانا صدر الامام شرف الدین محمد ابن ابی بکر النسفی سے حدیث پڑھی اور ان سے روایت حدیث کی اجازت لی یہیں وہ شاہ قلیچ طمغاج خان ابراہیم کے لڑکے قلیچ ارسلان خاقان نصرۃ الدین عثمان کی ملازمت میں داخل ہو کر اس کے دیوان انشاء کا نگران مقرر ہوا، اس ملازمت کے دوران میں سمرقند کے دربار کے تمام فضلا، اور شعراء کی صحبت میں رہا،[۱] مگر یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہرا اور وہاں سے اپنے وطن لوٹ آیا، جہاں سے پھر نکل کر خوارزم پہنچا، یہاں کے مشہور شیخ شرف بن المؤید بغدادی سے فیوض حاصل کرنے کے علاوہ شیخ الاسلام علاء الدین الحارثی سے حدیث کی قرأت بھی کی،[۲] خوارزم سے شہر نو آیا لیکن راستہ میں اس کا مال و اسباب لٹ گیا، شہر نو پہنچ کر اس نے نصرۃ الدین کبود جامہ کی خدمت میں حسب ذیل رباعی لکھ کر بھیجی،

[۱] لباب الالباب ج ۱ ص ۴۵ و ۴۴ [۲] ایضاً ص ۲۰۹

اے شاہ بہ بذل بحر و کانے دگری　　در قالب ملک و عدل جانے دگری

زان از رُوئے کبود جامہ می خوانندت　　کز رفعت و قدر آسمانے دگری

نصرۃ الدین نے عوفی سے ملاقات تو نہیں کی لیکن اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھیج دیا[1]

عوفی شہر نو سے خراسان کی طرف بڑھ گیا، اور نسا پہنچا، جہاں وہ مجد الدین محمد الپایئزی سے ملا، جو اس وقت خوارزم شاہیوں کا شہنشاہ نامہ مرتب کر رہا تھا[2]، نسا سے عوفی ۶۰۳ھ میں نیشاپور آیا، اور وہاں کے گاؤں میں بھی گھوما، وہاں سے اسفرائن پہنچا، یہاں سلطان خوارزم شاہ کے دبیر عماد الدین کے یہاں مقیم رہا[3]، یہاں سے پھر نیشاپور آیا۔ اس مرتبہ نیشاپور کے قیام کے زمانے میں تمام اکابر فضلاء و شعراء کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا، سلطان خوارزم شاہ کے صاحب دیوان استیفا صدر الدین کے ساتھ وہ کر شعر و شاعری کی مجلس گرم رکھی، دونوں ایک دوسرے کی سخن سنجی و سخن فہمی کی داد دیتے تھے[4]، اسی شہر کے مشہور ادیب، شاعر اور کاتب اور سلطان سنجر کے دبیر منتخب الدین کی صحبت میں رہ کر ان کی تصنیف رقیۃ القلم پڑھی، جس سے اس کو فن کتابت میں بھی درک حاصل ہوا[5]، یہیں مولانا سرخسی کے ساتھ ان کے اشعار پر اشعار کہکر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا[6]، یہیں اور دوسرے شعراء اور ارباب ذوق کے سامنے اپنے فارسی اور عربی اشعار سنا کر ان سے داد لی،

نیشاپور سے ہرات آیا تو وہاں کے فاضل اجل امام بدر الدین بن نور الدین ہروی اور شیخ فخر الدین خطاط کی صحبت میں علمی و ادبی فیوض حاصل کیے[7]،

ہرات سے سجستان کی طرف روانہ ہوا، پہلے وہ اسفزار آکر مقیم ہوا، جہاں وہ سلطان

---

[1] لباب الالباب ج ا ص ۳۰ [2] ایضاً ج ۲ ص ۵۴۳ [3] ایضاً ج ا ص ۷۴، [4] ایضاً ص ۴۴-۱۴۳۔
[5] ایضاً ص ۸۰، [6] ایضاً ص ۲۱۸ [7] ایضاً ص ۲۴۶-۲۵۰

محمد خوارزم شاہ کے وزیر ضیاء الدین ابوبکر بن احمد البجاجی سے ملا جس کی فیاضی اور داد و دہش کا برابر معترف رہا، یہیں اس نے امام شرف الدین عنبری سے سنکر شہاب الدین محمد بن ہمام کے کچھ اشعار جمع کیے، جو خراسان کے مشہور شاعر، عالم اور خطاط تھے[1]، یہیں اس نے مہذب الدین منصور بن علی سے گہرے تعلقات پیدا کیے جس نے اس کی شان میں ایک عربی قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے[2]:

ما ابصرت ایام عمری طرفی — فرما کریما کالسدید العوفی

اسفرائن سے فرہ آکر امام شرف الدین محمد بن محمد فراہی سے ملا جو علم و عمل دونوں کے جامع تھے، اسفرائن سے سجستان کے دار السلطنت پہنچا، جہاں کے تمام مشاہیر فضلاء سے ملا، سجستان سے اپنے وطن بخارا کی طرف مراجعت کی[3]، دوران سفر میں وہ مرو اور اموی کے فضلا سے بھی ملا، ان فضلاء اور شعراء کی صحبت میں اس کے علم و ادب کی جلا اچھی طرح ہوئی اور جب وہ وطن پہنچا تو اس وقت اس کا شمار ایک جید اہل علم میں کیا گیا لیکن جب خراسان پر تاتاریوں نے یلغار کی تو اس کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، اور وہ غزنین ہوتا ہوا ہندوستان کی طرف بڑھا، لاہور پہنچا تو اس زمانہ کے مشہور شاعر حمید الدین مسعود بن سعد شالی کوب اور ادیب شرف الدین احمد ولوندی کی صحبت سے متمتع ہوا[4]، لاہور سے ۶۱۷ھ سے پہلے ناصر الدین قباچہ کے دربار میں اچہ پہنچا، یہاں اس کو شاہی امام و واعظ کے عہدہ پر مامور کرکے اس کے علم و فضل کی قدردانی کی گئی، ۶۱۷ھ

---

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۱۵۹ [3] لباب الالباب میں عوفی نے اپنی سیاحت کا ذکر ضمنی طور پر کیا ہے، اس لیے ہم نے اس کے سفر کی جو ترتیب قائم کی ہے ممکن ہے وہ صحیح نہ ہو، اس کی سیاحت کی تفصیلات لباب الالباب جلد اول کے مقدمہ، جوامع الحکایات و لوامع الروایات کے اردو ترجمہ کے دیباچہ اور ڈاکٹر نظام الدین کی تصنیف میں بھی ہیں، ہم نے ان سب سے بھی استفادہ کیا ہے [4] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۱۴ و ج ۲ ص ۲۸۳

میں عید الفطر کے موقع پر اس نے عربی میں جو خطبہ دیا تھا، وہ لباب الالباب جلد اول ص ۱۱۵ پر منقول ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہو کر کنبھایت پہنچا، یہاں اس نے قاضی ابی علی الحسن بن علی محمد بن داؤد المتوفی ۳۸۴ھ کی کتاب الفرج بعد الشدۃ کا فارسی ترجمہ شروع کیا، اور اپنے آقا کے نام سے اس کا انتساب کیا، اس انتساب میں اس نے سلطان کے لیے جو القاب استعمال کیے ہیں، اس سے اس کے ساتھ اس کے احترام وعقیدت کا پتہ چلتا ہے، لکھتا ہے:

قدر فرمان ملک معظم خسرو اعظم مالک رقاب امم مولی ملوک الترک والعجم ناصر الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین اعدل الملوک واکرام السلاطین سلطان ارض اللہ ناصر عباد اللہ حافظ بلاد اللہ المؤید بنصر اللہ حارس ممالک الدنیا مظہر العلیا ابوالفتح قباچہ[1]

جب عوفی کو ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک نے اپنی سرپرستی میں لیا، اور اس کو مالی و معاشی اطمینان حاصل ہوا، تو اس نے شاہی ملازمت کے زمانے ہی میں اپنے وہبی اور کسبی علوم کا جوہر اپنی کتاب لباب الالباب لکھ کر دکھایا، یہ کتاب دو جلدوں میں اڈورڈ براؤن نے اڈٹ کر کے محمد بن عبد الوہاب قزوینی کی تعلیقات کے ساتھ ۱۹۰۳ء میں انگلستان سے شائع کی ہے، پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلے چار ابواب میں شعر و شاعری کی فضیلت اور معنی پر بحث ہے، پانچویں اور چھٹے میں مختلف سلاطین، ملوک، امرا، اور وزرا کی فارسی شاعری کا ذکر ہے، ساتویں میں ماوراء النہر، خراسان، نیمروز، عراق، غزنین اور جبال کے ائمہ، علماء، اور فضلاء کی شاعری پر

[1] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۵۰۴، نمبر ۳،

تبصرہ ہے، دوسری جلد کی پانچ فصلوں میں آل طاہر، آل لیث، آل سامان، آل ناصر، آل سلجوق، اور ناصرالدین قباچہ کے درباری شعراء کا بیان ہے، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب فارسی کے ابتدائی دور کے شعراء کا تذکرہ ہے، جو دولت شاہ کے تذکرۃ الشعراء سے ڈھائی سو سال پہلے لکھا گیا ہے اس لحاظ سے فارسی شعراء کے تذکروں میں قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے[۱]، فارسی کے بہت سے قدیم شعراء کے حالات اور ان کی شاعری کے نمونے صرف اسی کتاب کی بدولت ملتے ہیں، گو مصنف نے اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق شعراء کے حالات زیادہ تفصیل سے تو نہیں لکھے ہیں، پھر بھی فارسی کے قدیم شعراء کی شاعری کے مطالعہ کے سلسلہ میں یہ کتاب اب تک بہت زیادہ قابل قدر سمجھی جاتی ہے، اس کی عبارت شروع سے آخر تک مسجع اور مرصع ہے، جو عوفی کے ایک باکمال ادیب اور نثر نگار ہونے کا ثبوت ہے،

یہ کتاب عین الملک کی سرپرستی میں لکھی گئی، اس لیے مؤلف نے دیباچہ کے ابتدائی چھ صفحوں میں اپنے مربی اور محسن کی مدح و توصیف نثر اور نظم دونوں میں کی ہے، نثر میں جو القاب اپنے ممدوح کے لیے لکھے ہیں وہ عین الملک سے اس کی عقیدت کے ساتھ اس کے اشہب قلم کی جولانی کی بھی دلیل ہیں، دیباچہ کے علاوہ بھی جابجا وہ عین الملک سے اپنے عقیدت مندانہ جذبات کا اظہار والہانہ انداز سے کرتا ہے، ایک قصیدہ میں کہتا ہے

| | |
|---|---|
| مردم دیدہ نگر چوں روح در خون آمدہ | بارہا از زیر موج اشک بر سر آمدہ |
| دور بینی بین کہ چون نزدیک گردد غم بدو | چوں عروس شادمان در فر دگوہر آمدہ |
| آن بہشتی لعبت میمون لقا را نور شب | منزلی درمادی نگر در آب کوثر آمدہ |
| چوں مشعبد مہندی زنگی فراجسته او بہ بین | دست لعبت ہر زمان از رنگ دیگر آمدہ |

[۱] دیکھو مقدمہ لباب الالباب ج اول از براؤن ص ۱۱ و لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص ۴۰۸،

ہمچو لطف صاحب صاحب قرآن تصویر او | نزد اہلِ عقل و دل با جان برابر آمدہ
آصفِ ایام عین الملک فخر الدین کہ ہست | قدر او از مرکز افلاک برتر آمدہ
قدوۂ دوران حسین آن صاحبی کز عز وجاہ | راہ را خاکِ درش اورنگ و افسر آمدہ [1]

ایک قطعہ میں رقمطراز ہے :

تو آن وزیرے کہ انصاف پادشاہ جہان | بحکم قسمت منور زہے ستودہ وزیر
ہر آنکہ جز تو کسے را وزیر پندارد | جلال و قدر تو واجب کند بر و تعزیر
توئی سزاے وزارت بلے بکس نرسد | گزافہ دولت واللہ بالعباد نصیر [2]

اپنے مربی کے لیے بار بار دعائیں کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

تا فلک گردان بود دستور عین الملک باد | دیدۂ ملک جہاں را نور عین الملک باد
چون بناے ظلم از والی عدلش شد خراب | تا بود قصر سما معمور عین الملک باد
راے پیرش چون غم کار ممالک می خورد | دایم از بختِ جوان مسرور عین الملک باد

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے،

اے آنکہ پاسبانی قدر تر از حل | چون ماہ و آفتاب بجاں گشت مشتری
تا نفخ صور نقش طراز جلال باد | صدر جہان حسین ابو بکر اشعری

عین الملک کے حق میں دعائیں کرتا ہوا عوفی اپنی کتاب کو ختم کرتا ہے، دعا کے آخری دو شعر یہ ہیں۔

زمانہ را پناہ، تو باد جملہ پناہ | سپہر را بہ یمین تو باد جملہ یمین
زخلق بر تو ثنا باد و از فلک احسنت | زبخت بر تو دعا باد از ملک آمین

---

[1] لباب الالباب جلد اول ص ۴ [2] ایضاً ص ۵

یہ جذبات محض شاعرانہ نہیں ہیں، بلکہ اپنے سرپرست کی علم پروری اور علم دوستی کا سچے دل سے اعتراف ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے،

شعر را ہیچ فضیلت نیست جز آنکہ جلوہ گری جلال صدر ایوان جمال و ماہ آسمان کمال و یگانہ شہر و دوم مطرد سیوم شمس و قمر صاحب کبیر عالم عادل موید مظفر منصور مجاہد عین الملک ملک الوزرا راست عناعف اللہ جلالہ تمامست۔" (ص ۱۶ جلد اول)

ایک دوسرے موقع پر عین الملک کے متعلق رقمطراز ہے،

"با داب فضائل قدوہ سحبان وائل و صاحب وصابی در دیوان معالمت پیش اوکی صبی و دیگرہ باقل۔" (جلد اول ص ۱۶۳)

عوفی کی دوسری مشہور تصنیف **جوامع الحکایات ولوامع الروایات** ہے جسکو اس نے سلطان ناصر الدین قباچہ ہی کے حکم سے لکھنا شروع کیا تھا مگر ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ قباچہ التمش کے ہاتھوں شکست کھاکر دریائے سندھ میں ڈوب کر اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کردی، عوفی بھی دوسرے فضلا و شعرا کی طرح التمش کے دربار میں چلا گیا، اور اس کے وزیر نظام الملک[1] محمد بن ابی سعد الجنیدی کی سرپرستی میں اس نے جوامع الحکایات و لوامع الروایات کو مکمل کرکے اس معارف پرور وزیر کے نام سے معنون کیا، (دیکھو دیباچہ جوامع الحکایات) یہ کتاب چار جلدوں میں ایک سو ابواب پر مشتمل ہے، اس میں دو ہزار ایک سو تیرہ حکایتیں ہیں، یہ اپنی خصوصیات مثلاً حکایتوں کی رنگارنگی، بوقلمونی، دل نشینی اور سچائی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی، اور بقول مخدومی سید ہاشمی فرید آبادی "اول سے فارسی علم و ادب کی نہایت مقبول و منتخب کتاب مانی گئی ہے۔"

---

[1] جوامع الحکایات پر بحث عہد شمسی کے ذکر میں آنی چاہیے تھی، لیکن عوفی کے ذکر کے تسلسل کو قائم رکھنے کی خاطر اس کتاب پر تبصرہ یہاں کردیا گیا ہے، جس کے لیے ہم ناظرین سے معذرت خواہ ہیں۔

مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے، اور ہر زمانہ میں ہر ملک کے مصنف اور مولف اس سے برابر استفادہ بھی کرتے رہے ہیں۔ اس کی بعض حکایتیں تاریخی لٹریچر کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض قصوں میں مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی اور عمرانی نکات پیش کیے گئے ہیں، اور زیادہ تر ایسی کہانیاں ہیں جن میں اخلاقی اوصاف مثلاً عدل، حیاء، تواضع، عفو و کرم، حلم، بردباری، ہمت، رحم، ایثار، سخاوت، صبر، شکر، حزم، زہد، جد و جہد، سکوت و نطق، وفاداری، محافظت عہد، امانتداری اور دوسرے مکارم اخلاق کے سبق آموز پہلو کی وضاحت کی گئی ہے،

عوفی نے یہ تمام حکایتیں تاریخ اور دوسرے فنون کی کتابوں سے جمع کی ہیں، جن کے نام بھی جا بجا لکھ دیے ہیں، مثلاً آثار الباقیہ، کتاب الہند، تاریخ یمینی، تاریخ ناصری، تاریخ ملوک العجم، تاریخ العباس، مجمع الامثال، ادیان العرب، عین الاخبار، شرف النبی، الفرج بعد الشدۃ، خلق الانسان، فوائد کتب حکایتی، مفتاح الحج، سر الدای، تفسیر ابن الثعلبی، تاریخ مقدسی، دستور الوزراء، خواص الاشیا، کتاب الحیوان وغیرہ، ان ماخذوں سے عوفی کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور کتاب کی تدوین میں غیر معمولی تحقیق و کاوش کا اندازہ ہوتا ہے،

عوفی نے جوامع الحکایات میں اپنے مربی اور محسن نظام الملک کی شان میں بھی بہت سے قطعات اور قصائد لکھے ہیں، ایک قطعہ کی ابتدا اس طرح کرتا ہے،

آصف ثانی فرخندہ نظام الملک آن ۔۔۔ کاسمانست پے خدمت او پشت دوتاہ

آن جنیدی نسب و خلق کہ در راہ کرم ۔۔۔ اوست برجند اکابر بمثل خسرو شاہ

پھر اسی قطعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نظام الملک کا دربار اشراف و ملوک کا قبلۂ حاجات تھا، اور اس کا جود و کرم بے پایاں تھا،

آنکہ درگاہ جلالش را اشراف و ملوک ۔۔۔ قبلۂ حاجت سازند بعل جباہ

بحرالفامش بر خلق جہاں گشت محیط | کہ در و دہم مهندس نہ کند ہیچ شناہ

اے شدہ بحر کفت عبرتِ کان و دریا | اے شدہ خاکِ درت مایہ دہ دولت وجاہ

نظام الملک کے صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف ہونے کی تعریف میں ہے،

ہست از روئے کلکت سر نصرت بہتر | ہست از تیغ کبود تو رخِ خصم سیاہ

عونی کو اعتراف ہے کہ اس کے علم و ہنر کی قدر نظام الملک کے دربار میں ہوئی، اس کا اظہار ایک لطیف پیرایہ میں کر کے اس کی مزید عنایتوں کا ملتجی ہوتا ہے،

صاحبا قصۂ داعی بکرم اصغا کن | کہ مثل گشت کنوں قصۂ او در افواہ

داعی مخلص عونی کہ از احداثِ زمان | می شود خون دل مسکینش بروزی صد راہ

گرچہ در مرتبہ رابع عقد ہنر ست | صفر و آحاد بود حاصل او یعنی آہ

مدتے عمر برامد بحصول اغراض | ہمچو دربان گران معتکف ہر درگاہ

زنگ و بوے کرم از کس چو ندید و نشنید | باچنیں تحفہ دگر باز تو آورد پناہ

ذات او ہست نباتے بہ کرم آبش دہ | چہ شود تازہ پس از وے ثمر تازہ بخواہ

او رواں کرد زبان را بمدیح تو در از | تو از دست حوادث بکرم کن کوتاہ

تا کہ در نور وضیا ماہ نباشد چون خور | تا کہ در مرتبہ فرزین نبود ہم چوں شاہ

دشمن جاہ تو در حبس ابد باد چنان | کہ برون نآید از و ہرگز چون سایہ ز چاہ

ایک اور قطعہ میں نظام الملک کے بذل اور اخلاق کے متعلق کہتا ہے۔

نظام الملک و سپہر کرم قوام الدین | کہ کرد بذل کفش خستہ سینۂ کانرا

محمد ابن ابی سعد صاحبے کہ دہد | برائے قوت نشو و نما مرارکانرا (۲)

اگر نہ نفحہ اخلاق او مدد کردے | کجا بدی لطراوت اثر گلستان را

اگر نہ پرتو رائے منیر او بودے | زسایہ رنج بدی آفتاب رخشاں را
ہمیشہ صدر وزارت باد مشرف باد | مدام تا کہ بود دور چرخ گرداں را

ایک دوسرے موقع پر نظام الملک کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

آں صاحبے ستودہ کہ دام فضائے عرش | شہباز قدر و جاہ ورا آشیاں سزد
عادل نظام ملک محمد کہ دہر را | معمار رائے قاہر او قہرماں سزد
ہر قصر قدر او را از دولت جواں | ہندوے بر قدر زحل پاسباں سزد
برجیس کو بہ سعد جہاں راست میزباں | در منزل سعادت او میہماں سزد
مریخ کو است شعلۂ از نار خشم او | در روز حشر بر سر زخمش سناں سزد
ناہید آنکہ عود طرب بر کنار اوست | از بہر بزم قدر او درمیاں سزد
تیر فلک محرر دیوان او بود | ز بیک تیز تازوی او قہرجاں سزد
پیوستہ شاد باش کہ این ملک شرق را | قدرش رواں فزاید و رایش جواں سزد

جوامع الحکایات میں نظام الملک کی مدح میں بہت سے اشعار ملیں گے۔ جن میں کبھی اس کے تدبر و دبدبہ، کبھی اس کی علم نوازی و ہنر پروری کبھی اس کی عدل گستری اور غربا نوازی اور کبھی اس کی شجاعت و نبرد آزمائی وغیرہ کی تعریف و توصیف کرتا ہے، ایک جگہ نظام الملک کی ستائش کے سلسلہ میں سلطان شمس الدین التمش کی بھی مدح کی ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے عہد کا ادنی آدمی بھی قیصر و کسریٰ اور خاقان و چین سے بہتر ہے۔

نظام ملک محمد قوام دولت و دین | کہ مصر جامع دین را ز رائے اوست حصار
دگر بہ عہد شہنشاہ مادی پہ دید | ز رشک و غیرت نشناختی یمین و یسار
خدایگان سلاطین عہد شمس الدین | کہ کان دریا از یمین اوست یسار

مکین بندۂ او بہ قیصر و کسریٰ      کمین چاکر او بہ زخان چین تتار

خدائے جل جلالہ وزیر سلطان را      بفضل خویش ز احداث چرخ مامون دار

ہم نے عوفی کے مختلف قصائد و قطعات اوپر اس لیے درج کیے ہیں کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ وہ ایک ممتاز نثار اور ادیب ہونے کے علاوہ ایک جلیل القدر اور قادر الکلام شاعر بھی تھا، اس کی وعظ گوئی، نثر نگاری، سخن سنجی اور پایۂ علمی کی داد دیتے ہوئے اس کے معاصر محمد بن عمر بن محمد سمرقندی نے جو اس کے فارسی ترجمہ الفرج بعد الشدۃ کا کاتب ہے، اس کو "واعظ الملوک والسلاطین"، "منشی النظم والنثر" "ملک الکلام" اور "افضل العالم" کے القاب سے یاد کیا ہے،

عوفی کی ایک کتاب مدائح السلطان بھی تھی، جو غالباً اس کے قصائد کا مجموعہ تھا،

**چچ نامہ** ناصر الدین قباچہ ہی کے عہد میں سندھ کی مشہور و معروف تاریخ چچ نامہ عربی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی، اور اس کے وزیر عین الملک کے نام سے معنون ہوئی، یہ تاریخ دراصل عربی میں لکھی گئی تھی، جس کو فارسی میں محمد بن علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے منتقل کیا، اور اب اس مترجم کی حیثیت مستقل مصنف کی ہوگئی ہے، محمد بن علی کا آبائی وطن کوفہ تھا، چچ نامہ کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن مالوف سے اچہ آیا، اور اپنی عمر کے ۵۸ ویں سال میں اس کو سندھ خصوصاً محمد بن قاسم کی فتوحات کی ایک تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اس ارادہ کی تکمیل کے سلسلہ میں وہ اچہ چھوڑ کر الور اور بھکر آیا، بھکر میں اس کی ملاقات اس زمانہ کے بہت بڑے عالم مولانا کمال الدین اسمعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب الدین عثمان ثقفی سے ہوئی، جن کے بارہ میں وہ لکھتا ہے کہ

"در فصاحت کان فضل است و در ملاحت جان عقل است، و در فنون علوم فارسی بے نظیر و در ........ بلاغت بے عدیل شدہ بود"

مولانا کمال الدین اسمٰعیل سے محمد بن علی کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس عربی میں سندھ کی ایک تاریخ ہے، جس کو ان کے کسی مورث نے قلمبند کیا تھا محمد بن علی نے اس کا مطالعہ کیا تو اس کو یہ کتاب بہت پسند آئی، وہ خود لکھتا ہے،

> چون بندہ، از آن کتاب اطلاع افتاد کتابے بود بجواہر حکمت آراستہ و بدر رو علت مو پیراستہ وا وصاف شجاعت و مردانگی اہل عرب و شام در وے مبرہن، و الوداع شہامت و فرزانگی در وے متمکن ........

چنانچہ اس نے اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا، اور ۶۱۳ھ میں جب ترجمہ ختم ہوا تو اس کا نام فتح نامہ رکھا لیکن بعد میں یہ کتاب چچ نامہ کے نام سے مشہور ہوئی، شروع میں سندھ کے راجہ چچ بن سلائج کی حکومت اور فتوحات کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے چچ نامہ کی شہرت زیادہ ہوئی، حالانکہ اس میں سندھ کے فاتح محمد بن قاسم ثقفی کے جنگی و حربی واقعات کی تفصیلات زیادہ ہیں اور اسی لیے اس کا نام فتح نامہ رکھا گیا تھا لیکن یہ نام مقبول عام نہ ہوا، اس کا نام منہاج الدین والملک اور تاریخ قاسمی بھی بتایا گیا ہے۔

اس تاریخ کا ایک آدھ واقعہ تو افسانوی رنگ میں ہے خصوصاً یہ روایت تو بالکل بے سرو پا ہے کہ داہر کی لڑکیاں جب مال غنیمت کے ساتھ خلیفہ ولید کے پاس بھیجی گئیں تو انھوں نے محمد بن قاسم پر تہمت لگائی اور خلیفہ نے غصہ میں محمد بن قاسم کو چرم گاؤ میں سلوا کر مروا ڈالا، اور جب اس کی لاش داہر کی لڑکیوں نے دیکھی تو اقرار کیا کہ انھوں نے محمد بن قاسم پر تہمت اپنے باپ کا بدلہ لینے کی خاطر لگائی تھی، خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنی بوٹیاں کاٹنے لگا۔ اس روایت کو موجودہ دور کے تمام محققوں نے بالکل غلط بتایا ہے، دوسرے اس لیے بھی ناقابل قبول ہے کہ محمد بن قاسم کی معزولی سلیمان بن عبد الملک کی خلافت کے زمانہ میں ہوئی، اور اس کی معزولی کے بعد یزید بن ابی کبشہ سکسکی جب سندھ کا والی

مقرر ہوا تو اسی نے محمد بن قاسم کو سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے گرفتار کیا، مجرموں کی طرح اسکو ٹاٹ کے کپڑے پہنائے اور پاؤں میں بیڑی ڈال کر معاویہ بن مہلب کے ساتھ عراق روانہ کر دیا، جب محمد بن قاسم عراق پہنچا تو واسط کے جیل خانہ میں بھیجا گیا اور یہیں تکلیف اور مصیبت جھیل کر مسلمانوں کی تاریخ کے ایک بہت ہی جلیل القدر فاتح نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔[۱] اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف کا چچازاد بھائی اور داماد تھا، اور حجاج سلیمان کے حریف ولید کے لڑکے کا طرفدار تھا، حجاج کی موت کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے اس کے تمام متعلقین کو تہ تیغ کرنے ہی میں اپنی حکومت کی سلامتی دیکھی۔

لیکن اس روایت سے قطع نظر ..... چچ نامہ سندھ کی ایک مستند تاریخ ہے، بعد کے تمام مورخوں مثلاً نظام الدین بخشی مولف طبقات اکبری، فرشتہ صاحب تاریخ فرشتہ، میر معصوم مولف تاریخ سندھ (یا تاریخ معصومی) اور میر علی قانع ٹھٹوی صاحب تحفۃ الکرام نے چچ نامہ سے پورا استفادہ کیا ہے، اس تاریخ سے اس زمانہ کے سندھ کے مذہبی، عمرانی اور معاشرتی حالات سے متعلق بہت سے مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، سندھ میں عربوں کے فتوحات، بنو امیہ اور بنو عباس کے مقرر کردہ والی اور انکے عہد کے واقعات تو صرف اسی کتاب سے معلوم ہوتے ہیں، اور ادبی حیثیت سے بھی یہ کتاب اپنے طرز بیان کی روانی، سادگی اور سلاست کے لحاظ سے بلند پایہ سمجھی جاتی ہے، ڈاکٹر داؤد پوتہ (ڈائرکٹر تعلیمات سندھ) نے اس کو اڈٹ کر کے ۱۹۳۹ء میں مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع کیا ہے، انھوں نے اس کے شروع میں ایک پرمغز مقدمہ اور آخر میں توضیحات، تعلیقات اور اسندراکات کا اضافہ کر کے بہت سی مفید باتیں لکھی ہیں، اس کتاب کے ادب و انشاء کے متعلق وہ بھی رقمطراز ہیں کہ اس کی عبارت سادہ سلیس اور بے ساختہ ہے، الفاظ میں معانی گم نہیں ہوتے، اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ

---

[۱] یعقوبی ج ۱ ص ۳۵۶ بحوالہ تاریخ سندھ از مولانا ابو ظفر صاحب ندوی دارالمصنفین اعظم گڈھ ص ۱۲۲-۱۲۱

طرز انشاء کے لحاظ سے یہ سفر نامہ، سیاست نامہ، چہار مقالہ اور راحت الصدور کے پایہ کی کتاب ہے۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرزا قلیچ بیگ فریدون بیگ نے شائع کیا تھا، اس کے حواشی میں جا بجا تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کے حوالے سے کارآمد تبصرے بھی ہیں۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ کتاب ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک کے نام سے معنون ہے، اسی لیے اس کے مترجم علی بن حامد کوفی نے دیباچہ اور خاتمہ میں اس علم پرور وزیر کے لیے بہت سے توصیفی الفاظ استعمال کیے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وزیر عین الملک کے دربار میں اس کی بھی رسائی تھی، اور اس کی بزم کا وہ ایک ممتاز اہل علم تھا۔

**تعلیمی درسگاہیں** اچہ، ملتان اور بھٹہ اس وقت مشائخ، علما، اور فضلاء کے بہت بڑے مرکز تھے، وہ خانقاہوں، مسجدوں اور نجی مدرسوں میں تعلیم و تربیت اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، ان نجی مدارس کے علاوہ حکومت کی سرپرستی میں بھی دو مدرسوں کا ذکر آتا ہے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ مولانا منہاج الدین جوزجانی اچہ آئے تو ناصر الدین قباچہ نے یہاں کے مدرسہ معزی کا اہتمام و انتظام ان ہی کے سپرد کیا، پھر جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو ناصر الدین قباچہ نے ان کے لیے خاص طور پر ایک مدرسہ قائم کیا، جہاں وہ برابر درس و تدریس میں مشغول رہتے، تاریخ فرشتہ میں ہے

"چون مولانا قطب الدین کاشانی از ماوراء النہر بہ ملتان رسیدہ شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان سرائے با مدرسہ برائے او بنا نمود و مولانا کہ علامۂ روزگار بودند بامداد و دران مدرسہ نماز گزاردہ تدریس گفتن بہ پرداخت۔"

# شمس الدین التمش

۱۲۱۰ - ۱۲۳۶ء

۶۰۶ - ۶۳۳ھ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں شمس الدین التمش ایک عدیم المثال فرمانروا گذرا ہے، وہ غلامی سے ترقی کر کے نہ صرف دہلی کے تاج و تخت کا مالک بنا، بلکہ اپنی سپہ گری، سیاسی ہوشمندی، عشق الٰہی اور علم نوازی میں اپنی نظیر آپ ہوا، تاریخوں اور تذکروں میں اس کا ذکر ایک ... بہادر سپاہی، بیدار مغز حکمران، برگزیدہ ولی اللہ اور جلیل القدر اہل علم کی حیثیت سے کیا گیا ہے، ہماری اس کتاب کا دائرہ محدود ہے، اس لیے ہم یہاں اس کی عرفان نوازی اور علم پروری ہی کا ذکر کریں گے۔

**ابتدائی زندگی**

التمش ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا۔[1] اس کا باپ ایلم خان اپنے قبیلہ کا سردار تھا، اور اپنی دولت و ثروت اور خدم و حشم کی وجہ سے اطراف و جوانب میں بڑی شہرت رکھتا تھا، اس کے کئی لڑکے تھے، لیکن وہ التمش کو اس کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت ہی عزیز اور

[1] تاریخ فرشتہ میں ہے:-

"کتاب طبقات ناصری ناطق است بآنکہ سلطان شمس الدین التمش از بزرگ زادگان ترکان قراختائی است و پدر او کہ از قبیلۂ البری ست و بایلم خان اشتہار داشت بکثرت خیل و حشم و تبع معروف و مشہور عصر بود" (ج ۱، ص ۶۴، نولکشور پریس)

مگر طبقات ناصری کا جو مطبوعہ نسخہ ہے، اس میں التمش کے ذکر میں صرف اتنا ہے کہ

"از قبائل البری ترکستان" (ص ۱۶۵، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)

رکھتا تھا، ایلم خان کی یہ محبت اس کے دوسرے بیٹوں کو اچھی نہ معلوم ہوئی، اور انھوں نے التتمش کے ساتھ وہی سلوک کیا جو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا تھا، التتمش کے بھائیوں اور بھتیجوں نے اس یوسفِ ترکستان کو گلہ بانی اور شکار کے بہانہ دور دراز باغ وصحرا میں لے جاکر ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا، سوداگر اس کو بخارا لے گیا، جہاں اس شہر کے صدر جہان کے ایک عزیز نے اس کو خرید لیا، یہ خاندان اپنی بزرگی اور مذہبی فضیلت کے لحاظ سے ممتاز تھا، یہاں التتمش اپنے آقا کے لڑکوں ہی کی طرح پرورش پاتا رہا، اس نے بھی اپنے آقا کی خدمت گزاری میں غیر معمولی اخلاق و دیانت کا ثبوت دیا، اس زمانہ کا ایک واقعہ طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ صدر جہان کے خاندان کے کسی فرد نے التتمش کو ایک قراضہ بازار سے انگور لانے کو دیا، راستہ میں یہ قراضہ گم ہوگیا، وہ بیٹھ کر رونے لگا، رو رہا تھا کہ ایک درویش اس کے پاس پہنچا، اس نے اس پر شفقت کی، اور اس کو انگور خرید کر دیدیا، اور اس سے یہ وعدہ کرایا کہ جب اس کو دولت اور ملک حاصل ہو تو فقرا، اور اہل خیر کی تعظیم میں لگا رہے گا اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرلیگا، التتمش نے یہ وعدہ کیا، اور جب وہ دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس کو یہی خیال رہا کہ اس کو دولت اور سلطنت اسی درویش کی بدولت ملی ہے[۱]

تقدیر نے اس کو صدر جہان کے خاندان سے بھی جدا کیا، اور بخارا کے ایک سوداگر حاجی بخاری نے اس کو خریدا، جس نے اس کو ایک دوسرے سوداگر حاجی جمال الدین چست قبا کے ہاتھوں فروخت کیا،[۲] اپنے اسی آقا کی معیت میں وہ بغداد پہنچا، جہاں وہ کچھ دنوں مقیم رہا، بغداد اس وقت جلیل القدر مشائخ و علماء کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے فیوض و برکات کے چشمے جاری تھے، التتمش اپنی صغر سنی کے باوجود ان تمام بزرگان سلسلہ کے حلقہ میں حاضر ہوتا رہا، حضرت خواجہ

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۶۷، تاریخ فرشتہ جلد ا ص ۶۶ [۲] طبقات ناصری ص ۱۶۸-۱۶۷ فرشتہ جلد اول ص ۶۴، طبقات اکبری جلد اول ص ۵۶۔

قطب الدین بختیار کاکیؒ فوایدالسالکین میں التمش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بغداد میں ایک روز حضرت خواجہ معین الدین، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین ایک ساتھ کہیں تشریف فرما تھے، وہ بھی اس مجلس میں شریک تھے، پرانے زمانے کے اولیاء اللہ پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک بارہ سال کا لڑکا ادھر سے گزرا، تمام بزرگوں کی نظریں اس پر اٹھ گئیں، حضرت خواجہ معین الدین کی زبان مبارک سے فوراً یہ نکلا کہ

"این کودک بادشاہ دہلی خواہد شد، وحق اورا از جہان نبرد تا بپادشاہی نرساند"

(فوائدالسالکین مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۶)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بھی شمس الدین التمش کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"او خدمت شیخ شہاب الدین سہروردی را و شیخ اوحد کرمانی را رحمۃ اللہ علیہم دریافتہ بود و یکے ازیشاں گفتہ بود کہ تو بادشاہ خواہی شد" (فوائد الفواد ص ۲۱۲، لکھنؤ اڈیشن)

سیر العارفین میں ہے کہ ایک بار التمش شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں حاضر ہوا، اس وقت شیخ اوحد الدین کرمانی بھی وہاں موجود تھے، التمش نے چند فرائض کمر سے کھول کر شیخ الشیوخ کے سامنے رکھے اور دعاؤں کا طلبگار ہوا، شیخ الشیوخ نے فاتحہ پڑھکر زبان مبارک سے فرمایا "اس شخص کے چہرہ سے انوار سلطنت چمکتے نظر آتے ہیں" شیخ الشیوخ اوحد الدین کرمانی نے بھی التمش کو مخاطب کر کے کہا تمھاری برکت سے تمھاری دنیاوی سلطنت میں تمھارا دین بھی سلامت رہے گا۔[1]

بغداد ہی میں ایک بار اس کے آقا کی قیامگاہ پر اہل حال درویش مدعو تھے، جن میں حضرت قاضی

[1] سیر العارفین ج ۱ ص ۲۸، اردو ترجمہ، اس تذکرہ میں یہ روایت طبقات ناصری کے حوالہ سے درج ہے لیکن میرے پیش نظر نسخہ طبقات ناصری میں یہ روایت مذکور نہیں،

حمید الدین ناگوری بھی تھے، ان درویشوں کے لیے مجلس سماع منعقد کرائی گئی، یہ مجلس رات بھر رہی، التمش مجلس کی شمع کو روشن رکھنے کی خاطر تمام رات سرِ شمع کو وقتاً فوقتاً قینچی سے کاٹتا رہا، درویشوں کو اسکی یہ خدمت پسند آئی، اور انھوں نے اس پر ایسی نظر ڈالی کہ مورخوں کا بیان ہے کہ اسی کی بدولت وہ ایک سلطنت کا مالک بن گیا،[1]

کچھ عرصہ کے بعد حاجی جمال الدین نے التمش کو قطب الدین ایبک کے ہاتھوں فروخت کر دیا، ایبک نے اس کو اپنے لڑکے کی طرح اپنے ساتھ رکھنا شروع کیا، التمش نے ایبک کی خدمت میں ایسی غیر معمولی ذہانت اور طباعی کا ثبوت دیا، اس لیے وہ مختلف عہدوں پر فائز ہو کر جلد ترقی کرتا گیا، پہلے وہ سرجاندار مقرر ہوا، پھر امیر شکار بنایا گیا، اور جب گوالیار فتح ہوا تو یہاں کا امیر مقرر کیا گیا، جہاں اس نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کی بھی خوبیاں دکھائیں، میدان جنگ میں بھی اس نے اپنی شجاعت اور نبرد آزمائی سے نمایاں کارنامے انجام دیے، چنانچہ اپنی بہادری ہی کے صلہ میں گوالیار سے برن کے نظم ونسق کیلئے بھیجا گیا جس کے بعد وہ بدایوں کے مقطع کے عہدہ پر مامور ہوا، بداؤن کے قیام کے زمانے میں اس سے ایک ایسا غیر اختیاری فعل سرزد ہوا کہ اس کا حوالہ حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے ملفوظات میں بھی دیا ہے، ایک روز التمش چوگان کھیلنے کے لیے باہر نکلا، راستہ میں ایک بہت ہی ضعیف و نحیف فقیر ملا، اس نے التمش سے بھیک مانگی لیکن التمش اس کو کچھ دیے بغیر آگے بڑھ گیا، فوراً ہی ایک توانا

---

[1] فتوح السلاطین، مدراس اڈیشن ص ۱۱۹، طبقات اکبری میں ہے کہ بغداد میں التمش کے آقا کے یہاں ہر شب رات کو مجلس سماع منعقد ہوتی تھی، التمش سراپا خدمت بنکر اس مجلس میں حاضر رہتا اور سماع کے دوران میں رویا کرتا تھا، اسکے بعد طبقات اکبری میں ہے۔

"چون خدمت ملک التمش درویشان را خوش آمد، نظرہا بروے انداختند، حضرت حق سبحانہ تعالی برکت

ان نظر او را بدرجہ سلطنت رسانید (ج ۱ ص ۶۲) نیز دیکھو فرشتہ ج ۱ ص ۶۷۔

تندرست سائل ملا جس نے التمش کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلایا بھی نہیں تھا کہ التمش نے اشرفی کی تھیلی کھول کر اس کو خیرات دی۔ یہ خیرات دے کر التمش نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو اس بوڑھے نے مجھ سے مانگا لیکن میں نے اس کو کچھ نہ دیا، اگر میں اس بوڑھے کو کچھ دیدیتا تو یہ اچھا تھا، لیکن دینے والا تو خدا ہے، ہم کون ہیں کہ یہ کہیں کہ ہم نے فلاں کو دیا اور فلاں کو نہیں دیا، خدائے عزوجل جس کو چاہتا ہے دلاتا ہے (فوائد السالکین ص ۳۰) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اس واقعہ اور التمش کے عارفانہ قول کو اپنے مریدوں سے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ

"معطی خداست، چوں خدائے تعالے کسے را بدہد، مانع کرتواند بود" (فوائد الفواد ص ۱۲-۲۱۱)

جب شہاب الدین غوری نے گکھروں کے خلاف فوج کشی کی تو التمش بھی بداؤں سے ایک بڑی فوج لے کر اس کی مدد کے لیے پہنچا، لڑائی شروع ہوئی تو التمش نے اپنی بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے، لشکر میں اس سے زیادہ دلیر اور بہادر فوجی کوئی اور نظر نہ آتا تھا، گھکروں کی فوج دریائے جھلم کے اس پار تھی، شہاب الدین غوری کے لشکریوں کا کوئی قابو غنیم پر چل نہیں رہا تھا، لیکن التمش نے برگستوان پہنے اپنا گھوڑا مردانہ وار دریا میں ڈال دیا، اور دریا پار کر کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، اور اس کی تلوار نے ہزاروں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، التمش کی اس جرأت اور بہادری کا نظارہ شہاب الدین غوری نے بھی کیا، اور جب گکھر پسپا ہو کر فرار ہو گئے تو شہاب الدین غوری نے التمش کو طلب کر کے شاہی انعامات عطا کیے اور قطب الدین ایبک کو مخاطب کر کے کہا

"التمش را نیکو داری کہ از وے کارے خواہد آمد"[1]

اور ایبک سے اس بات کی بھی سفارش کی کہ خط آزادی لکھ کر التمش کو آزاد کر دے، قطب الدین نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی، اسی کے بعد اس نے امیر الامرا کا خطاب پایا، ایبک نے اپنی لڑکی کو بھی اس کے

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۰ - ۱۶۹

حبالۂ عقد میں دیا[1]، تمام اعیان سلطنت اس کی دینداری، سپہگری اور نظم و نسق میں اس کی بیدار مغزی کے معترف ہوتے گئے، اور جب قطب الدین کا انتقال ہوا، اور آرام شاہ حکمرانی کے لیے موزوں ثابت نہ ہوا تو ارباب حل و عقد نے التتمش ہی کو تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی۔

بادشاہ بنا تو ایک نئی سلطنت کی جڑ مضبوط کرنے میں منہمک رہنے، مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق کو بہتر بنانے اور بڑی سی بڑی فوجی مہم کی رہنمائی کرنے کے باوجود صوفیہ، علماء، فضلاء اور شعراء کی مجلسیں بھی یکساں طور پر گرم رکھیں۔

**مشائخ سے عقیدت** بادشاہت کے زمانے میں التتمش درویشوں خصوصاً بزرگان چشت کا اور بھی زیادہ معتقد اور گرویدہ ہو گیا، تذکروں میں ہے کہ اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔

مراۃ الاسرار میں ہے،

"سلطان شمس الدین مرید پاک اعتقاد خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی بود۔"[2]

خزینۃ الاصفیا میں ہے

"از خلفائے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است۔" (ج ا ص ۲۷۶)

اسی تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ

"او (یعنی سلطان التتمش) از محبوبان و نظر منظوران خواجہ معین الدین سجزی بود و کمال اعتقاد بخدمت اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد۔"

**التتمش اور حضرت عثمان ہرونی** اگر ہم گنج اسرار کو حضرت خواجہ معین الدین کی تصنیف تسلیم کر لیں تو پھر اس کی روایت کے مطابق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان ہرونی نے ۶۱۲ھ میں جب دہلی میں

---

[1] فرشتہ ج ا ص ۶۵ [2] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، نیز دیکھو سبع سنابل ص ۲۳۴

نزول اجلال فرمایا تو التمش نسبت اعلیٰ حاصل کرنے کے لیے ان سے بھی بیعت ہونے کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ عثمان نے اس کو "طالب صادق" اور انسان کامل پایا، اور اس کو کلاہ ارادت عطا فرمائی، کنجل اسرار میں ہے کہ التمش نے حضرت خواجہ عثمانی کی صحبت میں رہ کر علم لدنی اور معرفت باطن کے تمام رموز حاصل کیے، اصلی الفاظ ملاحظہ ہوں :

"خلیفہ دہلی مدت از صحبت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ رموزات تلقین ارشادات وحروف ہائے لدنی واستقامت معرفت باطن واطاعت وپاسبانی عالم جبروت وملازمت عبادات خفیات وتلاوت حفظ قلوب باطن بدل وجان گرفت۔"

حضرت خواجہ عثمان ہرونی نے التمش کے دل کو غیر اللہ اور نفسانی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے مرید کامل حضرت خواجہ معین الدینؒ کو ایک رسالہ لکھنے کا بھی حکم دیا، اسی حکم کی تعمیل میں حضرت خواجہ معین الدین نے کنجل اسرار نامی رسالہ لکھکر شمس الدین التمش کے پاس بھجوایا،[1] کنجل اسرار کے دیباچہ میں ہے کہ

"مصنف بحکم فرمان خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ مدتے برائے تصنیفات ملفوظات از تعبرات معانی آیات وحدیثات حضرت رسالت مآب وتعریفات وقول مشائخ دریافتن معانی اسرار حقیقت بروایت صحیح از ہفتاد وچند نسخہائے سلوک برائے استفہام سالکان متعدد

---

[1] اسکو حضرت خواجہ کی تصنیف تسلیم کرنے میں اسلیے تامل ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی خیر المجالس میں فرماتے ہیں :

"میرے حضرت پیرومرشد سلطان الاولیاء قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اس واسطے کہ حضرت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرہ میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔" (اردو ترجمہ ص ۳۵)

لیکن ممکن ہے کہ کنجل اسرار کا شمار تصنیف میں نہ کیا گیا ہو، بلکہ پند ونصائح کا محض ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہو۔

طالبان راہ حقیقت آغاز بتاریخ دہم ماہ محرم احدی ثنین دستمایۂ ۶۲۱ھ کردم، واین ملفوظات را برسبت دپنج معرفت جمع آوردم و گنج الاسرار (کنجل الاسرار) نام نہادم وبخدمت سلطان شمس الدین رسانیدم چنانچہ سلطان مذکور از دریافتن رموزات ملفوظات سالک راہ گشت وبہ عنایت اللہ تعالیٰ عنقریب الایام بکشف وکرامات کمالیت یافت ویکے از واصلان گشت"

**التمش اور حضرت خواجہ معین الدینؒ** سلطان شمس الدین التمش کو جو روحانی مدارج حاصل تھے، اور اس سے حضرت خواجہ کو جو روحانی لگاؤ تھا، شاید اسی بنا پر ایک بار ان کو اجمیر سے چل کر دہلی مین آکر سلطان سے ملنے میں تامل نہ ہوا۔ ان کے صاحبزادوں کے قبضہ میں اجمیر کے پاس ایک گاؤں تھا، وہاں کے مقطع نے لگان مقرر کرنے میں ان کو کچھ زیادہ تنگ کیا، تو انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ وہ دہلی جاکر سلطان سے ایک فرمان لے آئیں، حضرت خواجہ نے اپنے صاحبزادوں کی خاطر دہلی کا سفر کیا، اور جب وہ اپنے مرید حضرت خواجہ بختیار کاکی کے پاس پہنچے اور ان کو اپنے مرشد کی تشریف آوری کی وجہ معلوم ہوئی تو انھوں نے مرشد کو سلطان کے پاس جانے سے روک دیا، اور خود سلطان کے یہاں قدم رنجہ فرمایا، وہ کبھی سلطان کے پاس نہیں گئے تھے، حالانکہ سلطان اس کا برابر متمنی رہا، سلطان اپنے مرشد کو اپنے یہاں دیکھکر متعجب ہوا، اور جب اس کو معلوم ہوا کہ انھوں نے کس لیے زحمت فرمائی ہے تو اسی وقت ایک فرمان لکھا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی بھی پیش کی،[۱]

۲۹۷
[۱] سیر الاولیاء ص ۵۳، اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عہد شاہجہانی کے تذکرہ مرأۃ الاسرار کے مولف نے لکھا ہے (ص)

"اس واقعہ کے ساتھ ایک بڑا نازک نکتہ ہے، اس پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ سلطان شمس الدین خواجہ قطب الاسلام کا مرید تھا، اگر خواجہ بزرگ کا کوئی خادم ہی اس کے پاس چلا جاتا تو سلطان اسی کو اپنے دونوں جہان کی سعادت مندی سمجھتا اور فرمان درست کرکے بھیجدیتا، لیکن کامل اولیاء اللہ بیشتر جاہ اور مشیخت کو ترک کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ اور اپنے کو لوگوں کی نظروں میں حقیر دکھاتے رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کمالات کے خرید وفروخت

(باقی ص ۶۹ پر)

اسی آمد کے موقع پر حضرت خواجہ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے دہلی کے تمام خواص و عوام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن ان کے پیر بھائی نجم الدین صغری[1] ان سے ملنے نہ آئے، جن کو التتمش نے شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کر رکھا تھا، حضرت خواجہ خود ان سے ملنے گئے، اس کے باوجود نجم الدین صغری ان سے گرم جوشی کے بجائے سرد مہری سے ملے، حضرت خواجہ نے یہ محسوس کرکے ان سے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ جب سے ان کے حکم سے قطب صاحب دہلی میں مقیم ہیں، یہ شیخ الاسلام کی عزت و وقعت باقی نہیں رہی ہے، حضرت خواجہ نے ان کے بار خاطر کو دور کر دینے کا یقین دلایا، اور قطب صاحب کے پاس آکر ان کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، یہ حکم سن کر دہلی کے تمام باشندے ششدر رہ گئے، خود التتمش دم بخود تھا، لیکن اپنے شیخ الاسلام سے باز پرس کرنے کے بجائے اس نے حضرت خواجہ سے اس حکم کو بدل دینے پر بڑی منت و زاری کی لیکن حضرت خواجہ نے اس کی بات نہ مانی، جب دونوں بزرگانِ دین دہلی سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ شہر دہلی معرفت کے آفتاب و ماہتاب کی تجلیوں سے محروم ہو رہا ہے، ہر طرف کہرام مچ گیا، تمام اہل شہر ان

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) کے لیے خود ہی بازار تشریف لیجاتے، اس کے علاوہ اولیاء اللہ کا کام راستی اور دیانت ہے، اگر وہ کسی شخص سے ضرورت اور حاجت رکھتے ہوں تو وہ اسکو کس لیے چھپائیں، اور اپنے ناموس کا لحاظ کس مصلحت سے کریں، کیونکہ حق تعالیٰ تو ل کا دیکھنے والا ہے، عارفوں کے نزدیک لوگوں کے ظاہری مراسم اور ان کا برا بھلا کہنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، خواجہ کا امیر کے پاس حاجت لیکر جانا انکے مریدوں کیلیے رحمت تھی، تاکہ ان میں سے کوئی ایسے کام سے انکار نہ کرے اور شیخ بن جانے کے زنبہ پر نازنہ کرے، اصل تو یہ ہے کہ یہ گروہ اپنے حال پر مامور رہتے ہیں اور اپنے اختیار کو درمیان میں نہیں لاتے، جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

عشق آمد چوں خونم اندر رگ و پوست   تا کرد تہی مرا و پر کرد ز دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت   نامے است ز من بر من و باقی ہمہ اوست

[1] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۷۳

دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلے، ان ہی کے جلو میں سلطان التتمش بھی تھا، قطب صاحب کی ذات سے لوگوں کی شیفتگی و فریفتگی کا یہ حال تھا کہ جس جگہ وہ قدم مبارک رکھتے تھے، لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اٹھا لیتے تھے، اور اس فراق پر عاشقِ زار کی طرح آہ و بکا کرتے تھے، حضرت خواجہ نے یہ منظر دیکھا تو ارشاد فرمایا بابا بختیار تم یہیں رہو، تمھارے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب رہے گا، جو مجھکو پسند نہیں، اس فیصلہ سے دہلی کے لوگ خوشی میں پھولے نہ سمائے، خود سلطان التتمش نے خوشی میں بڑھ کر حضرت خواجہ کے قدم چومے، اور قطب صاحب کے ساتھ خوش خوش دہلی واپس آیا،[۱]

**التتمش اور حضرت بختیار کاکیؒ** قطب صاحب سلطان التتمش سے قریب بھی رہے اور دور بھی اور یہ قربت و دوری کی عجیب و غریب مثال ہے، وہ التتمش کو عزیز رکھتے تھے، لیکن اس کے جاہ و حشمت اور مال و منال سے رتی برابر بھی فائدہ اٹھانا شان درویشی کے خلاف سمجھتے تھے، ان کے گھر میں فاقہ پر فاقہ ہوتا، لیکن اس کی خبر التتمش کو ہونے نہ پاتی، التتمش نے اپنے حاجب اور وزیر کے ذریعہ کئی بار اس کی کوشش کی کہ وہ کچھ گاؤں قبول فرمالیں، لیکن ہر بار انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، اور فرماتے کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے، اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے،[۲] التتمش کو اپنے مرشد کی اس شان بے نیازی میں طرح طرح کے جلوے نظر آتے، اسی لیے اس نے اپنی شاہانہ شوکت و سطوت کے باوجود ان کے آستانہ کی جبین سائی کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کیا،

مراۃ الاسرار میں ہے کہ

"خواجہ قطب الاسلام ..... چون در شہر دہلی رسید سلطان شمس الدین مقدم اورا

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۵۵ - ۵۴، سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۵۳ - ۵۰، خزینۃ الاصفیا ج ا ص ۲۷۳

[۲] راحت القلوب ص ۳۲، فوائد السالکین ص ۲۵، سیر الاولیا ص ۵۳،

سعادت مندی وادین خود دانستہ از کمال اخلاص وارادۂ صادق بخدمت پیوست، ودر ہفتہ یک بار برائے زیارت خواجہ می آمد"۔ (قلمی نسخہ دارالمصنفین ج ۱ ص ۳۰۹)

سلطان ان سے عرفان و طریقت کی علمی و عملی تعلیم آخر عمر تک حاصل کرتا رہا۔[1]

قطب صاحب کے ملفوظات فوائد السالکین میں بھی التتمش کا ذکر بار بار اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے، ایک جگہ فرمایا

"آن مردیکے از واصلانِ حق بود"۔ (ص ۲۷)

التتمش کو ان سے جو غیر معمولی عقیدت تھی، اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ایک رات وہ (یعنی التتمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ مجھکو کب تک تکلیف پہنچاتے رہوگے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا اپنی عنایت سے آنجے رب العزت سے مجھ کو مملکت تو دلادی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت واپس گیا جب کہ میں نے اس کی بات قبول کی" (فوائد السالکین ص ۲۹)

بزرگان دین کی دعاؤں اور خواجگان چشت کی تعلیمات کی وجہ سے التتمش ویسا ہی مسلمان فرمانروا ہوا جیسا اس کو ہونا چاہیے تھا، قطب صاحب خود ہی فرماتے ہیں۔

---

[1] موجودہ دور کے اصحاب تحقیق نے یہ بھی بتایا ہے کہ التتمش نے اپنے مرشد سے انتہائی عقیدتمندی کا اظہار کرنے کی خاطر دہلی میں وہ مینار بنانا شروع کیا جو قطب صاحب کی لاٹ کے نام سے مشہور ہے، اور دنیا کا بلند ترین مینار سمجھا جاتا ہے، اس کی اونچائی ۲۳۸ فٹ ایک انچ ہے۔ نیچے میں اس کا قطر ۴۷ فٹ ۱۳ انچ اور اوپر قطر تقریباً ۹ فٹ ہے۔

شاید حضرت خواجہ معین الدین سے اظہار عقیدت ہی کی خاطر اجمیر میں سلطان نے سنگ سرخ کی ایک عالیشان مسجد بنوائی جو ڈھائی دن کے جھونپڑا کے نام سے مشہور ہے کہ یہ مسجد ڈھائی دن میں بنائی گئی، اسی لیے اسکا یہ نام رکھا گیا لیکن یہ قرین قیاس نہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسجد میں ڈھائی دن اکابر قیام کرتے ہیں، اس لیے اس نام سے مشہور ہوئی، یہ مسجد محمد عارف کے اہتمام میں علی احمد معمار نے تیار کی، اس کی دائیں محراب پر ۶۱۴ھ تاریخ تعمیر مرقوم ہے۔ بدایوں اور قصبۂ منڈوار (ضلع بجنور) کی وسیع جامع مسجدیں التتمش ہی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

"اس کا یعنی التتمش کا عقیدہ صحیح تھا، وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھ کر وضو کرتا اور مصلے پر جا بیٹھتا، اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے۔ رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو، اور کسی شخص کو ساتھ لیکر باہر نکل جاتا، اسکے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، اس کے حالات پوچھتا، اور اس کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا، اور ان مقامات کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح سے معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دیکر تلقین کرتا کہ جب اس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ یہاں آکر عدل وانصاف کی زنجیر جو باہر لٹکی ہوئی ہے ہلائیں تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔" (فوائد السالکین ص ۲۹ - ۲۸)

فوائد السالکین کے مذکورۂ بالا طویل اقتباسات کی تائید فوائد الفواد سے بھی ہوتی ہے جبکہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے سلطان التتمش کا ذکر کرتے ہوئے اس کے مذہبی عقائد سے متعلق کوئی حکایت بیان فرمائی، مرتب فوائد الفواد نے یہ حکایت تو نقل نہیں کی ہے لیکن اسی کو مختصر مگر جامع جملہ میں اس طرح لکھا ہے۔

"بعد از ان عقیدہ او (یعنی التتمش) حکایت فرمود کہ شبہا بیدار بودے و ہیچ کس را بیدار نہ کردے۔" (ص ۲۱۳)

مورخوں میں عصامی نے اپنی منظوم تاریخ فتوح السلاطین میں بھی اس کو "صاحب ولایت"، "پارسا"، "صاحب شرع فرمانروا"، "غم خوار دین"، "خسرو دین پناہ"، "خسرو پاک دین" اور "خوش نفس" وغیرہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے[1]، خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتہ نے بھی لکھا ہے کہ

"سلطان شمس الدین بر طاعت و عبادت مولع بود، روز ہائے جمعہ بمسجد رفتے و بادائے فرائض و نوافل قیام نمودے"[2]

بعد کے تذکرہ مراۃ الاسرار میں ہے

"سلطان شمس الدین کو پاک نہاد بود کہ از آب مہربانی خواجہ قطب پرورش و زندگی داشت، بادشاہ عادل و رحم دل و یکے از اولیائے حق بود" (قلمی نسخہ دار المصنفین)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی سلطان التمش کا ذکر جابجا بہت ہی عزت و احترام اور لطف و محبت سے کیا ہے، بلکہ اس کے بعض قول اور فعل کو بطور نصیحت اپنے مریدوں کے سامنے نقل بھی کیا ہے[3]، اور جب سلطان کا انتقال ہوا تو انھوں نے حسب ذیل شعر میں اس کی وفات کی تاریخ بھی قلمبند کی[4]۔

| | |
|---|---|
| نماند شاہ جہان شمس دین عالمگیر | بسال شش صد وسی و سہ بود کہ از ہجرت |

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ہی کی روایت ہے کہ سلطان کی وفات کے بعد لوگوں نے اسکو

---

[1] فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۱۱۹ - ۱۱۷ [2] تاریخ فرشتہ ج اول ص ۶۷، طبقات اکبری ج ا ص ۶۳

[3] مثال کے لیے ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۲ - ۲۱۱، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی یہ بھی روایت ہے کہ التمش کے سامنے آم پیش کیے گئے تو ان کو کھا کر خوش ہوا، پوچھا کہ اس پھل کا نام کیا ہے، بتایا گیا "انب"، انب ترکی میں ایک بری چیز کو کہتے ہیں، اس لیے اس نے کہا اس کا نام نغزک رکھا جائے، اور یہی نام مشہور ہوا۔

[4] فوائد الفواد ص ۱۵۶، سیر الاولیاء ص ۵۶

خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا، تو اس نے جواب دیا کہ میری بخشایش میرے حوض کی بدولت ہوئی[1]، حوض سے مراد حوض شمسی ہے، جس کو سلطان نے ۶۲۷ھ میں تعمیر کیا تھا، یہ حوض دو پہاڑوں کے بیچ میں واقع تھا، تمام شہر کو میٹھا پانی یہیں سے دستیاب ہوتا تھا، حوض کے بیچ میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، جس پر ایک عمارت بھی قائم تھی، شہر کے لوگ تفریح کیلئے اس پر فضا مقام پر جمع ہوا کرتے تھے، اسی حوض کے متعلق امیر خسرو قران السعدین میں رقمطراز ہیں:

| | |
|---|---|
| در کمرِ سنگ میانِ دو کوہ | آب گہر صفوت و دریا شکوہ |
| ساختہ سلطان سکندر صفات | در سدِ کوہ آئینہ ز آب حیات |
| تا خضر آب خوش او نوش کرد | آب خوش چشمہ فراموش کرد |
| شہر گراز دے نبود آب کش | کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش |
| آب کہ علت ز برائے تری ست | تری آن آب ز علت بری ست |
| در نخورد آب دے اندر زمین | کے بزمین در خورد آبے چنین |
| در تہ آبش ز صفا ریگِ خرد | کو رتواند بدلِ شب شمرد |
| موج بلندش کہ رسد تا بماہ | باز دہد آب با بر سیاہ |
| سیل دے آہنگ بہ کہسار کرد | کوہ بہ تر دامنی اقرار کرد |
| چو مد و جزرش ز نشیب و فراز | ز آب ز کوہ آمدہ و رفتہ باز |
| چو ترہ و قصر بلندش در آب | گشت از ان ساغر صافی حباب |
| رود دلے زو شدہ تا آب چون | چون ز پلے آب از دجبتہ عون |
| گرد دے از اہل تماشا گروہ | دامن خیمہ شدہ دامان کوہ[2] |

[1] فوائد الفواد ص ۱۱۹ [2] قران السعدین، علی گڈھ اڈیشن ص ۳۲-۳۳

فوائد السالکین میں قطب صاحب اس حوض کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب سلطان شمس الدین نے اس کے بنوانے کا ارادہ کیا تو ارکان سلطنت کے ساتھ زمین تلاش کرنے کو نکلا، اور جب اس جگہ پہنچا جہاں پر کہ اب حوض ہے تو اسی سرزمین پر حوض کے کھدوانے کا ارادہ کیا، محل واپس آیا تو رات کو نماز پڑھ کر مصلّے ہی پر سوگیا، خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہین گھوڑے پر سوار ہیں، وہ آپ کے سامنے جاکر گر پڑا، اور جب اٹھا تو گھوڑے نے زمین پر ٹھوکر ماری جس سے پانی نکلنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی جگہ حوض بنواؤ، چنانچہ اس نے اسی حکم کی تعمیل میں اسی جگہ حوض کھدوایا، جس کا پانی بہت ہی شیریں نکلا[1]، قطب صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس حوض کو دو برکتیں حاصل ہوئیں، ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی برکت تھی، دوسری یہ کہ یہاں بڑے بڑے بزرگان دین محو خواب ابدی تھے اور پھر اشکبار ہوکر اس آرزو کا بھی اظہار کیا، کہ

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۸، نظام الدین احمد نے طبقات اکبری اور فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں یہ روایت نقل کی ہے، اور دونوں مورخوں نے اس کی ابتدا ان جملوں سے کی ہے،

"در ملفوظ خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کہ جامع آن شیخ فرید شکر گنج ست قدس سرہما

آوردہ کہ سلطان را ہوائے ساختن حوض درسر افتاد . . . . ."

لیکن ان دونوں تاریخوں اور فوائد السالکین کے موجودہ نسخہ کی روایتوں میں کچھ جزوی اختلافات ہیں مثلاً طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ حوض کھدوانے سے پہلے شمس الدین نے قطب صاحب سے اجازت لی، طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں یہ بھی ہے کہ جب شمس الدین خواب سے بیدار ہوا تو کچھ رات باقی رہ گئی تھی لیکن وہ اسی وقت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور انکو اپنے ساتھ اس جگہ لے گیا، اور دونوں نے تاریکی میں چراغ سے دیکھا کہ زمین سے پانی ابل رہا ہے، (طبقات اکبری ص ۶۲) فوائد السالکین کے موجودہ نسخہ میں ہے کہ سلطان نے صبح کو اس زمین کو جاکر دیکھا تو پانی بہہ رہا تھا، فرشتہ نے اس روایت کو نقل کرکے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حکایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اور مشائخ کے ملفوظات میں بھی مذکور ہے (جلد ا ص ۶۶)

"ما نیز امید داریم کہ ہم بہ نزدیک این حوض مسکن خواہیم ساخت [۱]"۔ (ص ۲۸)

قطب صاحب کا وصال شمس الدین التتمش سے چند ماہ پیشتر ہوا، یعنی قطب صاحب نے ۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۳۳ھ میں رحلت فرمائی، اور التتمش ۲۰ شعبان سنہ ۶۳۳ھ میں عالم جاودانی کو سدھارا، بعض تذکرہ نویس نے لکھا ہے کہ قطب صاحب نے وصال سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو ہمیشہ عفیف رہا ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، نماز جنازہ کے وقت جب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو التتمش نے بھی اس کو سنا اور سنکر تھوڑی دیر خاموش رہا کہ شاید کسی بزرگ کو یہ سعادت حاصل ہو لیکن جب کسی نے امامت کے لیے سبقت نہیں کی تو یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ میری خواہش تو یہی تھی کہ میرے حال سے کسی کو واقفیت نہ ہو، لیکن خواجہ کے حکم کے آگے کوئی چارہ نہیں، پھر جنازہ کی نماز پڑھائی اور ایک طرف تو اپنے کاندھے پر جنازہ اٹھایا اور بقیہ تین طرف اولیاء اللہ اپنے اپنے کاندھوں پر قطب صاحب کے جسد مبارک کو مدفن تک لے گئے، [۲]

---

[۱] ابن بطوطہ نے محمد تغلق کے عہد میں آکر اس حوض کو دیکھا تو اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اہل شہر اس کا پانی پیتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ بھی اسی کے قریب ہے، اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے، طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے، اور اس کے غربی طرف عیدگاہ کیجانب پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں، جو چبوتروں کی شکل میں ہیں، اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں، چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترہ کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے جس میں تماشائی بیٹھکر سیر کرتے ہیں، اور حوض کے وسط میں منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے، یہ گنبد دو منزلہ ہے، جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھکر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں، جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں، اس کے اندر ایک مسجد ہے، اکثر زاہد اور متوکل وہاں جاکر رہتے ہیں، (سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۵۰)

[۲] خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۲۷۵

**التمش اور دوسرے مشائخ** مصلحت خداوندی سے ہندوستان کو نور اسلام سے منور ہونا تھا، اسلیے التمش کے عہد میں ممالک اسلامیہ سے بکثرت مشائخ وصلحا یہاں آئے، التمش ان میں سے ہر ایک سے غایت تعظیم و تکریم سے پیش آتا، جب حضرت جلال الدین تبریزی دہلی تشریف لائے تو التمش نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جاکر ان کا استقبال کیا، اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے نیچے اتر آیا، اور ان کو آگے کرکے خود ان کے پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، دوسرے دن جب حضرت جلال الدین تبریزی قطب صاحب سے ملنے ان کی خانقاہ کو روانہ ہوئے، تو قطب صاحب بھی اپنی خانقاہ سے نکل کر گلیوں میں سے ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو چلے، راستے میں قران السعدین ہوا،[۱] التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھا تو ان کا اور بھی معتقد ہو گیا، لیکن سلطان کی یہ عقیدت شیخ الاسلام کو پسند نہ آئی، اور انھوں[۲] نے شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو لالچ دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگوایا، اور سلطان کے یہاں فریاد کرائی، سلطان سن کر ششدر رہ گیا، وہ جانتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے، لیکن بادشاہ ہونے کے باوجود اپنے کو شرعی قانون کے سامنے بے بس اور معذور پایا، مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات کرانا ضروری تھا، اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، اور اس محضر میں ہندوستان کے دو سو علماء و صلحاء و ائمہ جمع ہوئے، حکم حضرت بہاء الدین زکریا بنائے گئے[۳]، جب حضرت جلال الدین تبریزی محضر میں ملزم کی حیثیت سے آئے تو سارے

---

[۱] سیر العارفین ج ۲ ص ۳۲ و ۳۱ [۲] شیخ نجم الدین صغری نے حضرت جلال الدین تبریزی پر جو الزام لگائے، ان کی تفصیلات فوائد السالکین اور سیر العارفین میں تھوڑے سے اختلافات کے ساتھ درج ہیں، سیر العارفین میں تفصیل زیادہ ہے۔ فوائد السالکین (ص ۳۰) میں اس جھوٹے الزام کی نوعیت یہ ہے کہ "نظر بر امارد دارد" [۳] فوائد السالکین میں ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا کو حضرت جلال الدین تبریزی ہی نے حکم بنایا، لیکن سیر العارفین ہے کہ نجم الدین صغری نے انکو حکم بنایا۔

علما، مشائخ اور ائمہ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت جلال تبریزی نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں[۱]، سلطان التمش یہ دیکھ کر متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی تعظیم و توقیر کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین کے معصوم ہونے کی دلیل ہے، اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہی لیکن شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیوں کہ وہ میرے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے، لیکن یہ تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈالنا نہیں چاہتا، ان پر جو الزام ہے اس کی باضابطہ تحقیق ہو گی، جب مطربہ بلائی گئی تو اس نے اعتراف کیا کہ نجم الدین صغری کے ورغلانے پر اس نے یہ جھوٹا الزام رکھا تھا حضرت جلال الدین کی معصومیت ثابت ہو گئی تو سلطان نے کذب و بہتان کے جرم میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر دیا اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے اس عہدہ کے قبول کرنے کی استدعا کی، انھوں نے قبول فرمایا، اور ایک بڑی مدت تک یہ عہدہ ان کے خاندان میں رہا[۲]،

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے فوائد الفواد میں ایسی کئی روایتیں بیان کی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان شمس الدین مشائخ و صلحاء کا خیر مقدم بڑے احترام سے کرتا حضرت شیخ بدرالدین غزنوی

---

۱ فوائد السالکین میں ہے کہ حضرت جلال الدین کے محضر میں آنے اور بیٹھ جانے کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا تشریف لائے، اور ان کی نظر حضرت جلال الدین کی جوتیوں پر پڑی، تو ان کو زمین پر سے اٹھا کر چوما اور سر آنکھوں پر رکھا، سلطان شمس الدین نے یہ توقیر دیکھی تو حضرت جلال الدین سے معذرت کا خواہاں ہوا، اور محضر کی کارروائی روک دی لیکن سیر العارفین کچھ اور تفصیل ہے جس کو ہم اوپر نقل کر رہے ہیں ۲ سیر العارفین ص ۷، ۳ و ۳۶، نیز دیکھو خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۱۸ و ۲۷۹،

نے جو بعد میں قطب صاحب کے خلیفہ بھی ہوئے، دہلی آکر کسی کام سے التتمش سے ملنا چاہا، تو اوس نے اپنے محل سرا سے باہر نکل کر ان کی پیشوائی کی، ان سے بغل گیر ہوا محل کے اندر لے گیا۔ اور نذرانے بھی پیش کیے۔[1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیا ہی کی روایت ہے کہ قاضی قطب الدین کاشانی دہلی تشریف لائے تو ان کو سلطان شمس الدین نے شاہی محل میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی، وہ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ نور الدین مبارک اور قاضی فخر الائمہ بھی موجود ہیں سلطان نے قاضی قطب الدین کاشانی کو دیکھتے ہی سلام کیا، اپنی جگہ سے اٹھ گیا، اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔[2]

عصامی نے فتوح السلاطین میں سلطان التتمش اور قاضی حمید الدین ناگوری[3] کی ملاقاتوں کا ذکر عجیب و غریب لیکن دلچسپ پیرایہ میں کیا ہے، قاضی حمید الدین ناگوری سلطان التتمش سے ملنے آئے تو

بہ تعظیم او شاہ برخاستے　　　　نظر از جمالش بیاراستے

دربار کے مفتیوں کو سلطان کی یہ تعظیم پسند نہ آئی کیونکہ ان کی نظروں میں قاضی حمید الدین ناگوری اس لیے کھٹکتے تھے کہ وہ سماع کے بڑے دلدادہ تھے، اور ان کی وجہ سے یہ بدعت شہر میں تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی، مفتیوں نے سلطان سے اس فتنہ کا سدباب کرنے کی درخواست کی، سلطان نے ان مفتیوں سے اس کے سدباب کی تدبیر پوچھی، انھوں نے قاضی حمید الدین کو محضر میں طلب کرنے کا مشورہ دیا، لیکن انھوں نے یہ بھی التجا کی کہ قاضی حمید الدین محضر میں آئیں تو بادشاہ اپنی طرف سے کسی تعظیم و تکریم کا اظہار نہ کرے، سلطان نے ان کی بات مان لی، یہ محضر دربار ہی میں منعقد ہوا

[1] فوائد الفواد ص ۳۰، سیر الاولیا، ص ۱۶۵ [2] فوائد الفواد ص ۲۳۶ [3] ان کے حالات اس خاکسار راقم کی حقیر تالیف "بزم صوفیہ" میں ملیں گی،

اور جب قاضی حمید الدین تشریف لائے تو سلطان ان کے رخ پر نور کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور اس نے اپنے مفتیوں سے جو وعدہ کیا تھا، بھول گیا، پھر اس نے جس طرح حضرت حمید الدین کی تعظیم کی وہ عصامی کے اشعار ہی میں ملاحظہ ہو،

شہِ شرق چو روئے قاضی بدید | فرود آمد از تخت و اندر دوید
بصد عز و اکرام بنواختش | ابا خویشتن ہم نشین ساختش
بسے بوسہ بر دست قاضی بداد | زبان را بہ پوزش گری بر کشاد

مفتیوں نے یہ دیکھکر سمجھ لیا کہ اب بحث و مباحثہ میں قاضی حمید الدین مجرم قرار نہیں پا سکتے۔ پھر بھی انھوں نے غنا کے متعلق ان سے سوال کیا تو قاضی حمید الدین نے یہ جواب دیا:

حرام است بر سامع اہل قال | مباح است بر سامعِ اہل حال

اور اسی کے ساتھ انھوں نے سلطان کو اس کے بچپن کا زمانہ یاد دلایا کہ بغداد میں ایک بار چالیس درویش جمع ہوئے تھے اور اس موقع پر ایک مجلس سماع منعقد کیگئی تھی جس میں وہ (یعنی قاضی حمید الدین ناگوری) بھی تھے، سلطان اس وقت ایک ادنی خادم کی حیثیت سے درویشوں کی خدمت میں لگا ہوا تھا، اور رات بھر شمع کی لو قینچی سے کاٹ کاٹ کر اس کو روشن کرتا رہا، جس سے تمام درویش اس سے ایسے خوش ہوئے کہ ان ہی کی خوشی اور چاکری کی بدولت آج وہ ہندوستان کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے، حضرت حمید الدین ناگوری کی اس گفتگو کو عصامی نے جس مؤثر انداز میں منظوم کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو،

بگفتا کہ یک شب چہل مرد راہ | بہ بغداد اندر یکے خانقاہ
سماعے بکردند تا صبح دم | در آن جمع من بودم و شاہ ہم
ولیکن شہا من بہ رقص و سماع | ہمی کردم آن قوم را اتباع

تو خود طفل بودی دراں روزگار ولے آن شبت بود اقبال یار
ہمہ شب سر شمع بے گفت کس بریدی بہ مقراض اے خوش نفس
در آن شب ترا ملک ہندوستان بدادند زان جا کہ ہی عارفان[1]

عصامی کا بیان ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوری نے سلطان التتمش کو یہ واقعہ یاد دلایا تو وہ اس قدر متاثر ہوا کہ حضرت حمید الدین کے پاؤں پر جا کر گر پڑا، عصامی نے اسی کے بعد کچھ ایسے واقعات قلمبند کیے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت حمید الدین کے تمام حریف متاثر ہو کر سماع کے قائل ہو گیے[2]۔ تیموری دور کے مورخوں میں خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتہ نے مذکورۂ بالا واقعہ کو اپنی اپنی تاریخون مین ذکر کر کے لکھا ہے،

"بعد ازان (سلطان التتمش) از سماع لذت گرفتے. ونفس درویشان را معتقد بودے"[2]

سیر العارفین مین ہے کہ سلطان شمس الدین کے عہد مین ایک بار بارش نہیں ہوئی تو خشک سالی کی وجہ سے غلہ گران ہو گیا، سلطان نے اپنے ایک معتمد خاص کو دہلی کے تمام مشائخ کے پاس بھیجا کہ استسقاء کی نماز پڑھین، قاضی حمید الدین نے یہ پیام سنا تو سلطان کو کہلا بھیجا کہ محفل سماع منعقد کرائے، اسی مین تمام درویش جمع ہو کر بارش کے لیے دعا کریں گے، سلطان نے ان کے کہنے کے بموجب ایک محفل منعقد کی جس مین تمام ممتاز مشائخ مثلاً شیخ علی سجزی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ احمد نہروالی، شیخ بدر الدین سمرقندی، سید قطب الدین غزنوی، حضرت نظام الدین ابو المؤید غزنوی، شیخ محمود موینہ وغیرہ شریک ہوئے، سلطان نے اس محفل کے لیے فرش فروش کے عمدہ اور پاکیزہ سامان کیے، طرح طرح کے کھانے پکوائے اور خوش گلو قوالون کو جمع کیا، جیسے ہی محفل سماع شروع ہوئی، ویسے ہی قدرت الٰہی سے

---

[1] فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۱۱۹ - ۱۱۷ [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۷، طبقات اکبری ج ۱ ص ۶۳

زور شور کی بارش بھی ہونے لگی۔[1]

سبع سنابل کی ایک روایت ہے کہ ایک بار قاضی حمید الدین اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دونون ساتھ تشریف فرما تھے، کہ سلطان ان کی خدمت مین پہنچا، کچھ اپنا مدعا ظاہر کر کے اثنائے گفتگو میں کہہ گیا

"من سگ درگاہ شما ہستم"

اسی روایت مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سلطان نے چھ ماہ تک قاضی حمید الدین ناگوری کے آستانہ کی ناصیہ سائی اس لیے کی کہ وہ اس کو اپنے حلقۂ ارادت مین قبول کر لین، لیکن انھون نے قبول نہین فرمایا، حالانکہ اس کی سفارش پر اس کے بھانجے شیخ سعد الدین تنبولی کو اپنا مرید بنالیا تھا۔ جب سلطان شمس الدین کو قاضی حمید الدین سے بیعت کا شرف حاصل نہ ہوا تو اس نے حضرت خواجہ قطب الدین کا دامن پکڑا۔[2] سبع سنابل کی یہ روایت کہاں تک صحیح ہے، اس پر ہم بحث کرنے سے گریز کرتے ہین لیکن یہ تسلیم کرنے مین تامل نہیں کہ التمش کو اپنے مرشد کے "یار غار"[3] سے بڑی عقیدت اور محبت تھی، اور ان کی خدمت مین بار بار حاضر ہوتا، ایک بار ان کے یہان پہنچا تو انھون نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اے شمس الدین! تم فقیرون، غریبون، مسکینون اور درویشون کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ خلق اللہ سے اچھا برتاؤ رکھو، رعیت پروری کرو، جو اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور لوگوں سے اچھا برتاؤ رکھتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کو دنیا مین دیر تک رکھتا ہے، اور اس کے دشمنون کو دفع کرتا ہے۔ سلطان نے ان نصیحتون کو سنکر قبول کیا۔[4]

سلطان التمش مشائخ ہی کو عوام و خواص کے اخلاق کو سنوارنے کا اہل سمجھتا تھا، چنانچہ

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۲۱-۲۰ [2] سبع سنابل ص ۲۳۴ [3] قطب صاحب نے فوائد السالکین مین قاضی حمید الدین ناگوری کو اپنا "یار غار" ہی بتایا ہے (دیکھو فوائد السالکین مجلس اول) [4] سبع سنابل ص ۲۳۲

ان ہی مین سے بعض کو شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کیا کرتا تھا، سیر العارفین میں ہے کہ شیخ جمال الدین کی وفات کے بعد سلطان التتمش نے شیخ الاسلام کا عہدہ قطب صاحب کی خدمت مین پیش کرنا چاہا، لیکن قطب صاحب نے عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا، تو اس عہدہ پر شیخ نجم الدین صغری مامور کیے گئے، شیخ نجم الدین صغری حضرت عثمان ہرونی کے مرید اور خلیفہ تھے، شروع میں درویشی کے سارے اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حسنہ رکھتے تھے لیکن بعد مین انھون نے اپنے جاہ ووقار کی خاطر کچھ ایسی غیر درویشانہ حرکتین کین کہ سلطان التتمش ان کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے معزول کرنے پر مجبور ہوا، اور ان کی جگہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی[1] کو اس منصب پر مامور کیا، جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے، مولانا عبد الحق دہلوی نے اخبار الاخیار مین سید نور الدین مبارک غزنوی کے ذکر مین لکھا ہے کہ

"خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی است، مقتداو شیخ الاسلام دہلی بود، در زمان سلطان شمس الدین، او را امیر دہلی می گفتند" (ص ۲۸)

سیر العارفین کے مؤلف نے شاید جمال الدین بسطامی[2] اور سید نور الدین مبارک غزنوی کے نام کو خلط ملط کر دیا ہو، تاریخ فیروز شاہی مین مولانا ضیاء الدین برنی نے سید نور الدین مبارک غزنوی کا جس طرح ذکر کیا ہے[3]، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ التتمش کے دربار مین ان کو بڑا اثر حاصل تھا، اس لیے گمان ہوتا ہے کہ نجم الدین صغری سے پہلے وہی شیخ الاسلام رہے ہون، وہ شریعت اور طریقت دونون کے رہ نورد تھے،

عہد شمسی کے مشائخ نے اس دور کے لوگون کو خدا ترسی، تقوی، تزکیہ نفس، عبادت اور ریاضت

[1] حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے حالات کے لیے اس عاجز راقم کی حقیر تالیف بزم صوفیہ ملاحظہ ہو [2] جمال الدین بسطامی ناصر الدین محمود کے زمانہ مین شیخ الاسلام رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا [3] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۴۱

کی جو تعلیم دی اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ التمش کی صغر سنی میں اس کو دیکھ کر شیخ اوحد الدین کرمانی نے جو پیشین گوئی کی تھی، وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی یعنی التمش کی برکت سے التمش کی دنیاوی سلطنت میں التمش کا دین بھی سلامت رہا، اس کا اعتراف طبقات ناصری کے مؤلف نے بھی کیا ہے،

"پشت دین محمدی بدولت او قوی و روے ملت احمدی بصولت او بہی گشت (ص ۱۶۶)

اور پھر التمش نے بچپن ہی میں ایک درویش سے فقراء اور اہل خیر کی تعظیم و تکریم کا جو وعدہ کیا تھا اس پر آخر زندگی تک جس طرح قائم رہا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، چنانچہ مولانا منہاج سراج فرماتے ہیں،

"ہرگز بادشاہے بحسن اعتقاد و آب دیدہ و تعظیم علماء و مشائخ مثل او از مادر خلقت در قماط سلطنت نیامدہ" (طبقات ناصری ص ۱۶۷)

**علماء سے عقیدت** مشائخ کی صحبت میں رہ کر التمش نے نہ صرف علوم باطن و علوم طریقت حاصل کیے، بلکہ علماء سے علوم ظاہری و علوم شریعت بھی حاصل کرنے کی کوشش میں برابر لگا رہا، قدرت کی طرف سے اس کو قوی حافظہ بھی ملا تھا، اس کے حافظہ کی تعریف خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی کی ہے، فوائد الفواد میں ایک موقع پر فرمایا

"طبع حافظہ قوی داشت" (ص ۲۱۳)

ظاہر ہے کہ اس قوی حافظہ کے ساتھ مشائخ و علماء کی صحبت میں اس کے علم و فضل کی جلا کس قدر ہوتی رہی ہوگی، اور اس کے اس وصف کی تعریف بعد کے عہد میں بھی کی گئی، محمد تغلق کے دور میں ابن بطوطہ آیا تو التمش کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ "وہ نہ صرف نیک چلن اور انصاف پرور تھا، بلکہ عالم و فاضل بھی تھا"[۱]

---

[۱] سفر نامۂ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۵۸

مذہبی مذاکرے

حضر، سفر اور حتی کہ میدان جنگ میں بھی علماء التتمش کے جلو میں ساتھ رہتے تھے، محل کے اندر ہفتہ میں تین روز علماء کی مجلس ہوتی، اور رمضان المبارک میں یہ مجلس روزانہ ہوتی، ذی الحجہ اور محرم کے عشرہ میں بھی علماء روزانہ جمع ہوتے، جمعہ کے روز نماز کے بعد مشائخ اور علماء دونوں خاص طور پر بلائے جاتے،[1] بلبن اپنی ابتدائی زندگی میں ان مجلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا، اور بادشاہت کے زمانے میں ان کو یاد کر کے کہا کرتا تھا کہ ان مجلسوں میں جو بزرگان دین شریک ہوا کرتے تھے ان کے جیسے بزرگ پھر دیکھنے میں نہ آئے،[2] بلبن ہی کی زبانی ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں اس مجلس کا ایک وعظ نقل کیا ہے، جو گو طویل ہے، لیکن یہاں پر ہم اس کو اس لیے نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ ان مجلسوں کے مذاکرے کا رنگ کیا تھا، اور پھر یہ بھی معلوم ہو کہ اس زمانہ کے صلحاء و علماء، سلطان وقت کو بادشاہت کے فرائض سے آگاہ کرنے میں کس طرح حق گوئی اور صاف گوئی سے کام لیتے تھے، یہ وعظ مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی کا ہے جو غالباً شیخ الاسلام[3] اور ایک خدا رسیدہ بزرگ ہونے کی حیثیت سے التتمش کی خلوت و جلوت میں برابر ساتھ رہتے تھے،

مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی نے اپنے وعظ میں فرمایا

"بادشاہوں کی زندگی کے جو لوازم ہیں جس طریقہ سے وہ کھاتے ہیں، شراب پیتے ہیں، جو کپڑے پہنتے ہیں، جس طرح وہ اٹھتے، بیٹھتے اور سواری کرتے ہیں، تخت پر بیٹھکر لوگوں کو اپنے سامنے بٹھاتے اور سجدے کراتے ہیں، خدا کے باغی حکمرانوں کے مراسم کی رعایت دل و جان سے کرتے ہیں، اور خدا کے بندوں کے معاملات میں جدت اختیار کرتے ہیں، یہ تمام چیزیں دین مصطفےٰ کے خلاف ہیں، شرک ہیں اور عقبیٰ میں موجب سزا ہیں، بادشاہوں کی نجات

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۵ [2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۰

[3] اخبار الاخیار ص ۲۸

مذکورہ بالا باتون مین نہیں ہے، ان سے خداوند تعالیٰ کی رضا حاصل نہین ہوتی، اور وہ سنت مصطفےٰ کے خلاف ہین، بادشاہون کی نجات ان چار چیزوں کے عمل پر ہے،

(۱) وہ اسلام کی حمیت کو برقرار رکھیں، اور بادشاہت کے قہر و سطوت اور عز و ناز کو اعلاے کلمۂ حق اور شعار اسلام کو بلند کرنے، امر معروف و نہی منکر کے لیے احکام شرعی کو رواج دینے مین صرف کرین..........

(۲) دین کی حمایت ہی مین ایک بادشاہ کی نجات ہے، اور دین کی حمایت یہ ہے کہ وہ اہل اسلام اور اسلامی شہرون اور قصبون کے درمیان سے فسق و فجور، اور گناہ و معصیت کو قہر و سطوت کے ذریعہ بالکل ختم کردے۔ اور فاسق و فاجر کو سخت سے سخت سزائین دیکر ان کے کام و دہن کے لیے فسق و فجور کو زہر سے بھی زیادہ تلخ کردے، اور ایسے پیشہ ورون گناہگا کے لیے جو اسلام کے پیرو ہونے کے باوجود تمام عمر گناہ کبیرہ کرتے رہتے ہین انکی دنیا انگوٹھی کے حلقہ سے بھی زیادہ تنگ کردے، تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے معصیت سے باز آجائیں، اور دوسرے کسب و حرفت کی طرف مائل ہوں، اور اگر کوئی بدکار عورت سزا کے باوجود اپنے پیشہ سے باز نہ آئے، اور پھر بھی پوشیدہ طور سے معصیت کی ذلت و خواری مین مبتلا رہے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے، ہان وہ اپنی بدکاری پر فخر نہ کرے، اور نہ اس کو جائز سمجھے، اگر اس قسم کی پیشہ ور عورتین نہ ہون تو بعض بدبخت اپنی نفسانی خواہشوں سے محرم عورتوں کو مغلوب کرین،

(۳) دین کی حمایت ہی مین بادشاہون کی نجات ہے، اور یہ حمایت اس طرح ہوسکتی ہے کہ دین محمدی کے احکام کی اشاعت کے لیے اہل تقویٰ، زاہد، خداترس اور دیندار لوگ مقرر کیے جائیں، اور بد دیانتون، دھوکے بازون، حیلہ گرون، دنیا کے عاشقون اور فریب دینے والون کو مسند حکومت پر نہ بٹھایا جائے، اور نہ طریقت کی رہنمائی کے لیے ان سے کہا جائے،

اور نہ ان کو فتاوے صادر کرنے کا حق دیا جائے اور نہ ان سے دینی علوم میں استفادہ کیا جائے،
بادشاہ اپنے ملک مین فلسفہ، معقولات فلسفہ کے معتقدون کو مطلق روانہ رکھین، اور نہ فلسفہ
پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت کسی حال مین بھی دین، بلکہ مذہب کے گمراہون، مذہب وسنت کے
دشمنون اور بد اعتقادون کی تذلیل وتوہین مین برابر کوشان رہین، اور بد دینی، بد اعتقادی اور
گمرہی کو مطلق جائز نہ سمجھین،

(۴) دین کی حمایت ہی مین بادشاہ کی نجات ہے، اور یہ حمایت عدل گستری اور انصاف پروری
مین بھی ہے، بادشاہ عدل وانصاف مین انتہاپسند ہو، ظلم وتعدی اس کے ملک مین مطلق نہ ہو،
جب تک پورے قہر، قوت اور سطوت سے ظالمون کو ظلم کو دور نہ کرے وہ عدل پروری
کا حق ادا نہین کرسکتا ہے،

اور جب وہ ان چار چیزون پر پورے عزم اور اعتقاد کے ساتھ عامل ہے، اور اس پر
عملدرآمد ہونے مین اپنی شاہی سطوت کا مصرف پورے طور پر لیتا ہے اور بادشاہت
اور سنت کے لوازم کو پورا کرتا ہے تو اگرچہ اس مین نفسانی خواہشات موجود ہون، پھر بھی
اس کا حشر انبیاء، واولیاء اور دینداروں کے ساتھ ہوگا، لیکن اگر بادشاہ روزانہ ہزار رکعتین
پڑھتا ہے، تمام عمر روزے رکھتا ہے، گناہوں سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق مین خرچ
کرتا رہے، مگر وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنون کو قلع قمع
کرنے مین صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کرتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو
جاری کرانے اور نہی منکر کو مٹانے مین کوشاں نہ رہتا ہو اور عدل وانصاف سے کام نہ لیتا ہو تو اس کی
جگہ دوزخ کے سوا اور کہیں نہ ہوگی۔[1]

[1] تاریخ فیروزشاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۴۴ - ۴۲ - فارسی عبارت کا آزاد ترجمہ کیا گیا ہے۔
(باقی ص ۸۸ پر)

ان مواعظ کے جو اثرات التمش کے دل و دماغ پر مترتب ہوئے ہوں گے ان کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواعظ ایک عرصۂ دراز تک دہلی کے حکمرانون کے لیے مشعل ہدایت بنے رہے، کیونکہ بلبن ان کو اپنے لڑکون، بھتیجون اور خاص خاص لوگون کے سامنے بار بار دہراتا اور زار زار رونے لگتا۔ مولانا ضیاء الدین برنی نے سوا سو سال کے بعد فیروز شاہ تغلق کے عہد مین اپنی تاریخ فیروز شاہی لکھی تو اس مین یہ مواعظ غالباً اس خیال سے نقل کیے تاکہ ان پر اگر بادشاہون کی نظر پڑے تو ان ہی نصائح کے مطابق وہ اپنی زندگی بنائین، اور اگر خواص و عوام پڑھین تو اپنے حکمرانون سے ان ہی مواعظ کے مطابق زندگی بنانے کی توقع رکھیں۔

**حکمرانی کے نظریے** التمش کی مجلسوں میں بادشاہت کے نظری اور عملی دونون پہلوؤں پر باضابطہ مذاکرے ہوتے تھے، اور پھر ان مذاکروں سے جو نظریے قائم ہوئے ان کو برنی نے بلبن کی زبانی اپنی تاریخ میں قلمبند بھی کر دیا ہے[1]، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حکمرانی کوئی سہل کام نہیں، ایک حکمران خدا کا نائب ہے، اس کا دل منظر ربانی (یعنی خدا کا جھروکہ) ہے، ایک معمولی انسان کا دل بھی منظر ربانی ہوتا ہے لیکن معمولی انسان کے دل مین اللہ تعالیٰ القا نہین کرتا، لیکن ایک حکمران کے دل مین یہ القا دائمی رہتا ہے، اسی لیے مملکت کے تمام

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷) التمش کی ان مجلسون مین کبھی کبھی سخت نوک جھونک بھی ہو جایا کرتی تھی، اس زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی شیخ نظام الدین المؤد کی زبانی فوائد الفواد مین یہ روایت درج ہے:

"وقتے مارا با سید نور الدین مبارک نور اللہ مرقدہٗ در پیش سلطان شمس الدین برائے زیر دست و زبر دست نشستن نزاعی رفتہ بود، من سخن گفتہ بودم کہ او کوفتہ شدہ بود" (ص ۱۹۳)

[1] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۷۰

کاروبار اس کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ اس کو جو عزت وعظمت حاصل ہوئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ خدا کا شکر بھیجے، اپنے کو گوناگون فضائل سے آراستہ کرے۔ اپنے قول فعل اور حرکات وسکنات کو ایسا پسندیدہ بنائے کہ اہل اسلام مین اس کا اعتبار قائم ہو، اور آخرت میں اس کی نجات ہو، وہ اس طرح حکومت کرے کہ لوگون کے اوصاف واخلاق شریعت کے مطابق ہون، ان کے معاملات صحیح ہون، فسق وفجور ملک مین نہ ہون، وہ اپنے قہر، سطوت، قوت، شوکت، حشم، خدم اور خزانے کو کفر، شرک، فسق وفجور اور بدعات کے قلع قمع کرنے مین استعمال کرے، خدا اور رسول کے دشمنون کو ذلیل وخوار رکھے، عدل واحسان کے ذریعہ ملک کو ظلم وتعدی سے پاک کردے، لوگون مین ایسے اخلاقی فضائل پیدا کردے کہ ساری برائیان دور ہوجائین۔

وہ خدا ترس متقی، اور متدین قاضی، محتسب اور حکام مقرر کرے تاکہ رعایا انصاف اور دینداری سے مستفید ہوتی رہے اور امر معروف اور نہی منکر کی ایسی رونق ہو کہ قبۂ آسمان تک صرف شعار اسلام ہی ظاہر ہو۔

رعایا مین دینداری اور حسن اعتقاد ایسا ہو کہ ان مین غداری، مکاری، فریب، نفاق، بددیانتی، نفع خوری اور احتکار کے بجائے سچائی اور حق پرستی ہی پائی جائے،

ایک حکمران کو نیک، سچا، خداترس دیندار اور عبادت گذار ہونا چاہیے، کیونکہ الناس علیٰ دین ملوکھم، اگر اس مین خداترسی، دینداری، عبادت گذاری ہے تو اس کی مملکت کے تمام چھوٹے بڑے لوگ، عورت، مرد، بوڑھے، جوان ان ہی اوصاف حسنہ کے حامل ہوجائین گے، اور اگر بادشاہ اور اس کے حکام مین اوصاف ذمیمہ ہین، اور وہ فسق وفجور مین مبتلا رہتے ہین تو رعایا بھی فاسق وفاجر ہوجاتی ہے،

ایک حکمران اور اسکے تمام حکام وعمال کو باطن کی آرائش مین لگا رہنا چاہیے، ظاہر کی آرائش توسب ہی کرتے ہیں، باطن کی آرائش ہی حکمرانی اور بادشاہت کا ایک بڑا فرض ہے،

اگر مذکورۂ بالا تمام باتوں پر ایک حکمران عمل کرتا ہو تو پھر وہ صحیح معنوں میں بادشاہت اور حکمرانی کی نعمت کا شکر گذار ہے،

ان اصولوں کا پابند ہونا آسان کام نہیں، چنانچہ سلطان بلبن نے شہزادوں کو ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی تلقین تو کی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا:

"می دانم کہ عمل کردن بدان وصیت باندازہ من و تو نیست"[1]

مگر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ التتمش نے ان اصولوں کو عملی جامہ پہنایا، اس پر بادشاہ ہونے کے باوجود جو خشیت الٰہی طاری رہتی، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ بادشاہت کی عزت و عظمت کا شکر گذار رہا، اس نے خدا ترس متقی اور متدین بن کر اپنے اور شاہی حکام کو گوناگوں فضائل سے آراستہ کرنے کی کوشش کی اور اپنی دینداری سے نہ صرف اپنے باطن کو سنوارا بلکہ مسلمانوں کے اخلاق کو درست کرکے شعار اسلام کی بھی رونق بڑھائی، چنانچہ طبقات ناصری کے مؤلف نے التتمش کے عہد کے دہلی کو "مرکز دائرۂ اسلام" "مہبط اوامر و نواہی شریعت" "حوزۂ دین محمدی" "بیضۂ ملت اسلامی" اور "قبۃ الاسلام مشارق گیتی" کہا ہے[2]، اور اس کی وجہ سے اسلام کی رفعت و شوکت بڑھی تو وہ "غیاث الاسلام والمسلمین" اور "ناصر الاسلام علی الدولۃ القاہرہ والملۃ الباہرہ" کے القاب سے بھی یاد کیا گیا[3]۔

**مذہبی مجلسیں** التتمش مذہبی مجلسیں میدان جنگ اور محاصرہ میں بھی منعقد کرتا، ۶۲۹ھ میں التتمش نے قلعہ گوالیار کا محاصرہ کیا، تو گیارہ مہینے تک جاری رہا، طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج الدین عثمان بن سراج الدین جوزجانی جن کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں، شاہی لشکر کے ساتھ تھے۔ ناصر الدین قباچہ کی شکست کے بعد مولانا منہاج الدین شمس الدین التتمش سے وابستہ ہوکر ۶۲۵ھ میں دہلی آئے

[1] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۷۰ [2] طبقات ناصری ص ۱۶۶ [3] یہ القاب اس کتبہ میں ہیں جو اجمیر کی ایک مسجد المعروف بہ ڈھائی دن کا جھونپڑا کے وسطی محراب پر بخط طغرا سے جلی کندہ ہے،

جہاں ۶۲۹ھ تک مقیم رہے، اور جب التتمش گوالیار کی مہم پر چلا تو مولانا منہاج بھی اس کی معیت میں روانہ ہوئے، محاصرہ کے دوران میں جب مجلسیں منعقد ہوتیں تو مولانا منہاج ہی ان میں وعظ کہتے، ان کا خود بیان ہے کہ اس محاصرہ میں شاہی خیمہ کے سامنے ۹۵ مجلسیں ہوئیں، عید اضحیٰ کے موقع پر مولانا ہی نے التتمش کے حکم سے لشکر میں نماز کی امامت کی اور خطبہ پڑھا جس کے صلہ میں ان کو خلعت عطا ہوا، ۲۶ صفر ۶۳۰ھ کو قلعہ گوالیار فتح ہوا تو مولانا منہاج وہاں کے قاضی خطیب، امام، محتسب اور تمام امور شرعی کے نگران مقرر ہوئے، اور مزید خلعت اور انعامات سے سرفراز کیے گئے[1]

علمی تحفے | بیرونی ممالک سے جو علما آتے تو سلطان التتمش کے لیے تحفے میں ایسی علمی چیزیں لاتے جو اس کے مذاق کے مطابق ہوتیں، قاضی جلال عروس بغداد سے دہلی آئے، تو سلطان کے لیے خلیفہ مامون کے ہاتھ کی ایک ایسی تحریر لائے جو اس نے سفینۃ الخلفاء میں لکھی تھی، اس تحریر کا خلاصہ یہ تھا،

"میرے والد امیرالمومنین ہارون رشید اپنے جلالت و رتبہ کے باوجود چند خادموں کے ساتھ پاپیادہ داؤد طائی اور محمد بن سماک کے گھر گئے، جو بغداد کے زاہدوں میں سے تھے، ان کے گھر کے پاس پہنچ کر ان کے دروازہ کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے، لیکن انھوں نے دروازہ نہیں کھولا، اور نہ میرے والد کو اندر بلایا، ان درویشوں کے پاس خلیفۂ وقت بار بار گئے اور ان کے ہاں جانے میں کوئی عار اور شرمندگی محسوس نہیں کی، بلکہ ان سے نزدیک تر ہوتے گئے، اور ان سے ان کا (یعنی والد کا) اعتقاد بڑھتا گیا، ان کی بڑی آرزو یہ تھی کہ کوئی ان سے ملاقات کرادیتا، اس کے لیے انھوں نے لوگوں سے بڑے بڑے وعدے بھی کیے، مجھکو اور دوسرے خاص خاص لوگوں کو خلیفہ کا ان درویشوں کے پاس جانا اور ان کا

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۵

خلیفہ سے نہ ملنا بھلا نہ معلوم ہوتا، یہ درویش فقیرون اور مسکینون کو اندر بلاتے، لیکن امیرالمومنین
کو طلب نہ کرتے، مین ایک روز خلیفہ کی خدمت مین بیٹھا تھا کہ ابو یوسف قاضی آئے، امیرالمومنین
نے ان سے کہا کہ ہو سکے تو آپ داؤد طائی سے میری ملاقات کرادین، مین نے سنا ہے کہ آپ
دونون نے ایک ہی ساتھ ابوحنیفہ سے تعلیم پائی ہے، ابو یوسف قاضی نے جواب دیا کہ جب
مین ادنیٰ آدمی تھا تو وہ مجھکو اپنے گھر کے اندر بلاتے تھے، لیکن جب سے قاضی ہوا ہون بیس بار
ان کی زیارت کے لیے ان کے دروازہ پر گیا ہون لیکن مجھکو اندر طلب نہین فرماتے، خلیفہ
نے فرمایا، یہ سنکر مین ان سے اور بھی زیادہ قریب تر ہو گیا، اور ان سے میرا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا،
ابو یوسف قاضی نے عرض کیا کہ علماء و مشائخ ربع مسکون سے آپ کی بارگاہ مین آتے
رہتے ہین، اور آپ سے ملاقات کرکے نہ صرف خلیفہ وقت بلکہ ابن عم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
سے بھی ملتے ہین، اگر یہ درویش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور خلیفہ کی بزرگی کا خیال
نہین کرتے تو خلیفہ ان کے دروازہ پر جانا کیون پسند کرتے ہین، اور یہ خبر تمام بغداد مین پھیلی
ہوئی ہے کہ رات خلیفہ ان درویشون کے دروازے پر گئے تھے لیکن انھون نے ان کو اندر
نہیں بلایا، خلیفہ نے کہا کہ محض اس وجہ سے کہ یہ دونوں مجھکو اندر نہین بلاتے اور میری طرف
التفات نہین کرتے، مین ان کا معتقد ہو گیا ہون اور ان کو اپنا دوست سمجھتا ہون، ان
بزرگون کے معاملات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ظاہراً اور باطناً دنیا کی طرف اپنی
پشت کر دی ہے، اور خدائے تعالیٰ کی محبت مین دنیا کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے، اور مین
اس وقت دنیا ہی دنیا ہون، دنیا کی جاہ میرے گرد جمع ہے، اور یہ بزرگ جب دنیا کو
صدق دل سے اپنا دشمن سمجھتے ہین تو پھر مجھ سے کیون ملین، مین تو ظاہر اور باطن دونون
مین صرف دنیا ہی دنیا ہون، وہ مجھکو اپنا دشمن کیون نہ تصور کرین، پھر وہ مجھکو کیون

اندر بلائین اور تردد مین بتلا ہون، مجھکو انھون نے خدا کی محبت مین دشمن سمجھ رکھا ہے، لیکن
مین ان کو اس لیے کہ وہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھتے ہین، اور خداسے قریب تر ہین، ان کو خدا ہی
کی خاطر دوست سمجھتا ہون۔ ان کے لیے مجھکو دشمن ہی سمجھنے مین نجات ہے، اور میرے لیے
ان کو دوست ہی تصور کرنے مین رستگاری ہے، اور مین سمجھتا ہون کہ اگر اس قسم کے تارکانِ دنیا
میری حمایت کرین تو دنیا داری کی دشواریون سے چھٹکارا حاصل ہو جائے، اور وہ جو دنیا کی
خاطر، دنیاوی جاہ کی خاطر، دنیاوی لالچ اور دنیاوی انعام کی خاطر میرے پاس آتے ہین
اور دنیا ہی مین اپنے دین کو فروخت کر دیتے ہین تو قیامت کے روز وہ مجھ سے زیادہ مفلس
ہون گے، اور مین ایسے لوگون سے اپنی التجا کیا بیان کرون۔ ایسے لوگ میری پناہ مین تو آجاتے
ہین لیکن میری حمایت سے ان کو کوئی فائدہ نہین پہنچتا، ہان میرے لیے دنیا کی جاہ طلبی مین
اس سے کچھ اور اضافہ ضرور ہو جاتا ہے، یہ کہکر امیر المومنین رونے لگے، اور پھر فرمایا کہ اپنے
قول و فعل، حرکات و سکنات کو سنت نبوی کے خلاف پاتا ہون، معلوم نہین کہ قیامت کے
روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤن گا، اور اس دنیا داری کی وجہ سے قیامت
مین کیسے چھٹکارا ہوگا۔ ابو یوسف قاضی نے یہ باتین سنین تو انھون نے اٹھ کر خلیفہ کے زانو
پر بوسہ دیا، اور کہا کہ بہت سے علوم پڑھے تھے لیکن آج خلیفہ کی خدمت ہی مین خدا تعالےٰ
کی معرفت کا علم حاصل ہوا[1]"

سلطان التمش نے یہ تحریر پڑھی تو وہ قاضی جلال عروس کے اس تحفہ سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے
کہا، اس کے صلہ میں تو قاضی جلال کو آدھی مملکت دیدینی چاہیے، تاریخ فیروز شاہی مین ہے
"سلطان ازین موعظت چنان بر قاضی جلال عروس خوش شد کہ خواست نیمے ملک

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۱۰۲ - ۱۰۳

خود بدو ایثار کند۔"

علما کی فیاضانہ سرپرستی

علما کے ساتھ التتمش کی یہ فیاضی اور داد و دہش بے پایان تھی، اس کا اعتراف مولانا منہاج نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہین:

"از اول عہد دولت وطلوع صبح مملکت در استجماع علمائے بانام وسادات کرام وملوک وامرا، وصدور وکبرا، زیادت از ہزار لک ہر سال بذل فرمود[1]"

التتمش کے جود وسخا کو ذرا اور بھی واضح طور پر خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے اس طرح لکھا ہے:

"وہ رات کے آخری حصہ مین گدڑی اوڑھ لیتا، اور رعایا کی خبرگیری کے لیے شہر کا گشت کرتا، علما، صلحا اور اصفیا کو بڑی دولت عطا کی، اس طرح کہ مٹی کے برتن مین اشرفیان بھر دیتا، ان کے اوپر گیہوں رکھ دیتا، اور مسلمانون کو دیتا، تاکہ اس کی سخاوت پردہ ہی مین ظاہر اور ریا کا اظہار نہ ہو[2]"

اس فیاضی کی شہرت سن کر بیرونی ممالک سے علما، وسادات دہلی بکثرت کھنچ کر آگئے تھے، اور یہ شہر علما، و فضلا کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا، طبقات ناصری مین ہے

"این شہر بکثرت انعامات وشمول کرامات آن بادشاہ دین دار محط رجال آفاق گشت[3]"

فتوح السلاطین مین عصامی اس عہد کے دہلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

| | |
|---|---|
| بہ دہلی چنان تخت گاہے بساخت | سپاہش در اقصائے آن ملک تاخت |
| در آن شہر یک رونقے شد پدید | بلے لذتے باشد اندر جدید |
| بسے سید ان صحیح النسب | رسیدند در وے زملکِ عرب |
| بسے کاسبان خراسان زمین | بسے نقشبند انِ اقلیم چین |

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۶ [2] خزینۃ الاصفیا ج ا ص ۲۷۶ [3] طبقات ناصری ص ۱۶۶

بسے عالمانِ بخارا نژاد — بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گران — ز ہر شہر و ہر اصل سیمین بران
بسے ناقدانِ جواہر شناس — جواہر فروشان برون از قیاس
حکیمان یونان، طبیبان روم — بسے اہل دانش ز ہر مرز و بوم
در آن شہر فرخندہ جمع آمدند — چو پروانہ بر نورِ شمع آمدند
یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد — دیارش ہمہ دار اسلیم شد[1]

مولانا ضیاء الدین برنی بھی رقمطراز ہین کہ چنگیز خانیون کے فتنہ سے عاجز و پریشان ہوکر ارباب فضل و کمال عہد شمسی مین اس قدر زیادہ جمع ہو گئے تھے کہ ربع مسکون مین اس کی کوئی مثال نہ تھی، اور سلطان شمس الدین التتمش کا دربار محمود و سنجر کا دربار معلوم ہوتا تھا،[2] افسوس ہے کہ اس عہد کے مورخون نے ان علماء کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش نہین کی، اگر ان تمام علماء و فضلاء کے علمی کارنامے معلوم ہوجاتے تو اس عہد کی علمی تاریخ کس قدر روشن نظر آتی،

**درسگاہین** ان مین سے بعض علماء درس و تدریس کے لیے بہت مشہور تھے، التتمش نے ان کیلیے دہلی مین متعدد مدارس قائم کیے، دہلی کا مشہور و معروف مدرسہ معزی[3] اسی معارف نواز حکمران کی یادگار ہے، کیونکہ بدایون مین بھی اس نے اپنی اقطاع داری کے زمانہ مین اسی نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے متصل ایک بڑی جامع مسجد بھی تھی، ان مدرسون کا نام "معزی" معزالدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی یاد تازہ رکھنے کے لیے رکھا گیا، شاید دہلی مین کوئی مدرسہ التتمش کے نام سے بھی موسوم تھا، کیونکہ جب اس کی عمارت فیروز شاہ تغلق کے عہد مین منہدم ہوگئی تھی

[1] فتوح السلاطین، مدراس اڈیشن ص ۱۱۵-۱۱۴ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۷ [3] طبقات ناصری ص ۱۸۹

توفیروز شاہ نے اس کو پھر سے بنوایا، اور اس مین صندل کی لکڑیون کے دروازے لگوائے، فتوحات فیروز شاہی مین ہے،

وہم چنین مدرسہ سلطان شمس الدنیا والدین التیتمش رضی اللہ عنہ را محلہائے کہ انہدام پذیرفتہ بود، عمارات کردہ درہا از چوب صندل نہادیم (مطبوعۂ علی گڈہ ص ۱۶)

شعرا | تاتاریون کے فتنہ سے ماوراء النہر اور ایران پر جو قیامت صغریٰ گزر رہی تھی، اس کی بنا پر علماء کی طرح بہت سے شعراء نے بھی ہندوستان مین آکر پناہ لی، اور جس کی رسائی التیتمش کے دربار تک ہوئی وہ اس کے جود و کرم سے اچھی طرح سیراب ہوا، افسوس ہے کہ معاصر مورخون اور تذکرہ نویسون نے ان شعراء کے نام و حالات کو بھی بالکل نظر انداز کر دیا ہے، پھر بھی ہم کو ادھر اُدھر سے دو چار شعراء کی تھوڑی بہت جو تفصیل ملی ہے، اس کو ہم ذیل مین درج کرتے ہین،

ناصری | نام خواجہ ابو نصر، اور تخلص ناصری تھا، مہنہ (خراسان) کا رہنے والا تھا، اور مشہور صوفی شاعر شیخ ابو سعید ابو الخیر کے خاندان سے تھا، وطن سے دہلی آیا تو پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آستانہ پر حاضر ہوا، اور ان کی دعائین لین، ان کی دعائین لیکر قسمت آزمائی کیلئے التیتمش کے دربار مین پہنچا، اور اس کی مدح مین ایک قصیدہ پیش کیا، جب قصیدہ پڑھنے کی اجازت دی گئی تو اس نے مطلع پڑھا،

اے فتنہ ماز نہیب تو زنہار خواستہ ‌ ‌ ‌ ‌ تیغ تو مال ذفیل زکفار خواستہ

سلطان التیتمش یہ مطلع سنکر دوسری طرف متوجہ ہوگیا، ناصری بددل ہوا، لیکن سلطان نے فوراً متوجہ ہوکر کہا ناصری پڑھو اور اس کا مطلع دہرایا، ناصری کو سلطان کے حافظہ پر تعجب ہوا، اور پھر اس نے قصیدہ کے اور اشعار پڑھنے شروع کیے، اور جب وہ ختم کرچکا تو سلطان نے قصیدہ کو دوبارہ پڑھنے کو کہا، اور جب اس نے اس کو ختم کیا تو سلطان نے پوچھا کہ اس مین کتنے اشعار ہین، ناصری نے

کہا تریپن، سلطان نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کو تریپن ہزار چاندی کے تنکے انعام مین دیے جائین، ناصری اس غیر متوقع انعام سے بے حد خوش ہوا۔[1] یہ رقم لیکر حضرت قطب صاحب کے پاس حاضر ہوا، اور ان کی خدمت مین گذرانی لیکن قطب صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے تم اپنی ضروریات پوری کرتے رہو، ناصری کے کلام کے نمونے کہین اور نہین ملتے، آتشکدہ میں اس کا صرف ایک حسب ذیل قطعہ منقول ہے،[2]

از زود رفتنت ہمہ روز است ماتمم ۔۔۔ وز دیر آمدن ہمہ شب ماتمے دگر
ترسم اگر حکایت غمہائے خود کنم ۔۔۔ غمگین شوی ازین غم واین ہم غمے دگر

**روحانی** تذکرہ نویسون نے حکیم روحانی اور امیر روحانی دونون کو ایک ہی تخلص کی وجہ سے ایسا خلط ملط کر دیا ہے کہ بظاہر دونون مین امتیاز کرنا مشکل ہوگیا ہے، حکیم روحانی، سلطان عین الدین بہرام شاہ بن مسعود غزنوی کے دربار کا شاعر تھا، اور امیر روحانی سلطان شمس الدین التمش کے عہد مین ہندوستان آیا، لیکن بعض تذکرہ نویس مثلاً مظفر حسین روز روشن میں لکھتے ہین

"روحانی سمرقندی، نامش ابوبکر از تلامذۂ رشید وطواط وستایش گران بہرام شاہ غزنوی ست، وبعدش در سر کار خوارزم شاہ بکار کتابت ملازم گشت و در سنہ ثمث وعشرین وستمائہ ہنگامیکہ سلطان شمس الدین التمش رنتھنبور را فتح کردہ شہر اند راخیم جاہ وجلال ساخت روحانی از نجار الحضور سلطان رسیدہ قصیدہ فتح.... گذرانیدہ جائزہ جزیلہ یافتہ" (ص ۲۵۶۱)

[1] فوائد الفواد ص ۲۱۳، سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۶۰۔۵۹، منتخب التواریخ از ملا عبد القادر بدائونی ج ۱ ص ۶۵۔ کسی نے اس قصیدہ کو نقل نہیں کیا ہے، مخزن الغرائب کے مولف نے صرف مطلع نقل کر کے لکھا ہے کہ "چون قصیدہ مذکور طولانی بود بہمین قدر اکتفا کردہ شد" [2] آتشکدہ، ص

اب اس عبارت کے تضاد کو ملاحظہ فرمائین، اگر ابو بکر روحانی کو بہرام شاہ غزنوی کے دربار کا مدح خوان تسلیم کرلین، تو اس کا ہندوستان مین ۶۲۳ھ مین آنا ممکن نہین، کیونکہ مسعود غزنوی کی موت ۵۴۷ھ مین، اور جلال الدین خوارزم شاہ کی ۵۵۱ھ مین ہوئی، ۶۲ برس کے بعد روحانی کا التمش کے دربار مین پہنچنا ایک فضول سی بات ہے۔[1] پھر ابو بکر روحانی رشید وطواط کا شاگرد نہیں بلکہ استاد رشیدی کے شاگردون مین سے تھا،[2]

---

[1] تحفۃ الکرام ج ۲ (ص ۱۱۱) مین اسی قسم کے خلط ملط بیانات ہین

"افصح الکلام امیر روحانی از سالکان مسالک سخندانی بود، ابتدا در خدمت سلطان بہرام شاہ غزنوی بسر بردہ، بعد ازان ملازم آتسز خوارزم شاہ ملازم گرفتہ، بامر کتابت مشغول داشتہ تا در گذشت در تاریخ صبح صادق نوشتہ کہ در ثلث وعشرین وستمائۃ سلطان شمس الدین التمش صحیح بلی نتھنبور کرد دیگر فت بس بلند در رفت واستیلا یافت حکیم روحانی از بخارا بخدمت او پیوست وقصیدہ گذرانید وصلۂ جزیل یافت۔

[2] مجمع الفصحاء مین ہے

"حکیم ابو بکر بن محمد علی در غزنی وبخارا نشو ونما کردہ شاگرد رشیدی سمرقندی معروف بہ رشیدی ست، در زمان سلطان بہرام شاہ غزنوی بعرصہ آمد وشاعری کردہ..... مداحی دیگر سلاطین نیز نمودہ"

ریاض الشعراء مین ہے

"حکیم ابو بکر محمد علی الروحانی ولادت وی در غزنی شدہ وتوطنش در بخارا ونشو ونماش در سمرقند بودہ از شاگردان استاد رشیدی ومداح بہرام شاہ ہست"

مخزن الغرائب مین بھی ہے

"حکیم ابو بکر محمد علی الروحانی - تاج الحکماء، ارشد الفضلاء ست، از سمرقند بودہ، مثل خواجہ رشیدی از دامن تربیت او برخاستہ ہمین بزرگے اوپسند است، ملا عوفی ذکر وی نمودہ"

عوفی نے بھی اپنے تذکرہ لباب الالباب جلد دوم مین روحانی کا ذکر الاجل الافضل تاج العلماء عطارالثانی ابو بکر بن علی الروحانی کی سرخی کے تحت کیا ہے، اور پھر بہرام شاہ کی شان مین اس کا ایک قصیدہ نقل کرنے کے بعد اس کے کچھ اور اشعار بھی درج کیے ہین. ظاہر ہے کہ یہ روحانی غزنوی سلطان بہرام شاہ ہی کے دربار کا شاعر تھا جیسا کہ بعض اور تذکرہ نویسون نے بھی لکھا ہے۔ التمش کے عہد مین ہندوستان مین آنے والے شاعر امیر روحانی کا ذکر طبقات اکبری منتخب التواریخ اور تاریخ فرشتہ مین ہے. ان مورخون کے بیان کے مطابق چنگیز خانیون کی یورش سے تنگ اور پریشان ہو کر امیر روحانی بخارا سے دہلی آیا، اور ۶۲۴ھ مین سلطان شمس الدین التمش کے دربار مین پہنچا، جبکہ سلطان رنتھنبور اور مندور کی تسخیر کے بعد دہلی مراجعت کرتا ہے، ان فتوحات کی تقریب مین امیر روحانی نے ایک قصیدہ شاہی خدمت مین پیش کیا، جس کے چند اشعار یہ ہین:

خبر باہل سما، برد جبرئیل امین ... ز فتح نامۂ سلطان عہد شمس الدین

کہ اے ملائکۂ قدس آسمانہا را ... بدین بشارت بندید کلمۂ آمین

کہ از بلاد ملاحد شہنشہ اسلام ... کشاد بار دگر قلعۂ سپہر آئین

شہ مجاہد غازی کہ دست وتیغش را ... روان حیدر کرار می کند تحسین[1]

اس قصیدہ کے صلہ مین سلطان نے روحانی کو بڑے انعام واکرام سے سرفراز کیا،

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۶۶-۶۵، طبقات اکبری جلد اول ص ۶۰، پر دوسرے شعر کے پہلے مصرع مین آسمانہا را کے بجائے آسمان برین اور دوسرے مصرع مین کلمۂ امین کے بجائے "کلمۂ و آمین" ہے تاریخ فرشتہ مین بھی دوسرے شعر کے دوسرے مصرع "کلمۂ و امین" ہی ہے، اور اس مین تیسرے شعر کے پہلے مصرع مین از بلاد ملاحد کے بجائے "بلاد سوالکھ" ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی مندرجۂ بالا اشعار اور روحانی کے کلام پر ایک عام تبصرہ ان الفاظ مین کیا ہے:

"نیز او را غیر ازین اشعار دلپذیر بسیار است۔"

اور پھر اس کے کلام کے نمونے مین حسب ذیل اشعار نقل کیے ہین:

قصۂ خویش از زبان قلم — کردہ ام یاد در بیان قلم

رقم رنج گوئیا بود است — خط عمر من نشان قلم

با قلم تا قرین شدم بجہان — روز من گشت چون جہان قلم

ناگہان بانگار دفتر من — زان درشتی کند سنان قلم

کہ بہ آواز نرم من ماند — نالۂ زار ناگہان قلم

گرچہ پیوستہ درمیانِ خرد — دارد م نفع بیکران قلم

آخر احوال من نگوید کس — پیش صاحب مگر زبانِ قلم

خواجہ منصور بن سعید کز اوست — تیز بازار امتحان قلم

آن بزرگی کہ دارد از لفظش — بار انصاف کاروان قلم

چون بنا را سوار کردہ بود — مرکب او خجستہ ران قلم

در کفایت کند رکاب گران — پس بگیرد سبک عنان قلم

بہنر عقل را چو بگمارد — آشکارا کند نہان قلم

اس عہد کا ایک دوسرا ممتاز شاعر تاج الدین ریزہ تھا، جس کا ذکر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ کرنا چاہتے ہین،

**ریزہ** | تاج الدین نام تھا، لیکن عام طور سے تاج الدین ریزہ کہلاتا تھا، اس کے قد کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ریزہ اس کے نام کا جزء ہو گیا، تحفۃ الکرام مین ہے:

"مرد حقیر الجثہ بود، لهذا این لقب یافتہ" (جلد ۲ ص ۱۰۵)

گل رعنا کے مؤلف لچھمی نرائن شفیق کا بیان ہے:

"چون حقیر الجثہ بود، اورا ریزہ می گفتند، و بعضے گویند در مقابلہ تاج الدین بزہ او را تاج الدین ریزہ می گفتند، بزہ بزبان ہندی کلان را گویند، تاج الدین بزہ شمس الملک کہ از فضلائے عصر بود سلطان المشائخ نظام الدین بداؤنی از و مقامات حریری سند کردہ آخر مستوفی الممالک شدہ، می گوید

اے مرحبا بکام دل دوستان شدی    مستوفی الممالکِ ہندوستان شدی"

گل رعنا کے مؤلف کی یہ توجیہ صحیح نہین، اس نے حضرت نظام الدین اولیا کے استاد اور سلطان غیاث الدین بلبن کے مستوفی الممالک مولانا شمس الملک کے نام کو تاج الدین بزہ کہکر خلط ملط کر دیا ہے، حضرت نظام الدین اولیا کے استاد اور بلبن کے مستوفی الممالک کا نام شمس الدین خوارزمی تھا، اسی لیے ان کو شمس الملک کا خطاب ملا، چنانچہ لچھمی نرائن شفیق نے جو مذکورہ بالا شعر لکھا ہے، اس مین بعض نسخون کے مطابق "اے مرحبا" کے بجائے "شمسا کنون" ہونا چاہیے، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ شعر تاج الدین نے مولانا شمس الدین کے مستوفی الملک ہونے پر کہا ہے، عرفات[1] العاشقین کے مؤلف کا خیال ہے کہ تاج الدین نیشاپوری سے ممیز کرنے کی خاطر تاج الدین کے نام کے ساتھ ریزہ بڑھا یا گیا، سیر العارفین مین اس کے نام کے ساتھ سنگ ریزہ لکھا ہوا ہے،[2] پروفیسر عبد الغنی نے اپنی انگریزی کتاب "پری مغل پرشین ان ہندوستان" (ص ۳۳۸) مین تاج الدین دبیر اور تاج الدین سنگریزہ کو دو علحدہ علحدہ شاعر بتایا ہے، جو صحیح نہین ہے، تاج الدین دبیر کے بارہ مین لکھتے ہین کہ وہ دہلی کا باشندہ تھا، اس کا دادا خسرو بن ملک شاہ کے عہد مین ہندوستان آیا،

---

[1] دیکھو اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۳۴ء [2] دیکھو سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۱۵، ۵۲ ایضاً نیز

اور شاہی فوج مین نوکر ہوا، تاج الدین کا باپ دہلی مین ۵۸۶ھ مین پیدا ہوا۔ اس کے آبا و اجداد مین کوئی شعر و شاعری کا ذوق نہین رکھتا تھا، پھر ص ۳۰۴ پر لکھتے ہین کہ تاج الدین سنگریزہ ایک خراسانی شاعر تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت اور اپنے بچپن کے زمانہ مین ہندوستان آیا پروفیسر موصوف کو تاج الدین سنگریزہ اور تاج الدین دبیر کو علیحدہ علیحدہ شاعر سمجھنے مین غلط فہمی ہوئی ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا،

تاج الدین ریزہ کی صحیح جائے پیدائش تو معلوم نہین ہو سکی لیکن وہ ہندی نژاد تھا، اپنے ایک قصیدہ مین خود ہی کہتا ہے۔

مولد و منشاء مبین در خاک ہندستان مرا نظم و نثرم بین کہ از آبِ خراسان آمدہ[1]

عرفات العاشقین کے مؤلف تقی اوحدی نے اس کو دہلی کا باشندہ لکھا ہے۔

"ملک تاج الدین ریزہ ساکن دہلی بود"

لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا مین اس کے نام کے ساتھ دہلوی ہی تحریر کیا ہے

شاید پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی نظر ان تذکرہ نویسون کے مذکورۂ بالا بیانات پر نہین پڑی، اس لیے وہ تاج الدین کو دہلوی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہین، اور تاج الدین کے ایک قصیدہ کے حسب ذیل اشعار کی بنا پر لکھتے ہین کہ تاج ریزہ یقیناً دہلوی نہین ہے،

سالہا شد بندہ را کز لطف ہر آزادۂ در حریم این حمالک حصہ حرمان آمدہ است

خانمان بگذاشتہ بر سمت شہرے رفتہ کو از علو قدر شاہش چون قدر خان آمدہ است

بے خیانت ہست متغناطیس در باب ہنر بندہ سوے این دیار از جذبۂ آن آمدہ است

یہ اشعار اس قصیدہ سے لیے گئے ہین جو کلیات انوری کے مطبوعہ نسخہ مین ہے، لیکن پروفیسر

[1] دیوان انوری ص ۸۹، نولکشور پریس، لاہور، نیز دیکھو اسلامک کلچر حیدر آباد دکن، جولائی سنہ ۱۹۴۲ء

محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق تاج الدین ریزہ ہے، یہ قصیدہ نظام الملک قوام الدین جنیدی کی شان مین کہا گیا ہے، پروفیسر محمود شیرانی نے مذکورۂ بالا اشعار مین "این ممالک" سے مراد دہلی لیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ اس قصیدہ کے بعض اشعار سے پایا جاتا ہے کہ شاعر اپنا گھر بار چھوڑ کر ان ممالک (مراد دہلی) مین ایک مدت سے پڑا ہے، مگر ابھی تک اس کو کامیابی نصیب نہین ہوئی ہے لیکن مذکورۂ بالا تذکرہ نویسون کے بیان کو ہم صحیح سمجھ کر تاج الدین کو دہلوی ہی تسلیم کرلین تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اوپر کے اشعار مین تاج الدین ریزہ نے جو کچھ کہا ہے وہ اسکا محض ایک پیرایہ بیان ہے، یا نہین تو پھر ہم یہ گمان کرین کہ یہ قصیدہ تاج الدین ریزہ نے اس زمانہ مین کہا جب نظام الملک دہلی سے کہین باہر رہا ہو، اسلامک کلچر (جولائی ۱۹۳۸ء) کے مضمون نگار نے بھی تاج الدین ریزہ کے ایک قصیدہ کے حسب ذیل اشعار کی بنا پر لکھا ہے کہ وہ دہلی کے لیے اجنبی تھا۔

عندلیب آسا سرائے خسروانی می زنم — خاصہ کاکنون روئے سخن سوئے بوستان آوردہ ام

پیل بالا زر فشاند بر پئے اسپم فلک — رخ چو سوئے حضرت شاہ جہان آوردہ ام

یہ اشعار اس قصیدہ سے لیے گئے ہین جو سلطان رکن الدین کے لیے کہا گیا تھا، فاضل مضمون نگار کا یہ بھی خیال ہے کہ تاج الدین ریزہ کا تعلق لاہور اور ملتان سے بھی نہین تھا، جو اس زمانہ مین اہل علم کے مرکز تھے، تو پھر آخر وہ کہان کا باشندہ تھا جب یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ وہ ہندوستان ہی مین پیدا ہوا تو پھر اس کو کہین نہ کہین کا باشندہ ماننا ہی پڑے گا، ڈاکٹر اقبال حسین اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین تحریر کرتے ہین کہ "تاج الدین ریزہ کے متعلق تمام تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ وہ دہلی مین پیدا ہوا اور یہیں تربیت پائی، جو اس زمانہ مین لاہور کے بجائے علم کا خاص مرکز بن گیا تھا۔ پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے ڈاکٹر اقبال حسین کی اس کتاب پر جب اورینٹل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۸ء) میں ایک طویل ریویو لکھا تو ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر کسی قسم کی تنقید نہین کی،

لیکن انھوں نے جب پروفیسر عبدالغنی کی کتاب "پری موغل پرشین ان ہندوستان" پر تبصرہ کیا تو تاج الدین کو دہلوی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ (رسالہ اردو، جنوری ۴۳ء) مگر جب پروفیسر محمود شیرانی مرحوم اور ان کے ہمنوا اسلامک کلچر کے مضمون نگار دونوں کا یہ خیال ہو کہ تاج الدین ریزہ کا خاندان شاہی دربار سے وابستہ رہا[1] جیسا کہ اس نے شہزادی رضیہ کے ایک قصیدہ میں کہا ہے،

بودے پدرم بمجلس تو یار سرہ و حریف محرم

تو پھر ہم کو عرفات العاشقین اور گل رعنا کی سند پر تاج الدین کو دہلوی ماننے میں بظاہر کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی،

تاج الدین ریزہ سن شعور کو پہنچا تو سلطان شمس الدین التمش کے دامن دولت میں پناہ گزین ہوا، اور اپنی خداداد ذہانت اور شاعرانہ کمال کی بنا پر سلطان کی نظروں میں محبوب بنا رہا، تاج الدین ریزہ نے بھی اپنی ممنونیت کا اظہار سلطان کی شان میں قصائد لکھکر کیا ہے، ۶۲۶ھ میں سلطان التمش کو خلیفہ ابو جعفر منصور المستنصر نے اس کی حکومت کے استقلال و خود مختاری کو تسلیم کر کے خلعت بھیجا تو سلطان نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ خلعت لانے والے سفیر کا خیر مقدم کیا، تمام دار السلطنت کو آراستہ کیا گیا، شہر میں قبے بنائے گئے، شادیانے بجائے گئے، امراء کو خلعت دیے گئے، اور جب سلطان نے خلیفہ بغداد کا بھیجا ہوا خلعت پہنا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی،

تاج الدین ریزہ نے اس طرب و شادمانی کے موقع پر حسب ذیل قصیدۂ تہنیت لکھکر پیش کیا:

مژدہ عالم را ز عالم آفرین آوردہ اند زانکہ شہ را از خلیفہ آفرین آوردہ اند

ناصر الاسلام مستنصر[2] کہ طوق طاعتش ز آسمان در گردن اہل زمین آوردہ اند

جبہ افلاک را گرچہ سراسر دامنست ز آستین پوشش طراز آستین آوردہ اند

[1] دیکھو اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۸ء اور اسلامک کلچر جولائی ۱۹۴۱ء حیدر آباد دکن [2] مورخوں نے خلیفۂ بغداد کا نام نہیں لکھا لیکن ابو جعفر منصور المستنصر باللہ کا نام اسی قصیدہ سے واضح ہوتا ہے،

شادی عامست در شہر انیکہ بہر شہریار ۔۔۔ خلعت خاصِ امیر المومنین آوردہ اند

خلعتے یارب چگونہ چون عروس آراستہ ۔۔۔ راست بر بالائے شاہ زآستین آوردہ اند

مرکبے کاندر روانی آب را ماند روان ۔۔۔ تا مگر باد صبا را زیر زین آوردہ اند

قصہ کوتہ نیز راقست آنکہ بالش را شکال ۔۔۔ از سر زلف دراز حور عین آوردہ اند

مرکبے[۱] زین سان مبارک خلعتے میمون چنین ۔۔۔ از برائے ظلّ یزدان شمس دین آوردہ اند

شاہ شمس الدین والدنیا آنکہ روز رزم و بزم ۔۔۔ آفرین بروے ز عالم آفرین آوردہ اند

حامی آفاق ایلتتمش کہ عزم و حزم او ۔۔۔ گرد بر گرد جہان حصن حصین آوردہ اند

تاج بخشِ خسروان صاحبقرانِ عہد آنکہ ۔۔۔ بخت را با تخت میمونش قرین آوردہ اند

چتر لعلش را ز بحر اخضر گردون نثار ۔۔۔ از کواکب بیکران در ثمین آوردہ اند

ہم چو رائے پیر او نزدیک ارباب خرد ۔۔۔ دیدۂ بخت جوانش دوربین آوردہ اند

طینت پاکش ز آب خضر ہمچون کردہ اند ۔۔۔ خاک رزم از خون خصمانش غمین آوردہ اند

دست در پیشانی شیران چو لرزد در وغا ۔۔۔ سروران زین روے بر پایش جبین آوردہ اند

پیش درگاہش کمر فغفور و قیصر بستہ اند ۔۔۔ ہر در بانش زر از جان نگین آوردہ اند

یا یمینش بحر کے آرد زدن لاف از یسار ۔۔۔ چون یسار اہل عالم زان یمین آوردہ اند

نفع و ضرّ بدسگال و نیک خواہش را بہم ۔۔۔ در سر زنبور زہر و انگبین آوردہ اند

بیضۂ ملک ترا از امن پنداری مگر ۔۔۔ جاے زیر شہپر روح الامین آوردہ اند

راستی بر رائے بدخواہت چو صاحب خاتمی ۔۔۔ در کژی مانند نقش از نگین آوردہ اند

---

[۱] اس قصیدے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خلعت کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا، طبقات ناصری میں گھوڑے کا ذکر نہیں، البتہ اس میں یہ ہے کہ خلیفہ نے اس موقع پر سلطان کے علاوہ شہزادوں، امرا، خدام اور غلاموں کے لیے بھی خلعت بھیجے۔ (ص ۱۷۴)

یا چو مرغ زیرک آویزه دید اندیشۂ خلق — موے را برگردنش حبل المتین آورده اند

نقره خنگ چرخ بازین دستان نوبتے آیت — لاجرم داغ پلاش بر سرین آورده اند

یا مثال ملک از طغراے او زینت گرفت — نامۂ فتح تو حینا بعد حین آورده اند

تیر تو مرغیست کز بیمش عقاب فتنه را — راست چون زاغ کمان گوشہ نشین آورده اند

صحن درگاہت بہ نزہت گلستانے شد کزو — خار خارے در دلِ خلد برین آورده اند

شهر را از شش جهت در زر و زیور بسته اند[1] — قبها سر بر سپهر هفتمین آورده اند

چرخ را با آنکه دارد قرص زرین در کنار — در میان خوان جشنت ریزه چین آورده اند

الطرب کز جنگ غم در پردهٔ تقدیر حق — خصم را از زه نواہاے حزین آورده اند

بر سماع خسروانی جام مے مینوش از انکه — نیست مے کز کوثرت ماء معین آورده اند

وز بقاے جسم بے مثلت که روح دولتست — روح تو در جسم خلق عالمین آورده اند

تا ز نیکی و بدی در عالم کون و فساد — در دل احباب و اعدا مهر و کین آورده اند

خسته ساز و خصم سوز و ازده و کشورستان — زانکه آئین جهانداری چنین آورده اند[2]

یہ طویل قصیدہ ہم نے اس لیے بھی نقل کیا ہے کہ تاج الدین ریزہ کی زبان دانی و شاعری کا اندازہ ہو، مذکورہ بالا قصیدہ کی زبان مین سلاست و شگفتگی، طرز ادا مین روانی و برجستگی ہے کہین آورد کا پتہ نہین، غیر ضروری تکلفات سے معانی و مطالب کو پیچیدہ نہین بنایا گیا ہے، عرفات العاشقین مین اسکے جو حسب ذیل اشعار منقول ہین ان سے بھی اسکے اسی قسم کے محاسن کا اندازہ ہوتا ہے،

---

[1] شہر کے آراستہ و پیراستہ کرنے کا ذکر تاج المآثر، طبقات ناصری، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ مین بھی ہے،

[2] یہ قصیدہ کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس لکھنو کے ص ۲۸۱ پر سے نقل کیا گیا ہے، جو غلطی سے انوری کیطرف منسوب ہو گیا ہے یہ قصیدہ خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار از علی تقی الدین محمد الحسنی الکاشانی مین بھی ملے گا، جو تاج الدین ریزہ ہی کیطرف منسوب ہے

چو زلفت آن بہبین بر روئے جانان | کز و گردد پریشانی پریشان
بمہر و ماہ می خواہد کند جنگ | رخش پوشیدہ است از زلف خفتان
خوشا رنجا خوشا درد ا خوشا عشق | کسے کو را نباشد نیست انسان
چو شمشیرش بخندد خصم گرید | بلے از برق بیند اگشت باران
کند مہرش نبات النعش را جمع | کند قہرش ثریا را پریشان
ہر آنکو بر خلافش دم بر آرد | نفس گردد بمغز اندرش پیکان
بود بے مدح تو تیغ معانی | چو محراق فقیران کند دندان[۱]

تاج الدین کی شاعری کے ان ہی دو چار نمونون کو سامنے رکھ کر بعض تذکرہ نویسون نے لکھا ہے کہ اس کا کلام بہت سادہ اور سلیس ہوتا تھا۔ ڈاکٹر اقبال حسین بھی لکھتے ہین کہ اسکی زبان کی پاکیزگی و سلاست اور موسیقیت کے غیر معمولی امتزاج کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان مین تکلفات اور تصنعات کا رواج نہین ہونے پایا تھا لیکن آگے چلکر ہم اس کے جو مختلف قصائد پیش کرین گے، ان کو دیکھ کر اس رائے کو تسلیم کرنے مین کچھ تامل ہے۔

تاج الدین ریزہ التمش کی بزم مین ساتھ رہنے کے علاوہ اس کی معیت مین میدان رزم مین بھی رہتا تھا۔ ۶۲۹ھ مین التمش گوالیار کی مہم پر گیا تو اس کے جلو مین تاج الدین ریزہ بھی تھا۔ اور جب گوالیار کا قلعہ ایک سال کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا تو تاج الدین ریزہ نے حسب ذیل رباعی کہی جس کو سلطان التمش نے بہت پسند کیا، اور قلعہ کے پھاٹک پر اس کو کندہ کرا دیا،

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت | از عون خدا و نصرت دین بگرفت

---

۱؎ عرفات العاشقین، قلمی نسخہ، خدابخش خان لائبریری، ورق ۱۶۰، و Early Persian Poets of India از ڈاکٹر اقبال حسین ص ۱۵۸-۱۵۷

آن قلعہ کالیور روان حصن حصین
درستماۃ سنۂ ثلثین بگرفت

یہ رباعی طبقات اکبری جلد اول (ص ۶۱-۶۰) مین اس بیان کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

"و ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر مملکت بود. در فتح قلعہ این رباعی گفت و بر سنگ دروازہ قلعہ کندہ اند"

یہی عبارت تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ منتخب التواریخ مین اس طرح درج ہے

"و در سنہ تسع وعشرین وستمایہ (۶۲۹) قلعہ گوالیار بکشاد و ملک تاج الدین دبیر مملکت در فتح آن قلعہ این رباعی گفتہ و بر سنگ نقش کردہ اند" (جلد اول ص ۶۷)

طبقات اکبری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ تاج الدین ریزہ دبیر مملکت بھی تھا، لیکن منتخب التواریخ مین تاج الدین کے ساتھ ریزہ نہین ہے. ڈاکٹر اقبال حسین مولف "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" اور اورنٹیل کالج میگزین کے ایک مقالہ نگار نے ان مورخون کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تاج الدین ریزہ التمش کے عہد مین دبیر مملکت تھا، لیکن اسلامک کلچر حیدرآباد دکن (جولائی سنہ ۴۸ء) کے ایک فاضل مقالہ نگار نے یہ بتایا ہے کہ تاج الدین ریزہ اور تاج الدین دبیر مملکت دو علحدہ علحدہ شخصیتین ہین، تاج الدین محض ایک شاعر تھا، جو ہاتھی کے پاؤن سے کچلواکر مروا دیا گیا. اور تاج الدین دبیر مملکت ۶۳۴ھ مین التمش کی ایک فوجی مہم مین مارا گیا. اب مذکورۂ بالا رباعی تاج الدین دبیر مملکت کی ہے تو تاج الدین ریزہ کی نہین ہوسکتی، اور اگر تاج الدین ریزہ کی ہے تو اس کو دبیر مملکت لکھنا صحیح نہین، لیکن اس عاجز راقم کا خیال ہے کہ یہ رباعی تاج الدین ریزہ ہی کی ہے، جو التمش کے عہد مین دبیر مملکت تو نہیں تھا، لیکن سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے عہد مین اس کا دبیر تھا، طبقات اکبری (جلد اول ص ۴۶) میں سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ذکر مین ہے،

"ازجملہ ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر سلطان بود، قصیدہ طویل گذرانید بانعام وصلہ معزز شد"۔

طبقات اکبری کے مؤلف نے تاج الدین کو التتمش کے عہد میں دبیر مملکت کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے دور میں اس کو سلطان کا دبیر کہا ہے، طبقات اکبری کے اسی خلط ملط بیان کی وجہ سے ساری غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے، یہ تو ضرور ہے کہ تاج الدین ریزہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کا دبیر رہا ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

تاج الدین ریزہ کے قصائد سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی رسائی شہزادوں اور امرأ کی بارگاہوں میں بھی تھی، اور وہ اس کی سخندانی اور سخن سنجی سے محظوظ ہونے کے لیے اپنے دربار میں بھی طلب کیا کرتے تھے۔ التتمش کے لڑکے غیاث الدین کی شان میں اُسنے دو قصیدے پیش[1] کیے، پہلا قصیدہ ملاحظہ ہو۔

ساقی بیا کہ مے لعل روشن ست — میدان خاک تیرہ گنوں سبز گلشن ست

از تیغ آفتاب ہمہ جوشن غدیر — شد رخنہ چوں تراہوس تیغ و جوشن ست

ہر جنبہ ورخیال من از گل بہ بوستان — گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست

اس بہاریہ تشبیب کے اگلے اشعار میں رعایت لفظی کا بڑا خیال رکھا گیا ہے، مثلاً "سوری" کے معنی خوشی کے بھی ہیں، اور ایک پھول کا نام بھی ہے، خانۂ تن کے ساتھ "جائے تن تن" (یعنی ٹن ٹن کی جگہ)، لایا گیا ہے، "قدیم" کے ساتھ "حدیث" اور سیر (بمعنی آسودہ) کے ساتھ "یک سیرو نکمن"

[1] یہ قصیدے کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس میں ہیں، پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی دقت نظر سے کام لیکر تنقید شعر العجم میں یہ بتایا ہے کہ کلیات انوری میں تاج الدین ریزہ کے قصائد بھی خلط ملط ہو گئے ہیں، اور اس کلیات میں سے تاج الدین ریزہ کے دس قصیدوں کو تمیز کیا ہے (دیکھو تنقید شعر العجم ص ۲۹۱-۹۶، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی) ہم نے اس حقیر تالیف میں تاج الدین ریزہ کے قصائد اسی کلیات انوری سے نقل کیے ہیں۔

(ہندوستانی وزن) بھی استعمال ہوا ہے، مطرا اور طرہ کی تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے،

سوری گرفت باغ ز دور فلک ولیک — قمری نگر کہ شیوۂ او باز شیون ست
شاخ درخت عود مطرا شد از صبا — زان بادہ کہ طرۂ گریوی چندن ست
در خانہ تن مزن کہ روستان عندلیب — در ہر بدشت وباغنچہ صد جان تن ست
خیراز مے قدیم مرا سیر کن بہ رطل — بگذار ازین حدیث کہ یک سیر و یکمن ست

آخری شعر مین "یک سیر و یک من" ہندی الفاظ ہین، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ ان الفاظ سے انوری کا واقف ہونا مشکل ہے، اسی لیے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ یہ قصیدہ گو کلیات انوری کے نولکشور پریس اڈیشن مین شامل کردیا گیا ہے، لیکن یہ انوری کے بجائے کسی ہندی نژاد شاعر (یعنی تاج الدین ریزہ) کا ہے آگے کے اشعار مین گریز ہے، پھر مدح شروع ہوتی ہے۔ قصیدہ کے اشعار یہ ہین

رود و دستگانی ای علی رغم دشمنان — کان دوست را کہ مے نخورد عقل دشمن ست
جانست بادہ در تن جامش رہا مکن — در جان من فرست کہ در خورد این تن ست
بھنچۂ گذشت بہارست گلفشان — بر خسروے کہ خاک درش تاج بہمن ست
چون گل بساز برگ چمن باز بہر آنکہ — بلبل بیاد مجلس عالی نوازن ست
عادل غیاث دین کہ بیک تن گر وغا — از بہر قصد جان عدو تہمتن ست
فرمان دہ زمانہ محمد شہ آنکہ ملک — از رائے او چو روئے عروسان مزین ست
موشی سخن شہی کہ ز فرمان جاہ او — ہر خوان خاص و عام کنون سلوی و من ست

مذکورۂ بالا اشعار سے اندازہ ہوگا کہ شاعر کے ممدوح کا نام غیاث الدین محمد شاہ ہے۔ کلیات انوری کے مطبوعہ نسخہ مین اس قصیدہ کو دیکھ کر پروفیسر محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ

"انوری کے عہد مین دو غیاث الدین گذرے ہین، پہلا غیاث الدین محمد سلجوقی المتوفی ۵۵۴ھ، دوسرا غیاث الدین محمد غوری برادر معظم شہاب الدین غوری، لیکن مین ان دونون سے اعراض کرکے التتمش کے فرزند غیاث الدین کے نام یہ قصیدہ مانتا ہون" یہ رائے تسلیم کرلی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاج الدین ریزہ نے یہ قصیدہ غیاث الدین محمد شاہ[1] کی شان مین اس وقت کہا جب کہ وہ اودھ کا حاکم تھا[2]، اس لیے کہ قصیدہ مین ممدوح محض ایک شہزادہ کی حیثیت سے ظاہر نہین ہوتا، بلکہ وہ کہیں کا فرمانروا معلوم ہوتا ہے جس کی عدل پروری اور تیغ آزمائی کی تعریف کی گئی ہے،

افراسیابِ عہد کہ این عالمِ فراخ — بر دشمنانش تنگ تر از چاہ بیزن ست
عدلش گواہ ملکت و محبش — با آن گواہ عدل جہان را مبرہن ست
از حزمِ شہ بگلبن مشکین نگر از انکہ — با سیم و زر میان بیابانش مسکن ست
در جائے ساخت در دلِ بدخواہ تیغ او — نشگفت از آنکہ جائے گہر سنگ و آہن ست
اے کردہ مومنان بجنابِ تو التجا — کان جانب از حوادث ایام مامن ست
شہباز دولتے و سلاطین کبوترت — وز طوق طاعتت ہمہ را زیب گردن ست
تا طعمۂ عقاب عنایت بود بزم — پرورد و دشمن تو چو مرغ مسمّن ست
شمشیر تو زخون عدو راند رود نیل — لیک آب نیل نیست در و آب روشن ست
زیر زمین زبیم چو قارون فرو رود — گر در نبرد خصم تو بازو رقارن ست
ہر کس کہ سرکشد چو مد از امر حزم تو — بر سہ زدہ ہمہ چو حروف منون ست
در چاک جیب صبح چو بینی لون او — کز خون حاسدت فلک آلودہ دامن ست

---

[1] طبقات ناصری (ص ۱۸۳) مین غیاث الدین محمد شاہ کو رکن الدین فیروز شاہ سے چھوٹا بتایا گیا ہے، موخر الذکر تخت دہلی پر بیٹھا، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا، جانشینی کی جنگ مین غیاث الدین محمد شاہ اپنے بھائی رکن الدین کے خلاف معرکہ آرا بھی ہوا، لیکن فتح رکن الدین ہی کی ہوئی،

ازاعتماد عدل تو در راہ کہکشان | بارے بہ بین ماہ کہ اورا چہ خرمن ست
ایوان تو چو منزل کیوانست بنگراین | شعرے کہ بر صحیفۂ شعریٰ مدون ست
ہر ذرہ بہر گفت وشنود ثنائے تو | دہ گوش ودہ زبان چو بنفشہ ست سوسن ست
سوسن سخن نگفت گراز رشک من چہ شد | من بندۂ توام نہ ہر آزادہ چون من ست
ہر فن کہ بندہ را تو دران امتحان کنی | پنداری از کمال مگر ہم درین فن ست
گراز دعا بسوے دعایت روم روا ست | کان حرز آزمودۂ ہر مرد و ہر زن ست
پایندہ باد سایۂ تو بر جہانیان | کز آفتاب رائے تو آفاق روشن ست

اگر یہ قصیدہ واقعی ریزہ کا ہے تو اس کا رنگ اس قصیدہ سے کچھ جدا ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اس میں لفظی صنعت گری، تلمیحات، مضمون آفرینی، ترکیب، بندش اور طرز ادا میں انوری کی پوری جھلک ہے، اتفاق سے انوری کا بھی ایک قصیدہ اسی قافیہ اور ردیف میں ہے، جس کی تشبیب ملاحظہ ہو۔

اے ترک اے بیار کہ عیداست و بہمن ست | ہنگام بادہ خوردن و شادی بر زن ست
ایام خرّ و خر گر گرم ست، ازین سبب | خرگاہ آسمان ہمہ در خزّ ادکن ست
خامی مدار خرمن آتش زدود عود | قادر چمن ز بیضۂ کافور خرمن ست
آن عہد نیست این کہ ز الوان گل چمن | گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست
سلطان دے بہ لشکر صرصر جہان بکند | بینی کہ چو صرصر وے چون جہان کن ست
در خفیہ گرنہ عزم خروج ست باغ را | چون آب گیر ہمہ پر تیغ و جوشن ست
نفس بنانی ار بہ غریب خانہ باز شد | عیبش مکن کہ مادر بستان سترون ست
باد صبا کہ فحل نبات نبات بود | مردم گیاہ شد کہ نہ مرد ست ونہ زن ست

از جوش نشو، دیگ نما تا فرونشست — از دود تیره بر سر گیتی تہبنن(؟) ست[1]

انوری اور ریزہ کے مذکورۂ بالا قصائد ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہین، ان دونون کے ایک شعر کا دوسرا مصرع تو بالکل یکسان ہی ہے،

| انوری | ریزہ |
| --- | --- |
| آن عہد نیست این کہ زالوان گل چمن | ہر حبزو درخیال من از گل بر بوستان |
| گوئی کہ کارگاہِ حریر ملوّن ست | گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست |

اب ریزہ کے اس شعر کے دوسرے مصرع کو یا تو توارد یا سرقہ کہا جاسکتا ہے یا یہ کہ کاتب نے غلطی سے دونون کے مصرعون کو خلط ملط کر دیا ہے، اگر واقعی خلط ملط ہوگیا ہے تو ریزہ تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے انوری کے طرز کا خوب چربہ اتارا ہے، ممکن ہے کہ اور شعراء کی طرح اس نے بھی انوری کے رنگ مین قصیدہ کہہ کر اپنی طباعی اور زبان آوری کا ثبوت دینے کی کوشش کی ہو۔

تاج الدین ریزہ کا ایک اور قصیدہ بھی غیاث الدین محمد کی شان مین ہے، اس مین وہ تکلف اور دقت آفرینی نہین جو مذکورۂ بالا قصیدہ میں ہے، یہ قصیدہ بھی ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، ان طویل قصیدون کو نقل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تاج الدین ریزہ کا گم شدہ اور منتشر کلام اکٹھا ہو جائے، گو ان قصیدون سے مفید تاریخی معلومات حاصل نہیں ہوتے، عام قصیدہ نگارون کی طرح تاج الدین ریزہ کے قصائد مین بھی محض غلو اور لفاظی ہے لیکن یہ مبالغہ آمیز مداحی کسی خوشامد یا تملق کی دلیل نہ تھی، اس زمانہ مین عام طور سے شعراء کے سامنے

---

[1] یہ اشعار تنقید شعر العجم (ص ۴۳-۲۴۲) سے نقل کیے گیے ہین، میرے پیش نظر قصائد انوری کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے لیکن یہ قصیدہ اس مین نہین ہے،

قصیدہ ہی کا میدان تھا، اور اسی سرزمین مین وہ اپنے جوشِ طبیعت کی جولانیان دکھاتے تھے، اور ان جولانیون کے دکھانے مین آسمان و زمین کے قلابے ملایا کرتے تھے، ان سے مراد ممدوح کی چاپلوسی نہین ہوتی تھی، بلکہ اس زمانہ کے مذاق کے مطابق زورِ طبع اور شاعرانہ کمال کا اظہار ہوتا تھا، جس سے شاعر کی عزت و توقیر بڑھتی تھی، تاج الدین ریزہ اپنے ممدوح سلطان رکن الدین کو مخاطب کر کے کہتا ہے،

روئے برخاک درت کان کحل چشم اخترست — بہر آب روے نہ از بہر نان آوردہ ام

چشم می دارم کہ یابم آبروے از دولتت — چو بیان خلق جودت رانمان آوردہ ام

اس لیے قصیدہ نگارون کی مبالغہ آرائی کوئی عیب نہین، بلکہ ان کے لیے مایۂ ناز ہے، بعض شعرا خصوصاً متاخرین نے تو مبالغہ کو اس قدر ترقی دی کہ اس سے زیادہ وہم و خیال مین بھی نہیں آسکتا، اور یہ مستقل ایک فن بن گیا، چنانچہ ایسے لوگون کی بھی مدح کی جاتی جو اس کے مطلق مستحق نہ ہوتے، لیکن ان کے اوصاف بھی بیان کرنے مین قصیدہ نگار اپنا پورا زور صرف کر دیتے، مادح اور ممدوح دونون سمجھتے تھے کہ مدح مین جو خیالات ادا کیے جاتے ہین، ان کا تعلق حقیقت سے نہین بلکہ محض تفریح اور فن شاعری سے ہے، تاج الدین ریزہ کی مداحی کو بھی اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے، گو اس کے قصیدے مین وہ غلو نہین جو بعد کے شعرا مین پیدا ہوا، ہان تو وہ قصیدہ ملاحظہ ہو، اس کی تشبیب میں تو ایک غزل ہی کہدی گئی ہے جس مین صنائع و بدائع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، مثلاً "مرغزار" اور "مرغ زار" مین تجنیس تام ہے، خسروانی بلبل اور شیرین لقا، تلمیح کے ساتھ لائے گئے ہین، "عرض اور عارض"، "قمر"، "مقامیر" اور "قمار" مین شبہ اشتقاق ہے، "نوبادۂ حیات" اور "بادہ کہن"، "جہان کہن" اور "نوبہار گل" "دماغ خشک" اور "غزل تر" مین صنعت تضاد ہے۔

افزود باز رونق ہر مرغ زار گل | چون زیر یافت نالۂ ہر مرغ زار گل
دوراہ خسروانی بلبل بزن ازانکہ | شیرین لقا نمود زہر مرغ زار گل
چون گشت از نسیم سحر گرد عبیر یار | ہیچ از گلاب گر نگرفت اعتبار گل
تا بار سیم برکف آرد برون کشید | از غنچہ دست بر زر خالص عیار گل
چون عرض کرد عارض کافور دام خویش | افگند چین برابروے مشک تتار گل
تا شد قمر مقامیر گل بر بساط لطف | دست ندب بہر دو زغوو قمار گل
در موسمی کہ مست طرب شد جہان چنانکہ | جز حزم شد ندید دگر ہوشیار گل

لہ عرفات العاشقین کے مؤلف تقی اوحدی اور صاحب مجمع الفصحا رضا قلی خان نے اس قصیدہ کو تاج الدین ریزہ ہی کا طرف منسوب کیا ہی لیکن ڈاکٹر اقبال حسین اپنے مقالہ Early Persian Poets of India میں لکھتے ہیں "تقی اوحدی اور رضا قلی خان نے غلطی سے انوری کے بعض قصائد کو تاج الدین ہی کی طرف منسوب کر دیا ہے، دونوں اپنے تذکروں میں ایک قصیدہ نقل کرتے ہیں جس کو تاج الدین کا قصیدہ بتاتے ہیں، اس کا مطلع یہ ہے،

افزود باز رونق ہر مرغ زار گل | چون زیر یافت نالۂ ہر مرغ زار گل

یہ قصیدہ انوری کا ہے جو اس کے دیوان میں موجود ہی (دیوان انوری ص ۲۶۴ - ۲۶۳) اس غلطی سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تاج الدین اور انوری کے اشعار رنگ و اوزان، انداز بیان اور طرز ادا میں انوری سے اسقدر مشابہ ہیں کہ تقی اوحدی اور رضا قلی خان جیسے صاحب نظر تذکرہ نویسوں کو بھی ایک دوسرے کے اشعار کو ممیز کرنے میں دھوکا ہو گیا، یہ تاج الدین کے شاعرانہ محاسن کی دلیل ہی" ان سطور کو قلمبند کرتے وقت ڈاکٹر اقبال حسین کی نظر محمود شیرانی مرحوم کے اس مضمون پر نہیں پڑی جو انھوں نے اپریل ۱۹۲۴ء کے رسالہ اردو میں لکھا تھا، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کلیات انوری میں آٹھ دس قصیدے تاج الدین ریزہ کے ہیں، محمود شیرانی مرحوم نے ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب پر ریویو کرتے ہوئے بھی ان کی اس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے (اورنٹیل کالج میگزین، مئی ۱۹۲۸ء ص ۶۹ - ۶۸)

براعتماد دولت بیدار شہریار | باسیم وزر بجفت بدست آشکار گل
نوبادۂ حیات شمر بادۂ کہن | کافشاند بر جہان کہن نوبہار گل
پژمردہ چو بنفشہ چہ باشی بنوش مے | کامسال تازہ کرد بُن را چو پار گل
آن لالہ گون مے کہ خیابانش چو بشگفد | بشگفت اگر بجان طلبد زینہار گل
زان مے دماغ خشک مرا مایہ دہ نخست | پس بر سماع این غزل تر بیار گل

اس غزل کے بعد بھی ایک مختصر سی تشبیب ہے جس کے بعد مدح شروع ہوتی ہے لیکن اس مدح مین کوئی خاص بات نہین، نہ اور قصیدون کی طرح سلاست ہے، نہ صفائی، نہ حسن بندش اور نہ قوت تخیل کی دلفریبی، البتہ گریز مین کچھ دلآویزی ضرور ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا سارا زور تشبیب کی غزل ہی مین صرف ہوکر رہ گیا ہے،

کاے ناشگفتہ چون تو درین روزگار گل | مانند من ز عشق تو در خارخار گل
از استماع شرح مقاماتِ حسنِ تو | قانونِ عمر خویش کند اختصار گل
تا آفتاب تافتہ مانند ز غم چو من | زین پیش زیر سایۂ سنبل مدار گل
از رخ نقاب شعر براند از تا ز رشک | پیراہنِ حریر کند تار تار گل
در گردن تو تا نشود چون گل زمن | بشنو سخن منہ زلبِ گوشوار گل
تا نیلگون چو وسمہ شود گل ز غرتت | بر دست و پاے خود ز حنا زنگار گل
بر چشم من گذار قدم از رہِ کرم | زیرا کہ درخور است درین جویبار گل
نوروز ے دگر چہ نداری براے شاہ | باری چو من ز گلشنِ خاطر بیار گل
زیرا کہ از شگوفہ پروین ملائکہ | آرند پیش تخت شہ تاجدار گل
عادل غیاث دین کہ حقیقت ز خلقِ اوست | نزدیک زیرکان جہان مستعار گل

جمشید روزگار محمد شہ آنکہ کرد
بر ذات او خدای ز دولت شعار گل

شاہی کہ در حمایت شمشیر تیز او
از ہیچ تند باد نشد خاکسار گل

باغیست معرکہ ز خار سنان او
در یک نفس شگفت ز نصرت ہزار گل

ابریست دست او کہ ز فیض سخاوتش
بر داد امید را ز زمین و یسار گل

شاہا بہ پیش رای تو خورشید نور بخش
بی آب شد چنانکہ ز تاثیر نار گل

سازندہ نیست خصم ترا مملکت چنانکہ
اہل زکام را نبود سازدار گل

در رزم تو کہ خون عدو کف کند چو بحر
کوہی کہ ہست ریختہ بر لالہ زار گل

از بس نجار خون کہ رود سوی آسمان
در چشم آفتاب کند زان نجار گل

پیکان برگ بید تو بر خاک افگند
از شاخ عمر خصم نیاوردہ بار گل

دشمن ز حملۂ تو شود بی قرار از آنکہ
با صرصر خزان نہ پذیرد قرار گل

ہر کار کرد خنجر نیلوفری تو
افشاند آن زمان ز ظفر کردگار گل

باد از غبار جنگ تو سوی چمن برد
گیرد مزاج عنبر تر زان غبار گل

عیسی دمام از گلستان مدح تو
می شد برای تقویت دل بکار گل

در ذوق ناطقہ چو شکر بود لفظ من
از مدحت تو باشکرم گشت بار گل

گر من ردیف شعر خود از گل نکردمی
ہرگز سخن بری بنکردی شعار گل

نی نی اگر ز مدح تو عزت نیافتی
بودی چو خار سوختہ ہموار جوار گل

بر جادۂ دعا قدمی می نہم کنون
شاید کہ دست باز کند چون چنار گل

بشمار سال خویش در اقبال آن قدر
کارد زمانہ باز پریشان شمار گل

گل ریز کن بموسم نوروز تا کند
بر نرگس فلک ز اسپیت افتخار گل

گہ جام رادہن بلب جوئے بوسہ زن گہ درمیان سبزہ کش اندر کنار گل

اگر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی قیاس آرائی صحیح تسلیم کرلی جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاج الدین ریزہ نے ایک قصیدہ سلطان شمس الدین التیمش کی لڑکی شہزادی رضیہ کی خدمت مین گذرانا جس کا مطلع یہ تھا،

اے فخر ہمہ نژاد آدم وی سیدۂ زمانِ عالم

یہ قصیدہ کلیات الوری مطبوعہ نولکشور پریس مین درج ہے، کلیات الوری مین اس قصیدہ کو دیکھ کر پروفیسر محمود شیرانی نے الوری کے حالات قلمبند کرتے وقت شروع میں یہ لکھا ہے کہ اوحد الدین الوری کا باپ محمد ایک شہزادی کریمۃ النساء رضیۃ الدین کی سرکار مین ایک قابل اعتماد منصب پر سرفراز تھا، سرکار شعراء کی قدردان تھی، الوری اپنے باپ کی وفات کے بعد اسی سرکار مین توسل قائم کرنا چاہتا تھا، اسی لیے مذکورۂ بالا قصیدہ لکھا، لیکن الوری کے حالات و شاعری پر تبصرہ ختم کرکے "کلیات الوری طبع نولکشور" کی ایک علیحدہ سرخی قائم کی ہے، اور اس کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ "مین ایک مدت تک اس قصیدہ کو سلطان رضیۃ الدین بنت سلطان شمس الدین التیمش کی مدح مین مانتا رہا، لیکن الوری کے ایک قلمی کلیات مین جس سے گذشتہ بالا الحاقی قصائد ترک کردیے گئے ہیں، یہ قصیدہ داخل ہے، اس شہادت کی بنا پر مین اپنے نظریہ سے دست کش ہوگیا ہون، اگرچہ مطمئن نہیں ہون"، دار المصنفین کے کتب خانہ مین بھی قصائد الوری کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس میں بھی یہ قصیدہ موجود ہے لیکن قصیدہ کی سرخی "در مدح صفوت الدین مریم گوید" ہے" معلوم نہین صفوت الدین مریم سے کون خاتون مراد ہے، پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی مذکورۂ بالا رائے رسالہ اردو (اپریل ۱۹۲۴ء) مین ظاہر کی تھی، لیکن ان کا شبہہ کچھ یقین کے درجہ پر ۱۹۳۸ء مین پہنچ گیا، جب کہ انھون نے

ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب Early Persian poets of India پر ریویو کرتے ہوئے اورنٹیل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۰ء) میں لکھا کہ تاج الدین ریزہ نے ایک اور قصیدہ غالباً شہزادی رضیہ سلطانہ کی شان میں لکھا ہے، جب التمش زندہ ہے،" اسلامک کلچر (جولائی ۱۹۴۰ء) کے ایک مضمون نگار نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ قصیدہ رضیہ بنت سلطان شمس الدین التمش ہی کی شان میں کہا گیا ہے، اس مشتبہ قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

اے فخر ہمہ نژاد آدم | وی سیدۂ زمانِ عالم
روح القدس از پے تفاخر | مہر تو نہادہ مہر خاتم
سلطانت کریمۃ النسا خواند | شد ذات شریف تو مکرم
راضی ز تو اے رضیۃ الدین | حق قادر و ذوالجلال اکرم

جن اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قصیدہ کی مخاطب کسی بادشاہ کی لڑکی ہے، یہ ہیں

اقبال تو بر فزونست ہر روز | از دولت خسرو معظم
آن پادشہے کہ خسروان را | از ہیبت او فرو شود دم

اسی قصیدہ کے کچھ اور اشعار سن لیں،

در خدمت طالع تو دارد | سعد فلکی دو دست بر ہم
بر خستگی نیاز مندان | پیوستہ ز لطف تست مرہم
اعدائے ترا ز ہ گریبان | طوقیست لشکل ما را رقم
ار جو کہ رسے شود بمد حت | ہر اغلب ما و جان مقدم
بادات بقائے عز و اقبال | بیش از رقم حروف معجم
ماہ رمضان خجستہ بادت | تا ہیش صفر بود محرم

ان ہی قوافی مین ظہیر فاریابی کا بھی ایک قصیدہ ہے جو اس نے ملک نصرۃ الدین کی مدح میں کہا تھا۔ اس کے بھی دو چار اشعار ملاحظہ ہوں:

اے حکم تو چوں قضائے مبرم — در زیر نگین گرفتہ عالم
تاریخ اساس بادشاہیت — بر فطرت آسمان مقدم
ہر جا کہ زدی بہ عنف زخمے — لطف تو برنہاد مرہم
عفو سخطت مزاج زنبور — آمیختہ بالعاب ارقم
با گوہر پاکت از خجالت — بر خاک نشستہ آب زمزم

اگر پہلا قصیدہ انوری کا تسلیم کر لیا جائے تو یہ بہت ممکن ہے کہ ظہیر نے انوری کی تقلید میں اپنا قصیدہ کہا ہو، کیونکہ پروفیسر شیرانی کا بھی بیان ہے کہ ظہیر کے قصائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہیر انوری کا مقلد ہے، اور انوری کے جواب مین اس نے چند قصائد بھی لکھے ہیں، گو ان میں کوئی ترقی نہین دکھائی ہے[1]، اور اگر پہلا قصیدہ انوری کے بجائے تاج الدین ریزہ ہی کا تصور کر لیا جائے تو پھر بھی کہا جا سکتا ہے کہ ریزہ نے ظہیر فاریابی کی تقلید مین یہ قصیدہ کہہ کر اپنا استادانہ رنگ دکھلانے کی کوشش کی ہے۔ اس نے ایک اور قصیدہ ظہیر کے طرز پر کہا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا، اب اگر یہ قصیدہ تاج الدین ریزہ ہی کا ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا باپ رضیہ کی سرکار مین کسی معزز منصب پر مامور تھا، کیونکہ وہ کہتا ہے

بودے پدرم بمجلس تو — یار سرہ و حریف محرم

تاج الدین ریزہ کی شاعری کے نغمے، التتمش کے وزیر نظام الملک قوام الدین محمد جنیدی کے دربار مین بھی سنے گئے، جو اپنے تدبر، علم و فضل کے علاوہ علم دوستی اور علم پروری کے لیے بھی اس عہد مین امتیازی حیثیت رکھتا تھا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ اسکا دربار بھی علماء، فضلا اور شعراء سے

[1] تنقید شعر العجم ص ۲۶۶

سے مزین رہا، شعرا اس کی شان مین بھی قصیدے کہہ کر اس کے جود و کرم سے فیضیاب ہوتے تھے، معلوم نہین تاج الدین ریزہ نے اس کی تعریف و توصیف مین کتنے قصیدے کہے تھے لیکن ہم کو اس کے صرف دو تین قصائد ملے ہین، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، ان قصیدون کے متعلق یہ بتانا مشکل ہے کہ ان مین سے پہلے کون سا قصیدہ کہا گیا ہے اسی لیے ہم ترتیب زمانی کا خیال کیے بغیر بیان پر ان کا ذکر کرتے ہین، ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

بیدلان را روے تو آئینہ جان آمدہ است　　　وز لب و دندان تو لولو و مرجان آمدہ است

یہ ایک طویل قصیدہ ہے جس مین ۵۳ اشعار ہین، خاقانی کے بھی دو طویل قصیدے اسی قافیہ مین ہین، گو ردیف کچھ مختلف ہے لیکن بحر ایک ہی ہے، ایک کا مطلع یہ ہے،

صبح خیزان بین بصدر کعبہ مہمان آمدہ　　　جان عالم دیدہ و در عالم جان آمدہ

گو معنوی حیثیت سے خاقانی اور تاج الدین ریزہ کے قصیدون مین کوئی موازنہ نہین ہو سکتا لیکن ممکن ہے کہ خاقانی کے ان ہی قصیدون سے متاثر ہو کر تاج الدین ریزہ نے یہ قصیدہ لکھکر اپنے زور طبع کا اظہار کیا ہو،

تاج الدین ریزہ کا یہ قصیدہ الفاظ کی فصاحت، ترتیب اور تناسب اور ساتھ ہی ساتھ خیالات و تشبیہات کی لطافت کے لحاظ سے ایک اعلیٰ معیار کا قصیدہ کہا جا سکتا ہے، اس کو اپنے اس قصیدہ کی خوبیوں، خصوصاً اس کی زبان کا غالباً خود بھی احساس ہے، چنانچہ اسی قصیدہ مین کہتا ہے،

مولد و منشا ہمین در خاک ہندوستان مرا　　　نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

قصیدہ میں رنگینی کے ساتھ موسیقیت بھی ہے، اور گو بعض وسیع خیالات چند الفاظ ہی مین پیش کیے گئے ہیں، لیکن اس سے اثر اور بلند آہنگی مین فرق نہین آنے پایا ہے، اب پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

بیدلان را روئے تو آئینہ جان آمدہ است — وزلب و دندان تو لولو و مرجان آمدہ است

چون نسیم زلف تو بوبیند گویند از فرح — مژدہ اے گیہان کہ ما را مژدۂ جان آمدہ است

گرچہ خوان حسن روئے تست بہر ملح را — زان لب شکر فشان بر وے نمکدان آمدہ است

از گل رخسار تو اے خار عشقت سینہ را — خار خار و در دل گلہاے بستان آمدہ است

صوفی سرمست سیارات یعنی مشرقی — بہر تو چون زہرۂ مطرب غزل خوان آمدہ است

زادۂ خورشید در تابست از رخسار تو — تا چرا زلفت بران گلگون بجولان آمدہ است

روئے تو ماہ است و دل از مہر خاک کوئے تو — ہمچو عکس مہر و مہ در آب لرزان آمدہ است

عارض من زمان زمانی باز آبی گون شد — تا لب لعل تو چون یاقوت درمان آمدہ است

خون دل بر خاک می افشانم از دولاب چشم — تا مرا سودائے آن چاہ زنخدان آمدہ است

گرد زلف را زنخدان تو سرگردان چو گوے — گرچہ گردان حال گوے از زخم چوگان آمدہ است

کلبۂ دل ست معمور فلک را طعنہ زد — تا خیالت اندران ویرانہ مہمان آمدہ است

بے خیالت گنج بود و گرد گنج آنجا مقام — زانکہ مسکن گنج را در کنج ویران آمدہ است

بے قد چون تیر تو پشتم کمان تمثال کرد — چون کمان وقت کشاد تیر نالان آمدہ است

جزع من از عشق لعلت بر رخ بے جادہ رنگ — چون سر کلک وزیر شہ درفشان آمدہ است

آصف ثانی نظام الملک دستور جہان — کز کمال کامگاری چون سلیمان آمدہ است

صاحب عالم قوام الدین محمد کز شرف — چون محمد زبدۂ ترکیب ارکان آمدہ است

ہم انیس خدمتش گشت است دولت چون انس — ہم سلامت لازم صدرش چو سلمان آمدہ است

اس کے بعد نظام الملک قوام الدین کی عقل و دانش اور تدبر و سیاست کی تعریف ایک خاص پیرایہ میں کی گئی ہے،

قطرۂ از جام نقلش حصۂ قطران رسید — لقمۂ از خوان عقلش قسم لقمان آمده است
فقہ دولت اندر الفاظ کلامش مضمر است — گوئی آن الفاظ را اعجاز قرآن آمده است

نظام الملک بڑا صاحبِ علم بھی تھا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، ربزہ اس کے خط و انشا کی تعریف یون کہتا ہے،

مرغ کلکش را گذر بر بحر ظلمت می فتد — لاجرم منقار او بر آب حیوان آمده است
تا رقاع مکرمت گشت از خط ثلثش روان — ربع مسکون جہانش زیر فرمان آمده است

اس کے بعد اس کے خلق کی تعریف ایک اچھوتے انداز مین کی ہے.

تا نسیم عنبر افشانی کہ خلق خواجہ راست — از علامتش یکے در باغ ریحان آمده است

پھر اس کی سپہگری اور دشمنون پر فتح و کامرانی اور ہنر پروری کا ذکر کیا ہے

پیش چشم ہمت عالیش از روئے قیاس — ہیئت چرخ سدا بے چون سپندان آمده است
از تنِ دشمن بزخم تیغ گوہر دار را — خاک ہیجا غیرت لعل بدخشان آمده است
گرچہ رمحش مار پیچان است لیکن از بیم آن — دشمنش بر خویشتن چون مار پیچان آمده است
ابر نصرت خوان کمانش را کہ از تاثیر آن — روز و شب بر فرق دشمن تیر باران آمده است
عرصۂ دل دشمنان را تنگ و تاریکست لیک — تیر او بے را ہبر آنجا چو پیکان آمده است
صاحبا آن شہ نشانی کز دبیر آسمان — نام تو بر نامۂ اقبال عنوان آمده است
گوہر آل جنیدی و ز کرامت ہائے تو — مالک دنیا رشید ہر کو سخندان آمده است
ہر کہ سر بر خاک ایوانت نہد از روئے قد — پایش از تحت الثریٰ بر اوج کیوان آمده است
وانکہ سر بر داشت از پائے تو دور دولتش — چون سر گیسوے مہ رویان بپایان آمده است
تا ز اکرم گرد سر بپائے خویشتن — در مزاج خلقت افلاک دوران آمده است

چون فشاند دامنِ پرنور بر چرخ آفتاب — گر نہ بار آئی سیرت ہم گریبان آمده است

دشمنت از غایت سروے کہ در افعال اوست — پوستینہا را فراخور چون زمستان آمده است

با نواے پیمانۂ عمر حسودت پر شده — باز گویم چرخ را با من چہ پیمان آمده است

تا مخالف گشت بخت ساز دارم کار من — راست چون زلف نگارستان پریشان آمداست

شکل طالع سعد و عالم نحس مشکل حالتست — تا اگر نہب کواکب جملہ بہتان آمده است

سالہا شد بنده را گر لطف ہر آزادۂ — در حریم این ممالک حصہ حرمان آمده است

خان و مان بگذاشتہ بر سمت شہرے رفتہ کو — از علو قدر شاہش چون قدرخان آمده است

اس کے بعد نظام الملک کے جود و کرم کی مدح و ستایش ہے بعض اشعار سے شاعر کے کچھ ذاتی حالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھائیوں کا ستایا ہوا تھا، اسی لیے نظام الملک کے دامن مین آکر پناہ لینا چاہتا ہے، اسی سلسلہ مین اپنی نظم و نثر کی خوبی و فضیلت کا بھی اظہار کرتا ہے، شاید اس لیے کہ اس کے ممدوح کی ہنر پروری کا جذبہ اچھی طرح بیدار ہو، اور آخر مین ممدوح کے لیے دعائیں کر کے قصیدہ ختم کر دیتا ہے،

خوان جودش زیر چرخ کاسہ شکل آراستست — این ثناخوان بے نصیب از جور اخوان آمداست

یوسف احسان چو در چاه جفا محبوس شد — بنده چون یعقوب سوے بیتِ احزان آمداست

کشتیِ نوح است درگاہت چہ باک آید مرا — گر ز بیدادی بر اہل فضل طوفان آمداست

قسم دونانست گر یکجا دونان بینی بچشم — گوش دار این نکتہ کز دانائے یونان آمداست

کار من گردان روئے گردون نجود سے حاسم — نے ستم بر من ازین گردون گردان آمداست

از کمال خود مراد حاسدم را وزن کن — تا بمیزان ہنر سوئے کہ نقصان آمداست

مولد و منشا مبین در خاک ہندوستان مرا — نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمداست

تاچہ نعل نقرہ خنگت چرم زرین ہلال        ہر مہی بر صحن این فیروزہ میدان آمد است

ماہ ایوان تو تابان باد از اوج ظفر        کز فروغش نور بر خورشید تابان آمد است

باد چون لالہ ز خون خصم تیغت سرخ رو        کز تو سرسبزی اہل شرح معان آمد است

عمر نوحت باد و شغلت فارغ از طوفان عزل        گرچہ اخلاق ترا اخلاق کنعان آمد است

رغم بدخواہان نکو باد بعونت کار من        گرچہ نیکی و بدی از حکم یزدان آمد است

عرفات العاشقین کے مولف نے بھی تاج الدین ریزہ کے ایک ایسے قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں، جو اس نے نظام الملک کے لیے کہا تھا، ان اشعار کی زبان بھی سادہ، شگفتہ اور ساتھ ہی ساتھ رنگین بھی ہے، ملاحظہ ہو،

اے صاحبے کہ چون اثر رحمت خدائے        باران جود تو بزمین و زمن رسد

بر خاک آستان تو چون بگذرد صبا        اندر مشام چرخ نسیم سمن رسد

در فصل نوبہار ز تاثیر دست تست        ہر سر عدو ہمہ تیغ بمن رسد

گرچہ فرشتہ روے واز تاب خشم تست        ہر شعلہ کز فلک بسوئے اہرمن رسد

از فر راے روشن گیتی فروز تست        اندر تیرگی ہر آنچہ بروئے سمن رسد

موسی صفت مشیرے و ہارون صفت وزیرے        زان قوم را ز سعی تو سلوی و من رسد

سیم سخن بمدح تو سنجیدہ جو بہ جو        لیکن زر از ترا ز جود تو بمن رسد[1]

نظام الملک کی مدح میں ایک اور قصیدہ بھی تاج الدین ریزہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کو ابھی ہم نقل کریں گے، لیکن اس کی زبان کچھ مختلف یعنی مشکل اور مغلق ہے، اگر یہ قصیدہ ریزہ ہی کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی یہ عمومی رائے کہ تاج الدین ریزہ

---

[1] عرفات العاشقین، ورق ۱۷۱ - ۱۷۰

کے قصائد کی زبان مین سلاست اور سادگی ہے[1]، نظرثانی کے قابل ہے، اس کے اور قصیدے سلیس اور سادے ضرور ہیں لیکن اس قصیدہ مین اس نے ایک مختلف رنگ اختیار کرکے اپنے علم وکمال کا اظہار کرنے کی زیادہ کوشش کی ہے، اس قصیدہ مین شان علمیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے قوافی بہت ہی سنگلاخ اور دشوار ہیں، اور شاید ان قوافی میں تاج الدین ریزہ نے قصیدہ کہہ کر اپنی جودت طبع کا اس لیے بھی اظہار کیا ہے کہ ابوالفرج رونی اور انوری کا بھی ایک ایک قصیدہ ان ہی قوافی مین ہے، گو ردیف مختلف ہے، ناظرین کی ضیافت کے لیے ہم ابوالفرج رونی کے قصائد کے بعض اشعار یہان پر نقل کرتے ہین۔

بحرے کہ میغ رزق بجودش مطیر گشت | صدرے کہ سطح ملک بر ایش ممہد است
ہر فضلۂ ز عزمش رخشے است بادپائے | ہر وعلہ ز حزمش درعی فرر داست
شمشیر ہائے ظلم شیاطین روزگار | یک یک ز بیم ذرۂ عدلش مغمد است[2]

انوری کے قصیدہ کے بھی دو شعر ملاحظہ ہوں۔

تیغ فلک ز تیغ تو اندر نیام باد | تا بر فلک مجرہ چو تیغ مہند است
چشم بد از تو دور کہ در روزگار تو | چشم بلاد فتنۂ ایام ارمد است

ان ہی مشکل قوافی مین تاج الدین ریزہ کا پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

صبح خیز انکہ وصف آن خط وخد کردہ اند | در رہ فکرت نوشتن جہد بجد کردہ اند
بہر حل وعقد یک معنے ولفظ جان فزائے | خون دل صد بار محلول ومقصد کردہ اند
نذ آتش اندیشہ خود راہند وآسا سوختند | آن جوانمردان کہ نعمت ترک امرد کردہ اند
تا بدل کاری نفس بعت مشکین نقاب | روح را بر صحن کافوری مجسد کردہ اند

---

[1] اورنٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۸ء [2] دیوان استاد ابوالفرج رونی مرتبہ پروفیسر چایکین ص ۳۰

شعر باد است و چو اعجاز سلیمان نبی — سحر مطلق بین که بادے را مقید کرده اند

پس برسم من بر اطلاق کهن از نظم تو — عهد یاران قدیمے را مجدد کرده اند

نیستم از ایشان و هستم بر تو شیدا کز ازل — قصر عشقت در دل ویران مشید کرده اند

اے بلا شورے که گویند کربلائے دیگر است — کز شهیدانت در و هر جائے مشهد کرده اند

نرگس بستان حسن آن چشم خواب آلوده است — از چه روان چشم پر خونم مسهد کرده اند

روئے و موئے تست از بهر نبرد عاشقان — خنجر و درعیکه مصقول و مزرّد کرده اند

زان صلیب زلف کافر از فشانی دیده اند — مومنان صلیب نام خویش مرتد کرده اند

وان نبات رسته گرد چشمهٔ حیوان تو — بهر نفس ناطقه شاخ طبرزد کرده اند

باز ده جانان دلم بپذیر این بند سره — زانکه در سودا ازین سان قلب را رد کرده اند

قامتت را اگر الف خوانم بران مقصود نیست — نیز ممد و دست کابروے تو چون مد کرده اند

هم بمعبود یکه جایش نیست لیکن کعبه را — خانهٔ او خوانده و محراب و معبد کرده اند

گرچه در تکبیر ذکرش را مثنے گفته اند — لیکن از تنزیه وصفش را موحد کرده اند

لاله و شمشاد را مشاطگان صنع او — بارخ زیبا و با زلف مجعد کرده اند

هفت مینا خانه بر شمع منیر اختران — در سر شش روز از دور مصعد کرده اند

کز کمر شمشیر جوزا گوهر مدحت نثار — بر سر کلک قوام الدین محمد کرده اند

قاصدے را کانتظام حال می جوید چو من — راه درگاه نظام الملک مقصد کرده اند

آن سلیمان قدر واصف را که زین بس منزلت — خانهٔ دیوانش چون صرح ممرد کرده اند

ظل ممدود است حالے در پناهش خلق را — در بهشت خانهٔ او وعدهٔ طلح منضد کرده اند

خسروانرا گوش از لطفش مقرط داده اند — سروران را گردن از لطفش مقلد کرده اند

در مشام روح می آید ز خاکِ درگهش — روح آن عطر یکه نامش عنبرو ند کرده اند
صورت اقبال زان ذات یگانه تا ابد — فرق نتوان کرد کایشان را دو فرقد کرده اند
در مقامے کز بخار خون واز گرد نبرد — چشم مینائے سپهر از کحل ارمد کرده اند
جان سپارانش بدان خارستان آیدار — خاک از خون دل مردان مورد کرده اند
رایتش را از برائے نصرت انصار حق — دائما تائید یزدانی موید کرده اند
دین تازی را ز بیم ترکتاز چینیان — چون حریم ایمن بدان تیغ مهند کرده اند
هر کرا تیغش از فعلِ عناصر آمده است — در سوارانِ سپاهش اسم مفرد کرده اند
دشمنش مطرود و نا زیباست از سر تا بپائے — لیک در هیجا سرش را زیب مطرد کرده اند
صاحبا از سهم اقلام تو تیغ فتنه را — در اقالیم جهان مغلول و مغمد کرده اند
گر کسے لازم کند بر خود خلاف امر تو — قول او را اهل این دوران مردد کرده اند
رخ دهد رائے تو زیر تخت ضیا بخشے رواست — شاه انجم را که چارم چرخ مسند کرده اند
عدل و احسانِ ترا جائیکه افتاد اجتماع — ظلم و فقر انجا طریق خویش مسد کرده اند
گر قلم پیش تو از اخبار برمک رانده اند — پیش قرآن یاد کردن لوح ابجد کرده اند
از برائے دفع کید خصم بدروزیت را — عهد شادی با تو هر روزے موکد کرده اند
بیشک از الفاظ من یک نکتۂ مدح ترا — اهل معنے در ازائے صد مجلد کرده اند
شعر من بر صفحۂ شعرے مدون کرده اند — نثر من بر جبهه نثره مجلد کرده اند
عرض می دارم بعرفان تو بر شاهان نظم — این عروسی کز دل داناش مرقد کرده اند
گر قبول افتد از اقبالت قدر باشد رواست — بیشتر زین رشے ابیات ممرد کرده اند
تا برین فیروزه جامه سبز پوشان هر سحر — خط ابیض را جدا از خط اسود کرده اند

تا ابد دولت طراز جامۂ عمر تو باد ‏ ‏ ‏ ‏ کانتظام ملک از جابت موتد کرده اند

چون جراد منتشر با دبعزت آن گروہ ‏ ‏ ‏ ‏ کاصل ایمان ازپے قولے مجد دکردہ اند

مذکورۂ بالا قصیدہ مین تاج الدین ریزہ نے ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ایک اعلیٰ قسم کے نثر نگار ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

شعر من بر صفحۂ شعرے مدون کردہ اند ‏ ‏ ‏ ‏ نثر من بر جبہ نثرہ مجلد کردہ اند
نام ستارہ ‏ ‏ ‏ ‏ نام ستارہ

اسی قسم کا دعویٰ اس نے ایک اور قصیدہ مین بھی کیا ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہین۔

مولد و منشا مین در خاک ہندوستان مرا ‏ ‏ ‏ ‏ نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

اس کی نثر نگاری کا نمونہ تو کہیں نہین مل سکا لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے اس کو شاعر کے ساتھ فاضلِ کامل بھی لکھا ہے، مثلاً عرفات العاشقین مین ہے:

" از صنادید قدما، و افاضل حکماست "

لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا مین لکھا ہے:

" تاج الدین از فضلا، و شعرا، ہندوستان است "

تحفۃ الکرام کے مؤلف کا بیان ہے کہ

" فاضل کامل و شاعر نامی است "

یہ بیانات اس بات کے ثبوت میں ہیں کہ تاج الدین ریزہ کی اعلیٰ نثر نگاری کا دعویٰ محض شاعرانہ تعلی نہیں، بلکہ واقعہ ہے۔

اس شاعر کا ذکر سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے سلسلہ میں بھی آئے گا۔

**بہاء الدین علی** التتمش کے امراء میں بہاء الدین علی کا بھی شمار اہل علم اور اہل ذوق میں ہوتا تھا، عوفی نے اس کا ذکر لباب الالباب مین کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "صدر" کے عہدہ پر

ممتاز تھا، عوفی نے اس کا لقب اور نام الصدر الاجل مجد الملک بہاء الدولۃ والدین علی بن احمد الجاجی لکھا ہے، اس کے باپ کا بھی ذکر ایک مستقل عنوان کے ساتھ کیا ہے، اور اس کو صاحب الکبیر علاء الملک ملک الامرا ضیاء الدولۃ والدین والوزراء ابو بکر احمد اجاجی رحمۃ اللہ علیہ کے لقب اور اعزاز سے یاد کرتا ہے، ابو بکر احمد اجاجی پہلے دہلی مین تھا، پھر اسفزار چلا گیا، جہاں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، وہ علماء و فضلاء کا بڑا قدردان تھا، اور ان کے ساتھ اس کی فیاضی کی انتہا نہ تھی، عوفی لکھتا ہے:-

"ہمگی ہمت او تربیت فضلاء و تقویت علماء و دستگیری افتادگان و پایمردی آزادگان بود، و در نوبت امارت در دہلی انچہ از بذل و احسان او کرد، تاریخ روزگار گشت و کرم حاتم و معن زایدہ و آل برمک را یک ساعۃ بذل او منسوخ گردانید" (لباب الالباب ج ا ص ۱۱۱)

عوفی نے ابو بکر احمد الجاجی کی سخن سنجی کے نمونے بھی درج کیے ہین، اسی اہل ذوق کا فرزند ارجمند بہاء الدین علی تھا جس نے عوفی کے بیان کے مطابق جاجنگر کو کل ڈیڑھ سو سوارون کے دستہ کے ساتھ فتح کیا، حالانکہ اس کے دشمنون کی صف مین ایک لاکھ سوار، دس لاکھ پیادے اور ۰۰، ہاتھی تھے، لیکن بعض اسباب کی بنا پر بہاء الدین علی قید مین ڈالدیا گیا، ۶۱۲ھ مین التمش نے تاج الدین یلدز پر غلبہ حاصل کیا، تو بہاء الدین نے اس فتح کی تقریب مین التمش کی خدمت مین یہ رباعی گذرانی،

| | |
|---|---|
| چون ملکِ تو شد یکے بصد بخش مرا | امید تو حق شکر درد بخش مرا |
| ہرچند شفاعتم کسے می نکند | شکرانۂ این فتح بخود بخش مرا |

التمش نے یہ رباعی سنی تو خوش ہوکر بہاء الدین کو آزاد کر کے ایک خلعت عنایت کیا، اس کے بعد وہ بداؤن کا امیر داد مقرر ہوا، عوفی اس کے بعد اس کے مختلف فتوحات کا ذکر کرتا ہے، عوفی کے بیان کے مطابق بہاء الدین علی آخر مین ناصر الدین قباچہ کے

کے ساتھ اظہار وفاداری کرکے اس کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے، یہاں پر ہم کو اس کی سیاسی زندگی سے مطلب نہیں، بلکہ اس کے شعر و شاعری کا ذکر کرنا ہے، وہ جہاں بھی رہا، شعرا کی سرپرستی کرتا رہا، اور شعرا اس کے جود و کرم سے متمتع ہونے کے لیے اسکی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے،

ایک شاعر حمید تھہند زی اس وقت اس کے دربار مین آیا جبکہ اس کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اور اس کا خزانہ خالی ہو چکا تھا، چنانچہ تھہند زی اس کی فیاضی سے سیراب نہ ہو سکا، پھر بھی وہ مایوس نہ ہوا، ایک روز بہاء الدین علی کو مست و مخمور دیکھا تو یہ رباعی پیش کی،

اے قاعدۂ دست تو زر بخشیدن | چو زر کہ بگنجہا گہر بخشیدن
روزے صد راہ چو آب گردد خورشید | از شرم کف دست تو در بخشیدن

بہاء الدین علی نے بھی اسکے جواب مین فی البدیہہ یہ رباعی کہی،

زین پیش زما بود اگر بخشیدن | ہر بیتے را خایۂ زر بخشیدن
اکنون چو دل و خزینہ برگشت و تہی | مائیم و زبان دکبر فر بخشیدن[۱]

---

[۱] لباب الالباب ج اول ص ۱۱۱-۱۱۳، عوفی نے بہاء الدین علی کی دو رباعیان اور نقل کی ہیں، ایک روز اس کے تین حسین و جمیل ترکی غلام شکار سے واپس آ رہے تھے، تو ان کو دیکھ کر یہ رباعی کہی،

میران ز شکار گہ چنان می آیند | چو ماہ دو ہفتہ ہر سہ بس رعنایند
رخشان رخ شان بروز چونانکہ بشب | گوئی کہ نگین کمر جوزا یند

بنارس کا رانا اور امیر حاجب ابو بکر مبشر اس کے دشمن ہو گئے تھے، تو اس نے قطب الدین ایبک کے حضور میں یہ رباعی لکھ کر پیش کی،

پیش کار تو اے مبارک ایام | وے مقبل روزگار شادی فرجام
مپسند کہ رانا و مبشر باشند | کز تیغ تو صد رانا مبشر شدہ نام

فخر مدبر | سلطان التمش کی شاہانہ فیاضیون سے متمتع ہونے کے لیے اس عہد کا، ممتاز اہل علم اور اہل قلم مبارک شاہ فخر مدبر نے اپنی کتاب آداب الحرب والشجاعۃ اس کے نام پر معنون کی، اس کا ذکر ہم قطب الدین ایبک کے سلسلہ مین کر چکے ہین، اس کی یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، جنگ کے آئین وضوابط پر ہے، جس مین سلاطین ووزرا، کے فرائض سے لے کر گھوڑوں کی شناخت، ان کی بیماری اور علاج کا ذکر، ہر قسم کے اسلحہ، لشکر کی خصوصیات، عرض لشکر، لشکر کی نقل وحرکت، فوجی کیمپ کے آئین، میدان جنگ کے طریقے، اسی مین فوجون کی صف آرائی، مقابلہ، مبارزت، جنگ حصار کے قواعد، فتح وظفر کے آداب، جزیہ، خراج، فوجون کی خطا وسزا، ان کے حقوق اوران کی ورزش وغیرہ کی تفصیلات ہین، جہان فن کی اصطلاحات کثرت سے استعمال ہوئی ہیں، وہاں تو اس کتاب کی عبارت مشکل ضرور ہوگئی ہے، ورنہ عام طور سے پیرائیہ بیان دلچسپ ہے، اور یہ دلچسپی تاریخون، قصوں اور حکایتوں سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے[1]، ہندوستان مین فارسی زبان مین اس نوعیت کی کتاب شاید کوئی اور نہین لکھی گئی،

موید جاجرمی | اس عہد کے ایک اور اہل قلم موید جاجرمی نے امام غزالی کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا فارسی مین ترجمہ کیا، اور اس کو سلطان التمش کے نام معنون کیا، اس ترجمہ کا ایک قدیم نسخہ جناب محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور کے ذاتی کتبخانہ میں ہے[1]۔

گذشتہ اوراق سے اندازہ ہوا ہوگا کہ معارف نواز اور علم پرور التمش کے دربار مین مشائخ، علماء، فضلاء، اور شعراء کی وجہ سے بڑی رونق رہی، مورخین التمش کی سیاسی عظمت کے معترف ہین اور اس کا شمار تخت دہلی کے کامیاب ترین حکمرانون مین ہوتا ہے لیکن اس نے اپنی سیاسی سرگرمیون

---

[1] یہ کتاب ابتک شائع نہ ہو سکی ہے، اس کے کچھ حصے اورنٹیل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۸ء ومئی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئے ہیں، پروفیسر محمود شیرانی نے اگست ۱۹۳۹ء کے اورنٹیل کالج میگزین میں اس کتاب پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے[2] رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۸ء ص ۹

کے باوجود علم و فضل کی بھی پوری قدر دانی کی، اور علم و ادب کے ارباب کمال پر جو اس کی زرپاشیاں ہوئیں وہ آگے چل کر نظیر بن گئیں۔ طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج سراج اس کے جود و سخا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگرچہ سلطان کریم قطب الدین علیہ الرحمہ بخشش لک در زمان خود ظاہر می کرد اما سلطان سعید کریم شمس الدین طاب ثراہ بعوض ہر یک لک صد لک بخشید"

ایسے حاتم وقت کے دور حکومت میں علم و ادب کی جو ترقی شروع ہوئی تو وہ آئندہ برابر بڑھتی ہی گئی۔

# رکن الدین فیروز شاہ

## سنہ ۶۳۳-۶۳۴ھ
## ۱۲۳۶ء

سلطان التمش کی وفات پر اس کی اولاد مین خانہ جنگی ہوئی، لیکن اس کا منجھلا لڑکا رکن الدین حریفون پر غالب آیا، اور تخت پر رکن الدین فیروز شاہ کا لقب اختیار کر کے بیٹھا، گو اس کی حکومت کل سات مہینے تک رہی، لیکن تخت نشینی کے موقع پر حسب روایات تمام شاہانہ مراسم ادا کیے گئے، شعراء نے قصیدے پیش کیے، جن مین تاج الدین ریزہ بھی تھا، اس نے ایک طویل قصیدہ پیش کیا جس کے صرف حسب ذیل دو اشعار فرشتہ[1] اور ملا عبد القادر بدایونی نے نقل کیے ہین،

مبارک باد ملک جاودانی ملک راخاصہ در عہد جوانی

یمین الدولہ رکن الدین کہ آمد درش از یمن چون رکن یمانی

افسوس ہے کہ یہ پورا قصیدہ کہیں نظر سے نہیں گذرا، ان دو اشعار کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس چھوٹی بحر کے دونون اشعار مین شعریت بھی ہے اور موسیقیت بھی، سلطان نے اس قصیدہ

[1] فرشتہ نے ان اشعار کو نقل کرتے وقت شاعر کا نام ملک تاج الدین ریزہ دبیر لکھا ہے، اور ملا عبد القادر نے ملک تاج الدین و دبیر تحریر کیا ہے، منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم رین کنگ نے اپنے ترجمہ میں یہ بتایا ہے کہ ایک نسخہ مین تاج الدین و دبیر کے بجائے تاج الدین دبیر ہے، اس لیے مترجم نے دبیر سے مراد سلطان رکن الدین کا سکریٹری لیا ہے۔

کو پسند کیا، اور اپنے مادح کو انعام واکرام سے سرفراز کیا، فرشتہ میں ہے:-

"ملک تاج الدین ریزہ دبیر قصیدہ طویل گذرانیدہ، انعام پادشاہانہ یافت۔" (ج ۱ص ۶۶)

دوسرے شعراء نے بھی جلوس شاہی کے موقع پر کافی انعامات حاصل کیے، فرشتہ رکن الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"روز سہ شنبہ ثلث وثلثین وستمایہ برتخت دہلی جلوس فرمود وارکان دولت نثار وایثار بعمل آوردہ شعراء قصائد وغزل در مدح تہنیت او گفتند وبصلات وانعام نوازش یافتند۔" (ج ۱ ص ۶۷)

مورخین نے رکن الدین فیروز شاہ کی رندی وسرمستی کا ذکر زیادہ کیا ہے، لیکن ان باتوں سے قطع نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فطری طور پر شعر وسخن کا قدردان تھا، ممکن ہے اس کے علمی وادبی ذوق کا نشوونما ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک اشعری کی صحبت میں ہوا ہو، جو اس کے ساتھ بدایوں کی اقطاع داری کے زمانہ میں اس کا وزیر بن کر رہا[1]، وزیر عین الملک کا ذکر ہم ناصر الدین قباچہ کے سلسلہ میں کر چکے ہیں، شعراء کے ساتھ سلطان رکن الدین کی شیفتگی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ تاج الدین ریزہ نے اس کی مختصر سی حکومت کے زمانے میں اس کی شان میں کئی قصیدے کہے، اور مولانا شہاب الدین مہمرہ نے بھی جنھوں نے زیادہ تر حمد اور نعت کہی ہے، اس کی مدح میں قصیدہ کہنا کوئی عار نہ سمجھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان رکن الدین کے مزاج میں سب سے زیادہ درخور تاج الدین ریزہ ہی کو حاصل تھا، اور وہ بات بات پر اس کی خدمت میں قصیدہ پیش کرتا تھا: درخور ..... ..... کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سلطان کا دبیر (یعنی سکریٹری) تھا، سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ذکر میں طبقات اکبری کے مؤلف کا بیان ہے:

[1] طبقات ناصری ص ۱۸۲

"ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر سلطان بود ........." (جلد اول ص ۸۶)

قصائد ریزہ | یہاں پر ہم اس کے چار قصیدوں کا ذکر کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل قصیدہ مین اس نے تشبیب مین ایک پوری غزل ہی لکھ دی ہے، اور اس بہاریہ تشبیب مین وہ بلبل کی طرح نغمہ سرا ہے۔ شاید اس کی اسی قسم کی نغمہ سرائی سے متاثر ہو کر کھمپی نرائن شفیق نے اس کے اشعار کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ یہ دور از کار تشبیہات سے خالی ہوتے ہیں۔

یہ رائے اس کے ہر قصیدہ پر صادق نہین آتی، جہان اس نے ابو الفرج رونی، انوری، اور خاقانی کی تقلید مین قصائد کہنے کی کوشش کی ہے، وہان اس نے دور از کار استعارات و تشبیہات سے بھی کام لیا ہے۔ البتہ ذیل کے قصیدہ مین اس نے تشبیہ بعید کے بجائے تشبیہ قریب ہی سے اپنے کلام میں اثر، جوش، رنگینی اور بلند آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے،

این راستی کہ در دل لیل و نہار یافت | مانا کہ زاعتدال مزاج بہار یافت
بارو زگار کج روش این طبع معتدل | از راستی معدلت روزگار یافت
از دست شاہ ابر تو سرمایہ گرفت | اطراف خاک از ان گہر آبدار یافت
در موسمی کہ از گل زرد و سپید باغ | سیم قراری وز کامل عیار یافت
جانم نوای باربدی کاصل خوشدلیست | بر شاخسار باز الحان سار یافت
بدرید پیرہن گل سوری و نوحہ کرد | بلبل بنفشہ را چو زغم سوگوار یافت
از ترکتاز باد صبا گشت رو دشتم | کین خاک تیرہ نافہ مشک تتار یافت
نرگس نشد گر از جام ابر مست | چشمش سراسر از چہ نشان خمار یافت
مانند بندہ سوسن آزادہ دہ زبان | بہر ستایش ملک کامگار یافت
آن مشتری لقا کہ در انشاد این غزل | رادی بزم او نطر زہرہ بار یافت

چشمم ز روی خوب تو چون لاله زار یافت — جانم ز تو چو حالِ گل و لاله زار یافت
تو ماه گل رخی و ز سودای تو چو من — ماهی در آب سینه پُر از خار خار یافت
راہیست عشق تو که دل شور بخت من — آنجا قطار بختی غم بر قطار یافت
باشد خیال قد تو در چشم من مقیم — زیرا که سرو تازگی از جویبار یافت
پر شد دلم ز خونِ جگر چون انار لیک — پیوسته دستم از تو تهی چون چنار یافت
پیش از هزار بار در خواب زد خیال — تا در سرائے وصلِ تو یک بار بار یافت
با دام تو بجز نِ دلم سعی کرد و لیک — از لطف پستهٔ تو بجان زینهار یافت
با زلف تو خوش است سرم زانکه بوے مشک — از خاکپاے شاہ جہان یادگار یافت
ماحی کفر حامی اسلام رکنِ دین — کایام دشمن مملکتش استوار یافت
فیروز شاه که فیروزه گون سپهر — هموار ره بر سبیل مرادش مدار یافت
آن خسروے که زآتش شمشیر آبدار — چون باد خصم ره بو غا خاکسار یافت
اختر ز گرد موکب او کحل چشم یافت — گردون ز نعلِ مرکب او گوشوار یافت
از نیزه چو مار و سیاه چو مور او — ایام خان و مان عدو تار و مار یافت
اسفندوار شد دل بدخواه سوخته — زین غم که شاه قوت اسفندیار یافت
بر لبت دستِ او که نهالِ امید خلق — در بوستان دل ز نمش برگ و بار یافت
بر فیست تیغ او که سنانش بروز حرب — بر فرق خصم بد گهر الماس بار یافت
بازلیست تیر او که به منقار آهنین — در رزم جان شیر دلان را شکار یافت
ای شاه تاج بخش که بر تختِ مملکت — گیتی ترا عروسِ ظفر در کنار یافت
اندیشه در سواحل دریاے جاه تو — بسیار غوطه خورد و لے کم گذار یافت

در خواب دیدہ خصم تو خود را بلندی | تعبیر آن بدیدۂ بیدار دار یافت
شاہا جوان پیر چو بختِ جوانِ نو | زیب و فر از عنایت پروردگار یافت
اکنون مے طلب کہ دل آب حیات را | در عالم حقیقت از ان مستعار یافت
بہر عروس مدح تو چرخ زبرجدے | از نظم بندہ عقد در شاہوار یافت
فخر است از ثنائے تو ام گرچہ کلکِ من | دیر است کز نوشتن اشعار عار یافت
شد در دمن ز غایت اخلاص مدح تو | زین شیوہ عقل فاتحۂ روزگار یافت
از حکم تو گریز مبادا زمانہ را | زیرا زمانہ حکم ترا حق گزار یافت
از طلعت تو دیدۂ عالم قریر باد | کز خنجر تو عرعۂ عالم قرار یافت

تاج الدین ریزہ نے فیروز شاہ کی شان مین ایک قصیدہ اُس بحر، قافیہ اور ردیف میں کہا ہے، جس مین ظہیر فاریابی نے صدر جہان شرف الملک تاج الدین کے لیے ایک مدح کہی تھی، تھوڑی سی طوالت ضرور ہو گی لیکن ناظرین پہلے ظہیر فاریابی کے اس قصیدہ کے چند اشعار پر ایک نظر ڈال لین:

شاہا در تو قبلۂ شاہان عالم ست | گردون ترا مسخر و گیتی مسلّم ست
ہم چشم مہر و ماہ بروے تو روشن ست | ہم جان جن و انس بیاد تو خرم ست
ہرگز نزاید از تو گرانمایہ تر گہر | زان آب و گل کہ مایۂ ترکیب آدم ست
بنمود خنجر تو در احیاے ملک و دین | آن خاصیت کہ در دم عیسیٰ مریم ست
از دین مصطفےٰ رمقے ماندہ بود و بس | امروز زندہ کردۂ شاہ معظّم ست
صد کاسہ انگبین ز یک ذرہ بس بود | زان تلخی کہ در بن دندان ارقم ست[1]

---

[1] منقول از قصائد ظہیر فاریابی، نولکشور پریس۔ ص ۱۰۲ - ۱۰۱

ظہیر کے پیشرو انوری نے بھی اپنے ممدوح عماد الدین فیروز شاہ فاتح بلخ کی مدح میں اس بحر، قافیہ اور ردیف میں ایک قصیدہ کہا ہے، اس کے بھی دو چار اشعار ناظرین ملاحظہ فرمائیں:

کز ورائے پنج گردون دہ یکے زان خاصیت | مشتری را در صد وسی کز عمامہ معلم است
تا کہ از دوران دایم در خم سقف فلک | آن سعادت باد کش ہنرم بر آن این خم است
می ندانم گفت خورم باد عیدت کو چرا | زانکہ خرد عید دید گیتی از وجودت خورم است
رایت عمر تو بر بام بقا بادا گذر | طرۂ شب نیزہ و فوج زمان را پرچم است[1]

یہ قافیہ، ردیف اور بحر قصیدہ نگاروں میں غالباً بہت مقبول اور مرغوب تھی، اس لیے تاج الدین ریزہ نے بھی اس میں قصیدہ کہہ کر اپنی جولانی طبع کا ثبوت دیا ہے، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انوری اور ظہیر فاریابی کے تتبع میں پورے طور پر کامیاب ہوا ہے، لیکن یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس کو الفاظ کی بندش میں تراکیب میں اور خیال آرائی میں ان دونوں استاذہ فن کے کلام سے بڑی مدد ملی ہے، اب اس کا پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

ساقی بیار بادہ کہ نوروز عالم است | روز خجستہ چون رخ شاہ معظم است
در جسم خاک تعبیہ کردہ است باد روح | گوئی کہ باد چون دم عیسی مریم است
شد مشک بوئے صحن چمن از دم صبا | آرے در اصل مشک چو بے سنگ ریم است
قوت گرفتہ نامیہ از نم عجب مدار | زیرا کہ طفل نامیہ را شیر از نم است
جام جہان نمائے شمر تحفت لالہ را | کاطراف بوستان ز خوشی مجلس جم است
در نوبت چنین کہ قدوم ربیع را | ورد زبان خلق ہمہ خیر مقدم است
بر خستگان پنجۂ زخم سمن بران | در چار سوئے یاسمن تازہ مرہم است

---

[1] منقول از قصائد انوری، قلمی، مملوکہ دار المصنفین اعظم گڈھ۔

گر ظلم چرخ نیست بر آزادگان چرا / هم سرو پای بسته و هم سوسن ابکم است (گنگ)

از فصل گل چو موسم سور است باغ را / آخر چرا بنفشه نشسته بماتم است

بگذار این حدیث درین باب دم مزن / کین فصل وقت رطل شراب دمادم است

آن لعل می ز خاک سیه در ده و بگوی / کین ست آن کس ست کز نسل او هم است

می اشک چشم دختر تاکست یا گهر / خون پسر چکیده ز شمشیر رستم است

ماه است جام باده که دورش مدام باد / در ماه نیست از چه خطابش محرم است

هنگام خرمیست نه از اعتدال طبع / از عدل شاه عرصهٔ آفاق خرم است

فیروز شاه کعبهٔ اقبال رکن دین / کز خاکپای او اثر آب زمزم است

شاه فرشته خوی که نامش زمانه را / از بهر دفع دیو ستم حرز اعظم است

نالنده نیست هیچ در ایام عدل او / در نیز هست پردهٔ زیر است یا بم است

گفتم زمانه را که زمین زیر حکم اوست / گفتا برو چه جای زمین آسمان هم است

بر پیل و اسپ نوبتی بارگاه او / از مهر آئینه است و ز مه طاس پرچم است

در زیر طوق طاعت او سیر آسمان / گردون نهاده راست چو کلب معلم است (سگ تعلیم یافته)

اندر حریم پردهٔ دوشیزگان غیب / رایش ز راستی گه و بیگاه محرم است

کار جهان بواسطهٔ تیغ گوهرش / پیوسته مثل عقد ثریا منظم است

زخم زبان نیزه خطیش روز جنگ / در کام بدسگال چو دندان ارقم است

ای خسروی که قاعدهٔ کبریای تو / چونانکه قصر پوشش افلاک محکم است

در پیش خدمت تو چو ابروی دلبران / پشت ملوک روی زمین جمله در خم است

چون از نسیم باد سر زلف نیکوان / بدخواه خاکسار ز بیم تو در هم است

اندر ہوائے جود ہمائی است ہمتت — کش آشیانہ برتر ازین سبز طارم است
بحر او کف تو ہر دو زیک جنس آمدند — زان روئے بحر در کف راد تو مدغم است
از رشک چتر لعل تو در تاب می شود — خورشید کو نگینہ فیروزہ خاتم است
قدرت بر اختران چو برفعت جدل زند — گوئیند جملہ مجلس عالی مسلّم است
نزدیک من زغایت اخلاص مدح تو — چون فاختہ ہمیشہ عزیز و مکرم است
خواہم کہ بیشتر سپرم راہ بندگی — باآنکہ التفات تو سوی رہی کم است
تو شاد زی مقیم کہ از فر دولتت — قسم حسود تست اگر در جہان کم است
فرمان تو چو آب روان باد در جہان — تا جرم خاک را شرف از نسل آدم است

تاج الدین ریزہ نے ایک منظوم فریاد بھی اپنے ممدوح سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت مین پیش کی، اس کو پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے ساتھ ناخوشگوار رویہ اختیار کر رکھا تھا، اور شاید اس کو زدوکوب بھی کیا تھا، گو وہ خود کہتا ہے کہ اس کی طبیعت مین نرمی، شائستگی اور مٹھاس ہے، پھر بھی کوئی اس کا دشمن ہوگیا، اسی کی فریاد لیکر سلطان کے دربار مین حاضر ہوا تھا، اور غصہ میں کہتا ہو کہ اگر سلطان نے اس کی فریاد نہین سنی تو وہ بغداد جاکر امیرالمومنین کے حضور میں شکایت کرے گا۔ اور اپنے آنسوؤں سے ایک نیا دجلہ جاری کرے گا۔ اگر اس کی شنوائی وہان بھی نہ ہوئی تو خانہ کعبہ جاکر اور پردۂ کعبہ پکڑ کر گریہ و زاری کرے گا، لیکن پھر خود ہی کہتا ہے کہ یہان وہان جانے کی ضرورت ہی نہ ہوگی، کیونکہ سلطان رکن الدین والدنیا خود ہی عدل پرور ہے، اس قصیدہ مین شاعر کے غیظ کے ساتھ کچھ شوخی بھی ہے، اس سے پہلے یہ کہا جاچکا ہے کہ اس کو سلطان کے مزاج مین بڑا درخور حاصل تھا، یہ فریاد ذیل میں درج کی جاتی ہے،

بفریاد آمدم این جا بفریاد — مگر شاہ جہان دادم دہد داد

| | |
|---|---|
| ز دست آن سگ روباه دستان | که شیطان سیرتست و آدمی زاد |
| چه گویم انچه من دیدم ازان جنس | جز اینها وی دیدهٔ دشمن مبیناد |
| مرا کز لطف طبعم در محافل | بشاگردے چو من نازاید استاد |
| عروس بکر معنے را زمانه | ز من شایسته ناورد داماد |
| شکر چینند ز الفاظ و خط من | هر آن نوشین لبے کاید ز نوشاد |
| چه بر بستر فتادم مشتری گفت | که یارب این عطارد راچه افتاد |
| چرا باید که چوب هر خسیسم | سر و تن بشکند چون زلف شمشاد |
| اگر دادے نیابم این ستم را | روم زین خاک خون آشام برباد |
| ز آب چشم امیر المومنین را | نمایم دجلهٔ دیگر به بغداد |
| از و این ظلم را انصاف خواهم | اگر او هم نخواهد داد او داد |
| روم در پرده کعبه زنم چنگ | کنم چون زیر و بم زاری و فریاد |
| ولے دانم بدین حاجت نباشد | که هم عادل شهے داریم و هم راد |
| شود این محنت و رنجم فراموش | اگر شاه جهان آرد ز من یاد |
| مدار عدل رکن الدین و دنیا | که ملک از وی گرفت احکام بنیاد |
| ز شست سلکش در چشم گردون | چو مهر و مه سپر هفتاد و هشتاد |
| زهے شیر افگنی کز بیم تیغت | چو روباهے شود گرگین ز میلاد |
| برائے بندگیت آورده در خم | سلاطین قامتے چون سرو آزاد |
| بدور دولتت مستان خرابند | دگر عالم سراسر هست آباد |
| اگر گوهر نماند بهر بخشش | برآرے گوهر از شمشیر فولاد |

اگر خاکِ درت چون زعفران نیست | چرا لبہا کند خندان و دل شاد
حسودت را چو گل بر داشت گیتی | و لیک از رمحِ تو خارش بنہاد
بآن در خسروے تا بر زبانہا | سخن از عشق شیرین ست و فرہاد
ولایت ہر غلام کمترت را | ز محمود و ز سنجر بیشتر باد

سلطان رکن الدین کی تعریف و توصیف مین تاج الدین ریزہ کا ایک اور طویل قصیدہ ہے، جس پر اس کو فخر و ناز تھا، کیونکہ اسی قصیدہ میں کہتا ہے،

ساکنان خاک را زین پس نباشد خشک سال | چو من از اشعار تر آب روان آوردہ ام
گوہر منظوم را بیقدر کردند چو سنگ | ہر دُرِ منثور کز بحر بیان آوردہ ام

اپنے کلام کی فصاحت اور شیرینی پر تعلی کرتا ہے،

طوطی فضلم فصیحانِ عرب در رشکِ من | زین شکر باری کہ در ہندوستان آوردہ ام

پھر دربار کے تمام شعراء کو تحدی کرتا ہوا کہتا ہے کہ کوئی اس کے ٹکر کا شعر نہین کہہ سکتا،

خسروا شیرین سخن بسیار دیدم بر درت | نقش شادر رزی بدین کاغذ ازان آوردہ ام
تا کنند ایشان مگر زین گونہ بیتے را بہ بیت | این قصیدہ بر سبیل امتحان آوردہ ام

شاعر کے اس پندار و غرور کے بعد اس کا یہ طویل قصیدہ ملاحظہ ہو، اس مین شک نہین کہ اس کے اور قصیدون کے مقابلہ مین اس قصیدہ مین فصاحت اور حلاوت زیادہ ہے،

این منم کز دیدہ یاقوتِ روان آوردہ ام | بید لان را از سخن قوت روان آوردہ ام
ساکنان خاک را زین پس نباشد خشک سال | چون من از اشعار تر آب روان آوردہ ام
عارض سیمینِ کاغذ را خط مشکین دہد | کلک زین پیکرے کاندر بنان آوردہ ام
گوہر منظوم را بے قدر کردند چو سنگ | ہر در منثور کز بحر بیان آوردہ ام

تیر چرخ از من سپر انداخت با تیغ زبان | چون زبان تیغ شه گوهرفشان آورده ام
شاه گنج شایگان می بخشد این لفظت بس | کز میان شعر جاے شایگان آورده ام
لیک این جنس از بضاعت بود نادر در جهان | کز پے سودائے آن عمری زیان آورده ام
چهرهٔ شادی ندیدم عکس خاصیت مگر | گرچه از رخساره چندین زعفران آورده ام
چرخ در هر مجلسے چون دست جنگی زخم زد | زین سبب چون نائے حلقے پر فغان آورده ام
گیتی زال از جفا بسیار دستانم نمود | تا ز دستش پیش شاه این داستان آورده ام
یار و بیاردی پشتم داد و من در هجر او | از نحیفے تن چو تار پرنیان آورده ام
تا چو تیر از شست بیرون جسته وے از بزم او | قامت از درد جدائی چون کمان آورده ام
در فراق آن بت بادام چشم و بسته لب | از رخ آبے و ز دیده ناردان آورده ام
بے حسی در باب من بے جاده فصلی گفت شاه | در گمان شد رخ از آن بیجاده سان آورده ام
از کمال علم بروے آشکاره آمده است | هرچه در گنجینهٔ سینه نهان آورده ام
کانچه حاسد گفت از راه مسلمانی نبود | کافرم در خاطر از فکر چنان آورده ام
در زبان خاص و عام افتاده ام همچون سخن | آن سخن کو عرضه گرد ار بر زبان آورده ام
لیک چون حلم شهنشه درمیان آمد چه باک | خود چنان پندار جرم بیکران آورده ام
نے ببوے مرحمت مارا رجا از شهریار | پیش لطف شهریار مهربان آورده ام
بر امید رافتش تا خصم نادان جان کند | در دل دانا یقین بیگمان آورده ام
طوطی فضلم فصیحان عرب در رشک من | زین شکر باری که در هندوستان آورده ام
عندلیب آسا نواے خسروانی می زنم | خاصه کاکنون روئے سوئے بوستان آورده ام
بوستان آستان عرش سائے خسرو است | چون همه برگ و نوا زین آستان آورده ام

از دل و دم در هوای خاک بوس آن جناب — آزرا آزار در باد مهرگان آورده ام
چون نهم سر در زمین این جا چنان دانم که پای — از ره رفعت به اوج آسمان آورده ام
کامران گردم بمانند زبان بر هر مراد — بر زبان چون مدح شاه کامران آورده ام
پیل بالا زر فشاند بر پی اسپم ملک — رخ چو سوی حضرت شاه جهان آورده ام
شاه شیرافگن که گیتی گفت در اسلام اوست — هر حکایت کز درفش کاویان آورده ام
کعبهٔ اقبال رکن الدین که گوید آسمان — آستانش ثانی رکن یمان آورده ام
خسروی کو را روا باشد بوجه افتخار — گر بگوید کز کف و دل بحر و کان آورده ام
کافران را از هراسانی هراسان کرده ام — اهل ایمان را مدام اندر امان آورده ام
ربع مسکون جهان پیر از سر تا بپای — زیر دست از قوت بخت جوان آورده ام
خاتم ملک سلیمانی در انگشت من است — لاجرم در خطِ فرمان انس و جان آورده ام
تا هلال را تیمم طالع شد از تاثیر آن — شخص خصمان را گداز آن چون کتان آورده ام
فتنه اندر خواب غفلت رفت تا گرد جهان — دیدهٔ بیدار دولت پاسبان آورده ام
گرد خیلم کز جوی جای رسیده است آن مقام — از بلا ایمن چو راه کهکشان آورده ام
از تن دشمن بزخم خنجر نیلوفری — صحن هیجا را برنگ ارغوان آورده ام
بدسگال از تنگ دل آمد مرا نیکوتر است — کز دلش تیغ یمانی را فشان آورده ام
تا بخاطر در نیارد خار خار روی گل — گل بچشم حاسد از خارستان آورده ام
گنبد فیروزه میگوید ز فر نام اوست — در جهان هر جا که فیروزی نشان آورده ام
فتح می گوید که دل در کار او زان بسته ام — کز غبار مرکبش اکسیر جان آورده ام
عقل گوید پایهٔ قدرش بدستم نامد است — گرچه از نه بام گردون نردبان آورده ام

از پے تحسین تیرش عندلیبِ ناطقہ — گفت چون زاغ کمان زہ در دہان آوردہ ام

ہمتش گفت آن نمایم کز علو منزلت — بر فراز نسر طائر آشیان آوردہ ام

حلم او گوید کہ از مہ نعلِ زرّین بستہ اند — نقرہ خنگ چرخ را تا زیر ران آوردہ ام

چترِ دارش گفت در دستم سپہری دیگر است — کافتاب مملکت را سایہ بان آوردہ ام

ظلم گفت از روز عدلش زار گشتم حزم را — می توان گفتن کہ شخصِ ناتوان آوردہ ام

چرخ صوفی جامہ گوید از بزرگی ہر چہ بود — با غلامانش بجز دہ در میان آوردہ ام

خسروا شیرین سخن بسیار دیدم بر درت — نقش شادروزی بدین کاغذان آوردہ ام

تا کنند ایشان مگر زین گونہ بیتے را بہ بیت — این قصیدہ بر سبیلِ امتحان آوردہ ام

دین حکایتہا کہ گفتم از پے بخت بدست — تا نہ پنداری شکایت از فلان آوردہ ام

روے بر خاک درت کان کحل چشم اختر است — بہر آب روئے نہ از بہر نان آوردہ ام

چشم می دارم کہ یابم ابروے از دولتت — چون بیان خلق جودت را ضمان آوردہ ام

خواستم گفتن دعا لیکن چہ گویم چون قضا — گفت ملکت را بقاے جاودان آوردہ ام

ممکن ہے ان مختلف قصائد کی طوالت سے ناظرین کو کچھ گرانی محسوس ہو رہی ہو، لیکن ان کے نقل کرنے کا مقصد نہ صرف ان کے محاسن کو دکھانا ہے، بلکہ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے اس شاعر کے بکھرے ہوئے کلام کو یکجا جمع کرنا بھی ہے، اب تک اس کا جتنا کلام نظر سے گذرا ہے اس کو دیکھکر کم از کم یہ تو یقینی طور سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھا، جس نے نہ صرف سلیس، رواں، شگفتہ اور برجستہ قصائد کہے، بلکہ اساتذۂ فن مثلاً ابوالفرج رونی، انوری اور ظہیر فاریابی کے تتبع میں قصائد کہہ کر اپنی سخن وری اور جدت طبع کا ثبوت دینے کی بھی کوشش کی،

عرفات العاشقین کا مؤلف رقمطراز ہے کہ تاج الدین اپنے عہد کا سب سے زیادہ ممتاز

شاعر تھا،

"در زمان خود از ہم گنان ممتاز و در دانش چون سرفراز بودہ، سر ہمتش بر فرق

فرقدان آسودہ، و بپائے رفعت تارک کیوان پیمودہ"

اس مین شک نہین کہ وہ اپنے معاصر شعرا، سدید الدین محمد عوفی مؤلف لباب الالباب و جوامع الحکایات، صدر الدین محمد نظامی مؤلف تاج المآثر، منہاج سراج مولف طبقات ناصری، روحانی اور ناصری سے تو یقیناً بہتر شاعر ہے، لیکن کیا اس کو اپنے عہد کے شہاب الدین مہمرہ، اور فخر الملک عمید تولکی پر بھی فضیلت حاصل تھی، اس کا فیصلہ ناظرین خود فرمائین گے جب ان موخر الذکر شعراء کا کلام ہم ان کی خدمت مین پیش کرین گے،

انجام ریزہ

سلطان رکن الدین کے عہد سلطنت کے بعد تاج الدین ریزہ کے حالات نہیں ملتے، شاید سلطان رکن الدین کے قتل کے ساتھ اس کا ستارۂ اقبال بھی ماند پڑ گیا،[1] اس کی زندگی کا انجام دردناک بتایا گیا ہے، کسی تذکرہ نویس نے تو نہین لیکن شرح مخزن اسرار مین محمد بن قوام نے لکھا ہو کہ

"تاج ریزہ را پیش پائے پیل انداختند"[2]

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آخر کس سلطان نے کس جرم میں اس کو ہاتھی کے پاؤن سے کچلوا دیا، مگر اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ غیاث الدین بلبن کے شروع عہد مین زندہ تھا، کیونکہ جب بلبن نے مولانا شمس الدین خوارزمی کو شمس الملک کا خطاب دے کر مستوفی ممالک کے عہدہ پر مامور کیا، تو تاج الدین ریزہ (یا سنگ ریزہ) نے ان کی مدح مین ایک قصیدہ کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

---

[1] اورینٹل کالج میگزین (نومبر ۱۹۳۴ء) کے ایک مضمون نگار نے معلوم نہیں کس حوالہ سے لکھا ہے کہ سلطان رکن الدین کی حکومت کے آخری زمانہ مین جب فتنہ و فساد کا طوفان امنڈنے لگا تو سلطان نے جان بچا کر کچھ امرا کے ساتھ دہلی سے پنجاب کی طرف رخ کیا، اسکے ساتھ تاج الدین ریزہ بھی تھا، لیکن جب اور امرائے سلطان کی رفاقت چھوڑ دی تو ریزہ بھی دہلی لوٹ آیا۔

[2] نیز دیکھو رسالہ اسلامک کلچر جولائی ۱۹۴۲ء، اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء۔

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی　　　　مستوفی ممالکِ ہندوستان شدی[1]

**شہاب مہمرہ** پہلے کہا جا چکا ہے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے قصیدہ نگاروں میں مولانا شہاب الدین مہمرہ بھی تھے، مولانا شہاب الدین مہمرہ بدایون کے رہنے والے تھے، جو ہر زمانہ میں مشائخ، علماء، اور شعرا کا بہت بڑا مرکز رہا، ان کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین تھا جن کے نام کا جز بھی مہمرہ یا متمرہ تھا، منتخب التواریخ (مؤلفہ ملا عبد القادر بدایونی) میں مولانا شہاب الدین کے اسم گرامی کے ساتھ مہمرہ ہی مرقوم ہے[2]، لیکن مجمع الفصحا، (مؤلفہ رضا قلی خان) میں ہے کہ وہ مداران کے رہنے والے تھے، اور مداران کو ہندوستان کا شہر بتایا ہے لیکن مداران بداؤن کی غلط کتابت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح مہمرہ کو بھی کاتب نے متمرہ لکھدیا ہے، منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم جارج رین کنگ نے مجمع الفصحا کی سند پر متمرہ ہی کو صحیح سمجھا ہے[3]، اور تذکرہ نویسوں مثلاً مجمع النفائس، عرفات العاشقین، گل رعنا اور مخزن الغرائب کے مؤلفوں نے مہمرہ ہی لکھا ہے کسی تذکرہ نویس نے متمرہ یا مہمرہ کی تصریح نہیں کی ہے، البتہ نزہۃ الخواطر میں مولانا عبد الحئی مرحوم نے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین المہمروی البدایونی لکھا ہے[4]، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہمرہ کسی جگہ کا نام ہے، جہاں سے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار یا ان کے آبا و اجداد ہجرت کرکے ہندوستان آئے، اور بدایون میں سکونت پذیر ہوئے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مہمرہ کس ملک کا قصبہ یا قریہ ہے، محمرہ (حائے حطی کے ساتھ) مکہ کے قریب ایک قریہ کا نام بھی ہے، مولانا شہاب الدین عربی کے بہت بڑے عالم تھے، اگر ان کی عربی دانی کی وجہ سے ان کو عربی النسل قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ ان کا خاندان محمرہ ہی سے آیا ہو،

---

۱ سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۱۵، سیر الاولیا میں بھی یہ شعر درج ہے لیکن شما کے بجائے صدرا ہے (ص ۱۰۵) ۲ منتخب التواریخ ج ا ص

۳ رین کنگ ج ا ص ۹۹ حواشی ۴ نزہۃ الخواطر ج ا ص ۱۶۹ میں المہمروی کے بجائے المہمری ہونا چاہیے، شاید "و" کتابت کی غلطی سے بڑھ گیا ہے، کیونکہ عربی اور فارسی میں صفت یا نسبت ہوتی ہے، واؤ نہیں ہوتا،

افلاطونِ زماں

انکے حالات زندگی بہت زیادہ نہیں ملتے، امیر خسرو نے ان کے متعلق جو خیالات جابجا ظاہر کئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر، بلکہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم و فاضل بھی تھے، اور اپنی فلسفہ دانی اور حکمت کی وجہ سے بقراطِ وقت اور افلاطونِ زمانہ کہلاتے تھے، الٰہیات، طبعیات، ریاضیات، معقولات او منقولات سب میں ید طولیٰ حاصل تھا، فقہ میں "مبسوط" اور حکمت میں "اشارات" پر بڑا عبور تھا، ان کے بارہ میں امیر خسرو اپنی مثنوی "ہشت بہشت" میں فرماتے ہیں:

چرخ چون راست کرد دستارش | بست عزِّ الٰہی بہ سر تارش
گر کند سوے آن عمامہ نظر | مشتری را فتد عمامہ ز سر
حکمتش داد از بس افزونی | ملکِ بقراطی و فلاطونی
در الٰہی فنش نہ در حد کس | حد او ہم الٰہ داند و بس
در طبیعی شناختہ بتمام | راز مولودِ عنصر و اجرام
در ریاضی بیک صریرِ قلم | باز کردست گوشِ جذر اصم
عقلیش از قیاسِ عقل برون | نقلیش از مقامِ نقل فزون
دُرِّ مبسوط در یکے مشتش | صد اشارات در سرِ انگشتش
ہر چہ در دہر نقشِ دانائی ست | دل او را بر آن توانائی ست
او چو ابر کرم بغرقِ جہان | زیر کان چون صدف کشادہ دہان[1]

اعجازِ خسروی[2] میں امیر خسرو کے کچھ خطوط مولانا شہاب الدین کے نام بھی ہیں، ان میں سے ایک عربی میں ہے، اور ایک خالص فارسی میں جس میں عربی کا ایک لفظ بھی نہیں، عربی مکتوب میں مولانا شہاب الدین کو امام کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے جس سے شاید امام العلماء و الفضلاء مراد ہو،

[1] مثنوی ہشت بہشت مطبوعہ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ پریس ص ۲۲۶ [2] اعجازِ خسروی نولکشور پریس، رسالہ ثانیہ ص ۱۶۰ و ۱۶۲

فنِ شاعری مین بھی مولانا شہاب الدین کو درجۂ کمال حاصل تھا، عزۃ الکمال مین امیر خسرو نے ان کو "سلیمان ممالک سخن" کہا ہے، اور وہ یہ بھی فرماتے ہین کہ لوگ ان کے کلام کو دیوانہ وار سنتے ہین، اگرچہ انھون نے اپنے کلام کو مدون نہین کیا،

"شہاب الملت والدین کہ شہاب خاک از آتش طبع او صد بار دیوان خود را سوختہ است کہ اگر آن سلیمان ممالک سخن را عزیمت جمع کردن، دیوان بودے، این معنی را جان رفتہ در تن حاضر گردانیدے، و امرؤالقیس چون قیس مجنون گشتے ہر شعر بلند شہابے آسمانے است بر کواکب خلق دیوانۂ آن بعضے شیاطین می نہند و استراقی می کنند، از سرقۂ ایشان خدائے نگاہ دارد"

ایک اور موقع پر رقمطراز ہین:-

........ مولانا شہاب الحق والدین ........ آن شہاب ثاقب کہ در لطافت طبع آتش پارہ ایست و در دل شب روشن از انوار عیب خبر آرد و صد ہزار انجمن را گرم دارد، تا جانے از و عقبش گردد"

ہشت بہشت مین مولانا شہاب الدین کی شاعری کی تعریف مین رطب اللسان ہوتے ہین اور ان کو عربی زبان کے مشہور شعرا بحتری اور ابو تمام سے افضل قرار دیا ہے، اور غایت تعریف مین فرمایا ہے کہ مولانا شہاب کے اشعار خانۂ کعبہ کے بجائے بہشت مین آویزان کیے جانے کے لائق ہین، امیر خسرو کی گلفشانی ملاحظہ ہو،

| | |
|---|---|
| او شہاب و دل ونش ز اخیار | نیرین مشارق الانوار |
| از تمام فنون و فضل تمام | غیرت بحتری و بو تمام |
| گاہ تحریر گر بہ بیت عتیق | یافت اشعار نازیان تعلیق |
| شعر او را کہ مطلع نور ست | جائے تعلیق بیت معمور است |

کسی تذکرہ نویس نے اس پیکرِ علم وادب کی ولادت ووفات کا سنہ نہیں لکھا ہے۔ ابھی حال ہی میں ڈاکٹر اقبال حسین نے اپنی کتاب "Early Persian poets of India" میں امیر خسرو کے دیباچہ غرۃ الکمال کے حسب ذیل فقرہ

"مولانا شہاب الدین مہمرہ ومولانا بہاءالدین بخاری کہ ہر یکے بستان علم را بلبلے بودہ اند"

سے یہ قیاس کیا ہے کہ وہ غرۃ الکمال کا دیباچہ لکھنے یعنی ۶۹۵ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے، میرے پیش نظر غرۃ الکمال کا ایک کرم خوردہ نسخہ ہے جس کے بعض اوراق جابجا سے پھٹ گئے ہیں، اس لیے اس فقرہ پر نظر نہیں پڑی، لیکن ڈاکٹر اقبال حسین نے امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت سے بعض ایسے اشعار بھی نقل کیے ہیں، جن میں امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کیا ہے، ان ہی اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے مثنوی ہشت بہشت کو بہ نظر اصلاح دیکھا تھا، یہ مثنوی ۷۰۱ھ میں لکھی گئی ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا شہاب الدین ۷۰۱ھ تک بقید حیات تھے، ان کی تاریخ ولادت تو معلوم نہیں، لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جو انھوں نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا، یہ سلطان ۶۳۲ھ کے آخر میں کل چھ سات مہینہ کے لیے تخت پر بیٹھا، ظاہر ہے کہ قصیدہ پیش کرتے وقت مولانا شہاب الدین کی عمر کم از کم پندرہ سال کی ہوگی اور اس حساب سے وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں پیدا ہوئے ہوں گے، مثنوی ہشت بہشت کی اصلاح کے وقت ان کی عمر اسی اور نوے کے درمیان ہوگی، امیر خسرو کا سن اس مثنوی کے قلمبند کرتے وقت پچاس سال کا تھا، ظاہر ہے کہ امیر خسرو نے ادب واحترام کا اظہار کرنے میں مولانا شہاب الدین کے سن و سال کی بزرگی اور ان کے علم وفضل دونوں کا لحاظ رکھا ہوگا،

جدت طرازی

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بنا پر یہ قیاس ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے سلطان رکن الدین کی خدمت مین اپنی بہت کمسنی کے زمانہ مین حسب ذیل قصیدہ پیش کیا، اس مین اہم اشعار ہین، ہر شعر مین کرگ (گینڈا) گرگ (بھیڑیا) پیل اور شیر کے الفاظ لائے گئے ہین، اور ان ہی چارون الفاظ کی رعایت سے پورے قصیدہ مین صنعت گری کی گئی ہے، مولانا شہاب الدین نے اس کمسنی مین اس غیر معمولی قادر الکلامی اور جدت طرازی کا جو اظہار کیا وہ گویا ان کے بحر العلوم ہونے کا پیش خیمہ تھا، طوالت کے خیال سے ہم اس قصیدہ کے چند ہی اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

ہر زمان این کرگ و گرگ و فیل و شیر طفل خوار — آن کند با من کہ پیل و کرگ وقت کارزار

آسمان پیل گون مالد تنم را گرگ سان — روزگار شیر وش صبرم رباید گرگ دار

زور کرگم نے و با من تند پیل آسمان — شیر مردی می کند چو کہنہ گرگ روزگار

پیل با کرگ آن نکرد و گرگ با میش آنچہ کرد — شیر چرخ از جور با این شخص چون موے نزار

حیلت گرگ است وز ور کرگ با شیر فلک — زان ہمیشہ بر دل من در و بارد پیل بار

سلطان کو مخاطب کر کے کہتے ہین:

خسروا مدح تو گرگ و کرگ و شیر و پیل — گشتہ ام نادر بنام صاحب چرخ اقتدار

پیل تن شیر افگن گرزت اگر خواہد دہد — گرگ را چون دم کرگس بر سر گردون قرار

آن وزیرے کز برائے گوشمال گرگ چرخ — دل نہادہ ہیچو کرگ و پیل و شیر از اضطرار

آخر کے اشعار یہ ہین:-

پیل بخشا در بداؤن بایدم ویرانہء — گرچہ جائے گرگ و کرگ و شیر باشد این دیار

تا کہ شیر و پیل باشد در صحابت ہم قدم — تا کہ گرگ و کرگ باشد در کتابت یک شعار

خصم گرگ افسونت اے کرگ افگن و پیل استناد — باد پیش شیر دلیرت میان خاک خوار

ہمچو شیر و پیل دگرگ دگرگ در گرہ ماہیا　　دشمنان بے جان شدہ برآخر سنگین قطار

اس قصیدہ کا ذکر کرتے ہوئے مجمع النفائس کے مولف نے لکھا ہے کہ

"چنین قصیدہ گفتن بالقوہ دیگرے نیست"

اور یہ رائے صحیح ہے، گو آج کل کے اربابِ ذوق کے لیے لزوم ما لا یلزم کی مذکورۂ بالا مشکل صنعت مین کوئی شاعرانہ دلکشی نہین۔

استادِ خسرو کسی اور سلطان کی مدح مین ان کے کسی اور قصیدہ کا کہین ذکر نہین، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ بادشاہون کی منادمت پسند نہین کرتے تھے، اور جب ان کے علمی کمالات کی شہرت ہر طرف پھیلی تو ارباب علم خود ان کے گرد جمع ہو گئے، اور وہ سرچشمۂ فیض بن کر سب کو سیراب کرتے رہے، اس زمانہ کا مشہور اور ممتاز شاعر ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی ان کو استاد کے لقب سے یاد کرتا ہے،[۱] سلک السلوک اور طوطی نامہ کے مشہور مؤلف حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی ان کے شاگردون مین تھے،[۲] امیر خسرو نے اپنی غیر معمولی خداداد استعداد و صلاحیت کی بنا پر کسی کو اپنا استاد بنانا پسند نہین کیا، شروع مین بطور خود کہتے رہے، پھر کسی استاد سے مشورہ لینے کے بعد بجائے اساتذہ کے دواوین کو سامنے رکھکر ان کا تتبع کرتے تھے لیکن جب سخنوری و زمزمہ سنجی کے شباب پر پہنچے تو مولانا شہاب الدین کو اپنا کلام دکھانے لگے، جو مولانا شہاب کی علمی و ادبی فضیلت کا سب سے بڑا ثبوت ہے، اپنی مشہور و معروف مثنوی ہشت بہشت کے خاتمہ مین امیر خسرو نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یافتہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش　　او بہ اصلاح راندہ خامۂ خویش

دید ہر نکتہ را رقم بر قم　　رنج بر خود نہاد و منت ہم

---

۱ منتخب التواریخ جلد اول ص ۷، ۲ نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۶۹

نظر تیز کرد موئے شگاف  نے بعمیا نظارۂ بجزاف

امیر خسرو کا بیان ہے کہ مولانا شہاب نے دشمن بن کر اس مثنوی کی غلطیان دیکھیں، گو دوستون کی طرح اس کو پسند بھی کیا۔

گرچہ چون دوستان پسندیدہ  لیکن از چشم دشمنان دیدہ
دیدۂ خصم عیب کوش بود  دیدۂ دوست عیب پوش بود
دید چو دشمنان درین دفتر  تا ہمہ عیب آمدش بنظر
چون ہمہ عیب دید دشمن وار  مشست چون دوستان آئینہ دار
کلک او تیر راست را بگماشت  کر درین روضہ آہوئے نگذاشت

پھر بڑی صفائی سے اقرار کرتے ہین :

شمع من یافتہ ضیا از وے  مس من گشتہ کیمیا از وے

امیر خسرو مولانا شہاب کی بتائی ہوئی غلطیون کو ادب سے قبول کرتے تھے کہتے ہین :۔

ہرچہ او گفت من نہادم گوش  بکشیدہ مگس ز شربت نوش
وانچہ ننمود من بجستم پے  عیب آن بر من ست نے بروے
گر بماندہ ز دشنہ اش جائے  بے خسے نیست ہیچ دریائے

ان اشعار کی بنا پر مولانا شبلی لکھتے ہین کہ امیر نرے مقلد نہ تھے، جہان ان کو اصلاح کی وجہ سمجھ مین نہین آتی تھی، وہان استاد کی رائے تسلیم نہین کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ رکھتے تھے، ع :۔

عیب آن بر من ست نہ بر وے

آخری اشعار مین بھی مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی مثنوی کو ختم

کر دیتے ہین جن سے بقول مولانا شبلیؒ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پانچون مثنویان شہاب کی اصلاح دادہ ہین،

صد ہزار آفرین بر آن دل پاک　　کہ برون برو زین چمن خاشاک

انچہ او دید تا نہایت دید　　خس و خارے ز گلشنے بر چید

آنچہ ماند از نظر بہ پردہ نہان　　ہم نہان دار دش خدائے جہان

یارب او چون ز پیچ نامۂ من　　بردہ بیرون خطائے خامۂ من

نامۂ او کہ حرز جانش باد　　در قیامت خط امانش باد

ان اشعار کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ خود امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو اپنا مشفق استاد تسلیم کیا ہے اور ان کو اپنی شمع شاعری کا منور کرنے والا اور اپنے مس خام کو کندن بنانے والا بھی قرار دیا ہے۔

شمع من یافتہ ضیا از وے　　مس من گشتہ کیمیا از وے

چنانچہ مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ کیا عجیب بات ہے کہ وہ استاد جس کے دامن تربیت مین خسرو جیسا شخص پل کر بڑا ہو، آج اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں[1]

لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا (ریڈر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) نے اپنی محققانہ اور فاضلانہ کتاب دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو مین مولانا شہاب الدین مہمرہ کو امیر خسرو کا استاد تسلیم نہین کیا ہے چنانچہ کتاب کے دیباچہ مین شہاب مہمرہ یا متمرہ کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی استادی اور امیر خسرو کے تلمذ کی کوئی تصریح نہین کی ہے۔ بلکہ ایک اچھا شاعر کہکر ان کا ذکر ختم کر دیا ہے، پھر اس کتاب کے صفحہ ۲۳۰ کے حاشیہ مین لکھتے ہین کہ مولانا شبلی نے شعر العجم مین یہ لکھا ہے کہ خسرو مولانا شہاب الدین کے شاگرد ہو گئے تھے، لیکن وہ (مولانا شبلی) اس غلط نتیجہ پر خسرو کے بعض ان اشعار کی بنا پر پہنچے ہین، جو انھون نے مولانا شہاب کے متعلق کہے ہین، آگے چل کر ص ۲۴۳ پر علاء الدین خلجی کے عہد کے شعراء کا ذکر کرتے

---

۱؎ شعر العجم حصہ دوم ص ۱۴۵

ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہین ۔ ان مین سے بہت سے شعرا صاحب دیوان بھی ہوئے، یعنی انھون نے اپنے کلام کے مجموعے مرتب کیے ۔ ان مین ایک شہاب الدین[1] بھی تھے، جن کی تعریف خسرو نے خاص طور پر کی ہے، اور ان کو عربی زبان کا عالم بھی بتایا ہے، اور متعدد بار ان سے اپنی شعر و شاعری سے متعلق مشورے بھی کیے ہین لیکن ہم تک ان کی کوئی تصنیف نہیں پہنچی ہے، اس لیے ان کی شخصیت کا پتہ چلانا مشکل ہے، اس تحریر پر ڈاکٹر صاحب کا یہ حاشیہ ہے کہ یہ غالباً وہی ہین جن کو برنی اور فرشتہ نے عہد علائی کے شعرا مین شہاب صدر نشین لکھا ہے، لیکن ان کے بارہ مین کچھ بھی معلوم نہین، خسرو انکو اکثر امام کے لقب سے یاد کرتے ہین، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہی شہاب الدین تھے، جو نظام الدین اولیاء کے امام تھے، (سیرالاولیا، ص ۲۹۲، ۲۹۰) لیکن وہ کوئی مشہور شاعر نہ تھے، حضرت نظام الدین اولیا کے معاصرون مین اجودھن کے خواجہ فرید کے صاحبزادے کا اسم گرامی بھی شہاب الدین ہی تھا (سیرالاولیا، ص ۸-۱۸۶) پھر ص ۱۵۹، اور ۲۰۳ پر مولانا شہاب الدین کا ذکر امیر خسرو کے دوستون میں کیا ہے، ص ۲۰۳ پر امیر خسرو ہی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہین کہ مثنوی ہشت بہشت پر ان کے دوست شہاب الدین نے نظر ثانی کی، جو بہت بڑے عالم تھے، ص ۲۱۸ پر ان کو امیر خسرو کا سرپرست بھی لکھا ہے،

ڈاکٹر صاحب امیر خسرو سے متعلق تمام معلومات فراہم کرنے مین شاید کچھ ایسے مشغول رہے کہ وہ مولانا شہاب الدین کے بارہ مین زیادہ چھان بین نہ کر سکے، ورنہ وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ دراصل شہاب الدین مہمرہ ہی مولانا شہاب الدین تھے، ڈاکٹر صاحب نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ خسرو نے شہاب الدین مہمرہ کی تقلید مین بھی بعض قصائد کہے ہین، اور ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ایک شاعر شہاب الدین سے متعدد بار امیر خسرو نے شاعری کے متعلق مشورہ بھی کیا ہے، اور پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شہاب الدین سے ہشت بہشت پر نظر ثانی کرائی، اسی شاعر کو امیر خسرو کا سرپرست بھی تسلیم کیا ہے، پھر

---

[1] امیر خسرو کا بیان ہے کہ شہاب الدین نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہیں کیا۔

جس شہاب الدین کا ذکر بار بار کیا ہے اس کو شہاب الدین مہمرہ تسلیم کرنے اور امیر خسرو کا استاد ماننے مین عذر کیون ہے، مولانا شہاب الدین مہمرہ اپنے علمی و ادبی پایہ کی وجہ سے اپنے عہد کے غالباً تمام شعراء کے استاد تھے، اسی لیے فرشتہ نے عہد علائی کے شعراء کی فہرست مین ان کو شہاب الدین صدر نشین کے لقب سے یاد کیا ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے ان کو استاد الشعراء لکھا ہے[1]، ڈاکٹر اقبال حسین (لکچرر پٹنہ یونیورسٹی) نے بھی ان کو اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین امیر خسرو کا استاد ہی تسلیم کرکے ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے،

اسباب گمنامی ایسے باکمال شاعر پر گمنامی کا پردہ پڑا رہنا تعجب انگیز ہے، اس کے متعدد اسباب ہین، (۱) ایک تو یہ کہ وہ شاہی دربار سے مستقل طور پر وابستہ نہین ہوئے اور عام طور سے مورخون اور تذکرہ نویسون نے ان ہی شعراء کو زیادہ اچھالا ہے، جو دربار سے متعلق تھے (۲) دوسرے شہاب الدین مہمرہ نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہین کیا، جیسا کہ اوپر ہم امیر خسرو کے ایک بیان مین واضح کر چکے ہین، گو ان کا منتشر اور متفرق کلام ہر زمانہ مین شوق سے پڑھا گیا، گیارہوین صدی ہجری مین تقی اوحدی مؤلف عرفات العاشقین نے ان کے تقریباً سات سو بکھرے ہوئے اشعار جمع کئے، اور اس کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کے عہد مین بھی تمام ارباب نظر مولانا شہاب الدین مہمرہ کو اساتذۂ فن مین شمار کرتے تھے اس کے اصلی الفاظ یہ ہین،

"گویند وے از شعرائے بزرگوار سواد ہندوستان است و این صحیح است"

مولانا شہاب الدین کے گمنام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب امیر خسرو کی شاعری کا آفتاب نصف النہار کو پہنچا تو تمام شعراء ستارون کی طرح ماند پڑ گئے، منتخب التواریخ مین مولانا عبد القادر مولانا شہاب الدین مہمرہ کے ذکر مین فرماتے ہین:

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۲ [2] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۱،

"چون کلام متقدمین بعد از ظہور کوکبۂ خسرو شاعران حکم وجود ستارہا در وقت ارتفاع اعلام نیر اعظم پیدا کردہ، ومانند سبعیات ہنگام نزول وحی منزل بر خیر البشر وسید عالم علیہ السلام دربردۂ تواری ماندہ، از انہا کم می گویند و می نویسند، بلکہ نمی نمایند" (جلد اول ص ۱۷-۰)

تذکرہ نویس اور مورخین امیر خسرو کے ساتھ حسن سجزی کے کلام کا تو ذکر کرتے ہین، لیکن ان ارباب کمال کی شاعری مین ان کو کچھ ایسی لذت وکیفیت محسوس ہوتی ہے کہ اس عہد کے بقیہ اور تمام شعرا کو وہ نظر انداز کر دیتے ہین، ملا عبد القادر امیر خسرو و میر حسن کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہین :-

"در آن عہد اگرچہ شعرائے دیگر صاحب دواوین بودہ اند، امابا وجود این دو بزرگوار ذکر آنہا خوش نمی آید ع :-

چون آفتاب برآید ستارہا عدم است" (ج ا ص ۲۰۱ و ۱۷۱)

لیکن درحقیقت مولانا شہاب مہمرہ کی حیثیت ایک ستارہ کی نہ تھی، خود ملا عبد القادر بدایونی نے ان کو "شہسوار میدان بلاغت" اور "استاذ الشعراء" کہا ہے۔ امیر خسرو نے نہ صرف شاعرانہ انداز مین ان کے ادبی وعلمی کمالات کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ جس طرح انھون نے خاقانی، انوری، ظہیر فاریابی اور کمال اصفہانی کے تتبع مین قصائد کہے، اسی طرح مولانا شہاب مہمرہ کی تقلید مین بھی زور طبع دکھا کر ان کو اساتذۂ فن مین شمار کیا ہے، امیر خسرو کا ایک مشہور شعر یہ ہے:

در بداؤن مہمرہ سرمست برخیزد ز خواب [1] — گر بیاید غلغلہ مرغان دہلی زین نوا

پہلے کہا جا چکا ہے کہ امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو سلیمان ممالک سخن بھی کہا ہے، جہانگیر کے زمانہ مین میر عضد الدولہ نے فرہنگ جہانگیر لکھی، تو اس مین اور اساتذہ کی طرح مولانا شہاب کے بھی اشعار جابجا سند مین پیش کیے۔

---

[1] وسط الحیات ص۲۲ ہی مین خسرو ایک سفر کے دوران مین مولانا شہاب کو اس طرح یاد کرتے ہین،

یکے سپہر دقائق شہاب دین کہ بصدق — امام ست علم کہ او راست فضل بر فضلا،

عرفات العاشقین کا مؤلف مولانا شہاب کی تعریف مین رطب اللسان ہے،

"شاہ سخن پردازیست کہ در عرصۂ فکرت رایقان سمند معنی را پیادہ رخ بر رخ نہادے بیل

در شطرنج مقاومت وفیل فرزین طرح دادی"۔

مجمع الفصحا مین ہے:-

"وے از حکما، فضلا، وشعرا، معترف مشہور معروف زمان خود محسوب می شدہ، طبع

عالی و ذہن متعالی داشتہ....... در زمان سلطان رکن الدین فیروز بن سلطان شمس الدین

التمش سرآمد فاضل عہد بود"۔

مجمع النفائس کے مؤلف سراج الدین علی خان آرزو نے بھی تسلیم کیا کہ:

"وی (یعنی شہاب الدین مہمرہ) از شعرای بزرگ ہندوستان است"۔

موجودہ دور کے اہل قلم مین پروفیسر عبدالغنی نے اپنی انگریزی کتاب "پری مغل پرشین ان ہندوستان" مین لکھا ہے کہ شہاب الدین مہمرہ کے قصائد ایران کے سربرآوردہ شعرا، فرخی، خاقانی، انوری وغیرہ کے ہم پلہ ہین، یہ رائے اس لحاظ سے بے شک قابل قبول ہے کہ مولانا شہاب الدین مہمرہ ان باکمال شعرا ہی کی طرح قادر الکلام تھے، گو مولانا کے طرز ادا اور اسلوب بیان کی نوعیت ان شعرا سے مختلف تھی، البتہ پروفیسر موصوف کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ مہمرہ کے قصائد اس بات کا بہترین ثبوت ہین کہ ہندوستان کے ارباب فن نے فارسی ادب کو کس طرح فروغ دیا،

کلام شہاب | مولانا شہاب الدین کے زیادہ سے زیادہ اشعار منتخب التواریخ اور عرفات العاشقین مین نظر سے گذرے، کچھ اشعار مجمع النفائس، خلاصۃ الاشعار اور مخزن الغرائب مین بھی ہین، ان ہی نمونون کو دیکھکر ہم ان کے کلام پر ایک نگاہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہین،

مولانا شہاب الدین مہمرہ کی قصیدہ نگاری مین بعض بالکل ہی نئی باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ

بعض اوقات نین چار الفاظ لے لیتے ہین، اور ان کو ہر شعر مین دہرا کر قصیدہ نگاری کی لفظی صنعت کا کمال دکھاتے ہین، اور اس مشکل صنعت کے ساتھ قصیدہ کی فصاحت وبلاغت مین فرق نہین آنے پاتا، بلکہ ان کی جدت طبع، لطف زبان اور انداز بیان مین یکسان لطف حاصل ہوتا ہے، تقی اوحدی نے عرفات العاشقین مین ان کے اس وصف کی داد اس طرح دی ہے،

"در شعر وے صنائع وبدائع وبسیار فصاحت وبلاغت بے شمار است ودر اکثر قصائد التزامات مشکلہ غریبہ بکرر نمودہ ونہایت قدرت بعد ظہور رسانیدہ"

اس کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے، اسی طرح کا ایک اور قصیدہ حمد ونعت مین کہا گیا ہے، اس مین "مور" اور "موئے" کے الفاظ ہر شعر مین آئے ہین، کچھ اشعار ناظرین کی ضیافت کے لیے پیش کیے جاتے ہین:

اندزبان گرچہ شگافم موے ہنگام بیان ۔۔۔ در ثناے حق زحیرت ہمچو مورم بے زبان

در پئے زنجیر مویان پر پرواز ہوس ۔۔۔ بستہ ام بسیار چون موران زدل جان برمیان

وز براے مور چشمان شکرلب در خیال ۔۔۔ سفتہ ام موے سخن صدرہ زروے امتحان

تا ذخیرہ باشدم چون مور اندر مدح او ۔۔۔ مو دو نیمہ کردم ویک مو نزید از کس نشان

بعد ازین چون مور بندم پردے چون کمر ۔۔۔ وزبن ہر موے توفیقش کشایم صد زبان

پورا قصیدہ عرفات العاشقین مین درج ہے جس مین تقریباً ۷۰ اشعار ہین، منتخب التواریخ (جلد اول ص ۷۶-۷۹) مین بھی یہ قصیدہ ملے گا، گو اس مین کچھ کم یعنی ۴۴ اشعار ہین،

اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے مولانا شہاب الدین ہر قصیدہ مین کوئی نہ کوئی جدت ضرور پیدا کرتے ہین، چنانچہ مجمع النفائس کے مؤلف کا بیان ہے،

"فضلائے عصر بود، در ہر قصیدہ طرز خاصے دارد ..... قدرت او از آنہا معلوم می شود"

بعض قصائد ایسے بھی کہے ہین جن مین خاص خاص حروف کے الفاظ مطلق استعمال نہین ہوئے ہین، مثلاً حسب ذیل قصیدہ کے ۴۳ اشعار کے کسی لفظ مین الف استعمال نہین ہوا ہے، طوالت کے خیال سے ہم پورے قصیدہ کو نقل کرنے سے قاصر ہین، اس لیے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

منہ بہ برگ سمن پیش لالہ و عنبر — زمشک سودہ مکن گرد نسترن چنبر

بنند حقہ بُد زرشتہ لولو — مپوش تختۂ نقرہ بہ حلقۂ عنبر

محیط دولت گردون ہُمے کہ پیش کفش — چو رود خشک بود فیض دجلہ و کوثر

چو چوب عود بسوزد سپہرہ مجمرہ شکل — زکوزہ سحطش گر جہد بگینہ شرر

زشرم کو ہر لفظ تو در دل معدن — نشستہ صد عرق شرم بر رخ گوہر

اسی صنعت مین سلطان رکن الدین کے دربار کے ایک امیر بہاء الدین کی شان مین بھی ایک قصیدہ ہے، اس کے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین ہین،

زہے چو مہر بجود و کرم شدہ مشہور — علوی قدر تو بر تر ز گنبد معمور

نسیم خلق تو در حد شش جہت موصوف — بلند حیثیت تو در بزم نہ فلک مشہور

محیط علم و خرد ہم بہاء دین کز تو — حدیث خلق حسن گشت در زمین مذکور

نسیم طبع تو بر حرف معدلت موصوف — محیط کف تو بر فیض مکرمت مقصور

ز قدرت تو معظم نمودہ مسند ملک — ز قدرت مقدس شدہ تجلی طور

مطیع حکم تو در شرق و غرب ترک و عرب — رہین عدل تو در بحر و بر وحوش و طیور

چو بحر و گنج بہر خطہ جود تو موصوف — چو بخت و عقل بہر بقعہ سعی تو مشکور

تو بے نظیر بے عدیل و کس نہ بیند نیز — عدیل عدل تو ہرگز مگر بروز نشور

ہندوستان مین اس قسم کے قصائد مصنوع کے لکھنے کا سہرا مولانا شہاب الدین ہی کے سر ہے،

خلاصۃ الاشعار کے مؤلف نے لکھا ہے کہ انکے قصائد مصنوع ایران کے حکیم ابو علی جبائی کے قصائد کے ہم پلہ قرار دیے جا سکتے ہیں،

ہندوستان کے شعراء مین حمد و نعت مین قصائد کہنے کی اولیت بھی غالباً مولانا شہاب ہی کو حاصل ہوئی[۱]، ان سے پہلے شعراء سلاطین، وزراء اور امراء کی مدح سرائی مین قصیدہ نگاری کا سارا زور صرف کرتے تھے، لیکن مولانا شہاب نے حمد و نعت مین قصائد لکھکر اس صنف شاعری مین مذہبی رنگ بھی پیدا کیا، حمد کے کچھ اشعار ہم پہلے نقل کر چکے ہین، اب ایک نعتیہ قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہین،

شہ تختِ کن[۲] محمد کہ سرادق شرف زد — بسوے درِ ہمین، ز سرائے ام ہانی رضہ
بشرے ملک لطافت فلکی زمین تواضع — چو فلک بہ پاک جسمے چو ملک بہ پاک جانی
گہرے کہ بود جایش بخزانۂ الٰہی — قمرے کہ تافت نورش ز سپہر جاودانی
گہرے کہ قیمتی تر ز وجود او نیاید — بہ دلالتِ عناصر ز محیط آسمانی
قمرے کہ ہر سحرگہ چو شب سیاہ گیتی — ز خجالتِ عقیقش رخِ کوکب یمانی
شکرین زبان رسولے کہ بود نجات امت — بہ عقیدۂ زبانش ز عقیلۂ زبانی
گہرین بیان فصیحے کہ فصاحت بیانش — چو ضمیر کان کند خون دل گنج شایگانی
ز جمال عارضش کم رخ آفتاب شرقی — ز قوام قامتش خم قد سرو بوستانی
بہ خساب گرفتہ رہ مالک الرقابی — بہ کلام برکشادہ در صاحب القرانی
جذباتِ شوق باطن بمکاشفت کشیدہ — ز بسیط کائناتش بہ محیط لامکانی

---

[۱] ڈاکٹر اقبال حسین رقمطراز ہین "ابو الفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے قصائد شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ، شہاب سے پہلے ہندوستانی شعراء کے کلام کا غور سے مطالعہ کرو، تم کو ایک قصیدہ بھی حمد یا نعت مین نہیں ملے گا، (ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء ص ۱۶۷)

[۲] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۸۹ مین "کی" ہے، جو کتابت و طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

اس کے بعد خلفاے راشدین یعنی حضرت ابوبکرؓ (ابن ابوقحافہ) حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا بھی ذکر ہے، جس میں تھوڑی سی ان کی منقبت بھی آگئی ہے،

بنوید دوست جانش شدہ مست برامیدش | پسر ابوقحافہ زدہ تحفہ دوستگانی
ربطی بنا فگندہ سخنش قضاے حق را | شدہ از پئے سیاست عمرش بعدل بانی
قدم سیوم درین رہ زپیش نہادہ مردے | کہ نزد غرور راہش بہ متاع این جہانی
شدہ رکن چارمینش علی آنکہ بد گہ کین | زشعاع ذوالفقارش رخ مہر زعفرانی
ملکا بحق یاران کہ مرا بہ یاری خود | زبلاے یار ناداں ہمہ عمر را رہانی
زمن آنکہ این قصیدہ طلبید باد جانش | چو قصیدہ ام مزین بجواہر معانی

پورے قصیدہ میں بلاغت بھی ہے اور فصاحت بھی، الفاظ کے در وبست سے قصیدہ میں بڑی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، شاید مولانا شہاب کے اسی قسم کے کلام کو دیکھ کر مخزن الغرائب کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"او فاضل وقت خود بود طبعی موزون و شعرے چون در مکنون داشت"[1]

ان قوافی کی دل آویزی سے متاثر ہو کر امیر خسرو نے اپنے استاد کے شاید تتبع میں ایک پرکیف غزل لکھی ہے، گو اس کی بحر مختلف ہے، ناظرین بھی اس غزل کے دو چار شعر سے لطف اٹھائیں،

ہم از جمال ساقی زشراب ارغوانی | کہ بیار تشنہ ام من نہ بہ آب زندگانی
تن من چو موم از آتش بگداخت در فراقت | بدلے چو سنگ خارا تو ہنوز ہمچنانی
چو نوید عشق دادی دل مردہ زندہ گردد | کہ غذاے روح باشد غم دوستان جانی
مشو از صبا مشوش زنفیر در دمندان | چو زغائبان مجلس خبرے بما رسانی

---

[1] مخزن الغرائب قلمی نسخہ ورق ۱۹۲،

امیر خسرو اور عمید الدین سنامی نے استاد وقت مولانا شہاب کے تتبع میں حمد و نعت میں کئی قصائد کہے ہیں، جن کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا،

حمد و نعت میں تصوف کے مسائل کا آنا ناگزیر ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ مولانا شہاب کے قصائد میں صوفیانہ رنگ بھی لامحالہ پیدا ہو گیا، جس کی بنا پر ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ مولانا شہاب ہی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انھوں نے قصائد کو تصوف سے روشناس کیا، لیکن ہم کو مولانا شہاب کا کوئی ایسا قصیدہ نہیں ملا جس میں انھوں نے تصوف کے معارف و حقایق کا مستقل ذکر کیا ہو، البتہ ان کے حمد و نعت کے قصائد سے ان کے صوفیانہ جذبات کا ضرور اظہار ہوتا ہے، پروفیسر عبد الغنی رقمطراز ہیں کہ مولانا شہاب کے جو اشعار تذکروں میں پائے جاتے ہیں، ان میں زیادہ تر اخلاقیات اور روحانیات کا درس ہے، جو اپنے تخیلات کی رفعت اور اسلوب بیان کی شوکت و جزالت کے لحاظ سے بے مثل ہیں، اور یہی قصیدہ گوئی کے محاسن ہیں، تصوف کا اخلاق و روحانیت سے گہرا تعلق ہی، اس لیے مولانا شہاب کے کلام میں اخلاق و روحانیت کا عنصر بھی ہے، لہذا پروفیسر عبد الغنی نے جو کچھ کہا ہے، اس کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں، البتہ مولانا شہاب کا سارا کلام دستیاب ہو جاتا تو اور بھی وثوق کے ساتھ اس رائے سے اتفاق کیا جا سکتا تھا، کیونکہ مولانا شہاب کے علم و فضل سے توقع یہی کی جا سکتی ہو کہ انھوں نے شاعری کو محض ذریعۂ تفریح نہیں بنایا ہوگا، بلکہ خوشامد اور مداحی سے الگ ہو کر عشق حقیقی کی آگ سے دل کو گرمانے اور پند و موعظت سے اخلاق کو منوانے کی بھی کوشش کی ہوگی،

لیکن پروفیسر عبد الغنی نے نہ جانے یہ بات کیسے لکھ دی کہ عرفی نے ہندوستان آنے پر شہاب کے طرز نگارش اور تخیلی رجحان کا تتبع کیا۔ وہ بھی لکھتے ہیں کہ ہمرہ کے قصائد میں جو زندگی کے مقاصد و نصب العین اور ذہن کی توانائیاں ہیں، وہ عرفی کے قصائد میں بھی بکثرت ہیں، جس نے ہمرہ ہی کی طرح لمبے لمبے قصائد لکھے، یہ تو صحیح ہے کہ عرفی کے بعض قصائد ہمرہ ہی کی طرح طویل ہیں لیکن طرز نگارش اور تخیلی رجحان میں دونوں کا موازنہ کرنا ایک بیکار سی بات ہے، جہاں تک دقت پسندی، زور کلام، طرز ادا کی جدت اور سنگلاخ زمینوں میں

طبع آزمائی کا تعلق ہے، شہاب اور عرفی مین تھوڑا سا موازنہ ہو سکتا ہے، گو انکی بھی نوعیت بالکل جدا اور مختلف ہے، عرفی نے اپنے مضامین کے زور اور اسلوب بیان کے اچھوتے پن مین الفاظ کی شان و شوکت، بندش کی چستی خیالات کی رفعت، استعارات اور تشبیہات کی طرفگی، اور فصاحت و بلاغت کا ایسا زور شور دکھلایا کہ وہ ایک طرز خاص کا موجد بن گیا جس سے مولانا شہاب کے قصائد کو کوئی مناسبت نہین، مولانا شہاب اپنے عہد کے مسلم الثبوت استاد ضرور تھے، جیسا کہ ہم پہلے دکھلا چکے ہین لیکن بقول پروفیسر محمود شیرانی مرحوم "شہاب کا انداز، علمیت، سنگلاخ زمین، صنعت لزوم مالایلزم و دیگر صنائع ہین، یہ رنگ جو زیادہ تر چھٹی ساتوین صدی مین مرغوب طبائع تھا، دسوین صدی مین عرفی اور اس کے معاصرین کو کیون پسند آنے لگا"[1]،

پروفیسر عبدالغنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مہمرہ کے کردار کی شرافت اور دنیا سے بے نیازی نے ان کو سلاطین کے سامنے جھکنے سے باز رکھا، اس لیے محض روپیہ کی خاطر انھون نے کسی کی مداحی نہین کی، یہ صحیح ہے، گو مولانا شہاب نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ اور اس کے بعض درباری امرا کی شان مین کچھ قصیدے ضرور کہے لیکن یہ قصائد ان کی کم عمری کے زمانہ کے ہین، ان کے علم و فضل کے شہرہ کے بعد واقعی ان کی جبین نیاز کسی کے آستانہ پر نہین جھکی، مگر پروفیسر موصوف کا بیان بھی تعجب انگیز ہے کہ گو عرفی ہندوستان دولت کی تلاش ہی مین آیا، لیکن شہاب مہمرہ کی طرح اس نے قصیدہ گوئی کو اپنا پیشہ نہین بنایا، اور نہ انعام کی طلب مین وہ سلاطین و امرا کے دربار کا مشتاق رہا، پروفیسر موصوف نے حاشیہ مین خود یہ بھی لکھا ہے کہ عرفی نے شہزادہ سلیم (جہانگیر) حکیم ابوالفتح، عبدالرحیم خانخانان اور اکبر کی شان مین قصیدے کہے، جن کی سرپرستی نے اس کو دوسرون سے بے نیاز کر دیا، تو پھر اس کو دوسرے امرا و سلاطین کے دربارون مین جانے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی تھی، یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنے غرور، کم بینی اور خودستائی مین مختلف دربارون کی ناصیہ سائی کا اظہار پسند نہین کیا، یہ ضرور ہے کہ وہ قصیدہ گوئی کو اچھا پیشہ بھی نہین سمجھتا تھا،

ع قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی

[1] رسالہ اردو جنوری سنہ ۴۳ء

لیکن پھر بھی وہ برابر قصیدے ہی کہتا رہا، اور اس کا نام آج تک اس کے قصیدون ہی کے بدولت روشن ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ اس نے اپنے قصیدون مین ادنی درجہ کی بھی مداحی اور چاپلوسی کا اظہار نہین کیا ہے، بلکہ مضمون آفرینی اور نازک خیالی کے ساتھ بڑی خودداری کا ثبوت دیا ہے، اور بقول مولانا شبلی "عرفی نے قصائد مین جس قسم کی خودداری کے خیالات کی ابتدا کی تھی، اگر اس کی طرف عام خیالات کا میلان ہوگیا ہوتا، تو شاید یہ صنف کسی اچھے کام کا مصرف بن جاتی"۔ (شعرالعجم حصہ سوم ص ۱۱۴)

جہان تک قصیدہ گوئی سے اچھے کام کا مصرف لینے کا تعلق ہے، ہندوستانی شعراء مین یہ اولیت مولانا شہاب ہی کو حاصل ہے، کہ انھون نے قصیدہ کو حمد و نعت، اخلاق و تصوف سے روشناس کر کے اس صنف مین ایک نیا رنگ پیدا کیا، جس کو بعد کے شعراء نے چمکایا، اس لحاظ سے اس فن مین مذہبی، روحانی اور اخلاقی جذبات کے نشوونما کا بھی کام لیا جانے لگا، اور اس کا سہرا مولانا شہاب ہی کے سر ہے، ڈاکٹر اقبال حسین نے ان کے قصیدون پر عام تبصرہ کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے کہ ان کے قصیدے اب موجودہ مذاق کے مطابق نہین ہین لیکن جب یہ کہے گئے تو اس عہد کے تمام معاصرین نے ان کو عام طور پر پسند کیا اور اس کی تقلید کرنے کی بھی کوشش کی، یہ اپنی جدت طرازی اور دوسرے محاسن کی وجہ سے عہد یون تک مقبول رہے، ان مین تصنع ضرور ہے لیکن مولانا شہاب نے اپنی جادوگری سے اس تصنع مین بھی شوکت اور رفعت پیدا کی، انھون نے ہر قصیدہ مین ایک نئی صنعت پیش کی، جو ان کی غیر معمولی ذہنی صلاحیت کا ثبوت ہے، ان کے قصیدے ان کی قادرالکلامی، لفظی صناعی اور اختراع کے بہترین نمونے ہین، .... جن کی بنا پر یہ بلاشک و شبہہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے عہد مین فارسی شاعری پر غیر معمولی طریقہ پر اثرانداز ہوئے، اور آج بھی اپنی جدت طبع اور قصیدہ گوئی پر بے مثل مہارت رکھنے کی وجہ سے یاد رکھنے کے قابل ہین،

اس مضمون کے شروع مین ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا شہاب کی وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہین

ہو سکی ہے لیکن اس "سلیمان ممالک سخن" اور "غیرت بو تمام وبحتری" کی وفات بدایون مین ہوئی اور یہین وہ پیوند خاک ہوئے، ان ہی کے پہلو مین ان کے شاگرد حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی (المتوفی ۷۵۱ھ) کا مزار شریف ہے۔[1]

تاج الدین ریزہ اور مولانا شہاب الدین مہمرہ کے شاعرانہ کمالات کی تفصیل لکھنے مین سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی علم نوازی کا ذکر ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا، حالانکہ اس کی مدت حکومت مشکل سے سات مہینے رہی، لیکن اس مختصر زمانہ مین اس کی علمی سرپرستی لائق تحسین رہی، اسی کے حکم سے امام رازی کی عربی تصنیف سر مکتوم کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا گیا۔[2] یہ سرپرستی اس کی داد و دہش کا نتیجہ ہے، جس کا ذکر تمام مورخون نے کیا ہے، طبقات ناصری کے مولف کا بیان ہے کہ

"در عطا و سخا حاتم ثانی بود و انچہ او کرد از بذل اموال و شرفاے وافرہ وکثرت عطایا در ہیچ عہد ہیچ بادشاہ نکرد" (ص ۱۸۴)

ایسے فیاض فرمانروا کے عہد حکومت مین شعراء و فضلاء کی غیر معمولی سرپرستی کی توقع کی جا سکتی تھی، لیکن زمانہ کو کچھ اور ہی کروٹ لینا تھا، اس لیے ارباب علم اس سلطان کی فیاضیون اور زرپاشیون سے سیراب ہو چلے تھے کہ یکایک محروم ہو گئے،

---

[1] رسالہ برہان نومبر ۱۹۵۱ء [2] رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۳ء ص ۹۵

# رضیہؓ

## سنہ ۶۳۴-۶۳۷ھ
## ۱۲۳۶-۱۲۴۰ء

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد رضیہ دہلی کے تخت پر ۶۳۴ھ مین جلوہ افروز ہوئی، وہ ہندوستان کی پہلی حکمران خاتون تھی، اس مین حکمرانی کے تمام اوصاف موجود تھے، طبقات ناصری مین ہے کہ

"بادشاہ بزرگ و عاقل و عادل و کریم و عالم نواز و عدل گستر و رعیت پرور و لشکر کش بود" (ص ۱۸۵)

ظاہر ہے کہ یہ تمام محاسن ایک خاتون مین اسی وقت جمع ہوسکتے ہین جبکہ اس نے اعلیٰ تعلیم و تربیت بھی پائی ہو، سلطان شمس الدین التمش کا دربار علوم و فنون کا گہوارہ رہا، اس لیے کوئی تعجب نہین کہ اس نے اپنے عہد کے معیار کے مطابق ہر قسم کی تعلیم پائی ہو، سلطان شمس الدین التمش نے اس مین حکمرانی کے تمام آثار پائے تھے، اسی لیے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، لیکن وہ التمش کے بعد تو نہین، مگر اپنے بھائی رکن الدین فیروز کی چھ سات مہینے کی حکومت کے بعد تخت پر بیٹھی، یہ زمانہ ایسا تھا کہ عام طور سے لوگ کسی خاتون کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے، اس لیے اس کے اوصاف حمیدہ اس کے کام نہین آئے، جیسا کہ طبقات ناصری کے مؤلف نے لکھا ہے،

"چون از حساب مردان در خلقت نصیب نیافتہ بود این ہمہ صفات گزیدہ

چہ سود شش کند۔" (ص ۱۸۵)

اس کی حکومت تین سال سے کچھ زیادہ رہی لیکن مورخون نے اس کی تاریخ کچھ ایسے انداز مین لکھی ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت صرف انتشار مین گذری، طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ وہ "عالم نواز" تھی، خود مولف مذکور بھی اسکی علم پروری کے رہین منت رہے، کیونکہ ۶۳۵ھ مین وہ گوالیار سے دہلی آئے تو رضیہ نے دہلی کے مدرسۂ ناصریہ کا اہتمام ان ہی کے سپرد کیا، اس کے ساتھ گوالیار کی قضاۃ بھی ان ہی کے پاس رہی[۱]، لیکن انھون نے اپنی تاریخ مین رضیہ کی علم نوازی اور علم پروری کی کوئی تفصیل نہین لکھی ہے، صرف "عالم نواز" لکھنے ہی پر اکتفا کیا ہے، تاریخ مبارک شاہی مین بھی اس کی علمی سرپرستی کا کوئی ذکر نہین، البتہ عہد مغلیہ کے بعض مورخون نے اس کے علمی اوصاف کا ذکر کیا ہے، تاریخ فرشتہ مین ہے کہ

"سلطان رضیہ ایسے تمام اوصاف سے مزین تھی، جو ایک عاقل اور صاحب رائے بادشاہ کے لیے ضروری ہین، اصحاب نظر اس مین سوائے اس کے کہ وہ عورت تھی، کوئی اور عیب نہین پاتے تھے، وہ قرآن مجید پورے آداب کے ساتھ پڑھا کرتی تھی، اور دوسرے علوم سے بھی آگاہی رکھتی تھی، اپنے باپ کے زمانہ ہی سے ملکی معاملات مین دخل دیا کرتی اور فرمانروائی کیا کرتی تھی، سلطان (یعنی التتمش) اس کی عقل و فراست اور فرزانگی دیکھ کر مانع نہ ہوتا[۲]،

اس عہد کے علماء و شعراء مین سے صرف دو کے نام طبقات ناصری کے مؤلف نے لیے ہین،

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۸۰، رضیہ ہی کے زمانہ مین دہلی کے ایک دوسرے تعلیمی ادارہ کا نام مدرسۂ معزی تھا، ایضاً ص ۱۸۹، مدرسۂ ناصریہ کو غالباً شمس الدین التتمش ہی نے اپنے بڑے لڑکے ناصر الدین محمود کی وفات پر اسکے نام سے قائم کیا تھا

[۲] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۸، واضح رہے کہ ترجمہ بالکل لفظی نہیں ہے، اس کتاب میں جہان بھی فارسی اقتباسات کے ترجمے نظر آئین ان کو بھی بالکل لفظی نہ سمجھنا چاہیے،

ایک نصیر الدین اتیم بلارامی، اور دوسرا امیر امام ناصر، موخر الذکر کے نام کے ساتھ شاعر لکھا ہے، التتمش کے عہد میں ہم ایک شاعر خواجہ ابو نصر ناصری کا ذکر کر چکے ہیں، اورنٹیل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۹ء) کے ایک مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ وہی ناصری شاعر ہو، جو بعد میں ترقی کر کے امیر اور امام کے اعلیٰ مراتب تک پہنچ گیا ہو، لیکن یہ سب کچھ ثبوت کا محتاج ہے، پہلے یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ رضیہ جب شہزادی تھی تو تاج الدین ریزہ نے اس کی شان میں ایک قصیدہ کہا تھا، لیکن اس کی حکومت کے دور میں تاج الدین ریزہ کے کسی قصیدہ کا ذکر نظر سے نہیں گذرا، ظاہر ہے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد رضیہ کی مدح سرائی کی ہو گی، لیکن ممکن ہے کہ وہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے محبوب شاعر ہونے کی وجہ سے رضیہ کی نظروں میں معتوب رہا ہو،

علماء میں نصیر الدین اتیم بلارامی کی علمی فضیلت کا حال تو معلوم نہ ہو سکا، البتہ ان کے مجاہدانہ کارنامہ کا ذکر طبقات ناصری میں ہے، رضیہ کے اوائل عہد میں قرامطہ اور ملاحدہ نے نور ترک کی سربراہی میں دہلی میں قتل و خون کا بازار گرم کیا، تو اس وقت مولانا نصیر الدین اتیم بلارامی مسلح ہو کر گھر سے نکل کر جامع مسجد کے پاس پہنچے، اور قرامطہ اور ملاحدہ سے لڑ کر ان کو کیفر کردار تک پہنچایا۔[۲]

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۸۹ [۲] ایضاً

# معزالدین بہرام شاہ

۶۳۷-۶۳۹ھ
۱۲۴۰-۱۲۴۲ء

رضیہ کے بعد اس کا بھائی معزالدین بہرام شاہ تخت پر بیٹھا، اس کی حکومت کل دو سال ڈیڑھ مہینہ رہی، ظاہر ہے کہ اس قلیل مدت میں اس کی علمی سرپرستی کی کچھ زیادہ تفصیل نہیں ہوسکتی ہے، طبقات ناصری کے مؤلف نے اس کو ایک "خونخوار" حکمران لکھا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اسکی کچھ خوبیاں بھی بیان کی ہیں، رقمطراز ہیں:

"......... اما چند اوصاف گزیدہ و اخلاق پسندیدہ داشت و در ذات خود شرمگین و بے تکلف بود و ہرگز از حلے و حلل کہ آئین بادشاہان دنیا باشد با خود نداشتے و در کمر و ساحت و علم باین زنہا رغبت بنمود ے" (ص ۱۹۱)

معزالدین بہرام شاہ جس روز تخت پر بیٹھا تو ظاہر ہے کہ قدیم دستور کے مطابق شعراء نے اس کی شان میں بھی قصائد کہے، اس موقع پر مولانا منہاج سراج (صاحب طبقات ناصری) نے حسب ذیل قطعہ کہا،

زہے در شان تو منزل ز لوح آیات سلطانی — ببین در رایت شاہی علامات جہانبانی
معزالدین الدنیا مغیث الخلق تا خلقی — سلیمان سانت در فرمانت ہم انسی و ہم جانی
اگر سلطانی ہند است ارث دودہ شمسی — بحمداللہ ز فرزندان توئی ایلتمش ثانی

چو دیدنت ہمہ عالم کہ برحق دارث ملکے — درت را قبلہ گر کر دند ہم قاضی وہم دانی
چو منہاج سراج این است خلقان را دعائے تو — کہ یارب برسر ملک دولت جاودان مانی
بعہدت راست چون نیزہ چنان گردد ہمہ عالم — کہ جز در طرۂ پرچم نہ بیند کس پریشانی

**سلطان اور مولانا منہاج** سلطان مولانا منہاج سراج کا بڑا معتقد تھا، ۶۳۹ھ مین مغلون نے لاہور پر یورش کی اور وہان کے مسلمانون کو شہید کیا تو سلطان نے متاثر ہوکر دہلی مین اپنے محل قصر سپید مین مسلمانون کا ایک بڑا اجتماع کیا، اور مولانا منہاج سے ایک وعظ کہنے کی فرمایش کی، مولانا ہندوستان آنے سے پہلے چنگیزی فتنہ کی تباہ کاریان خراسان وہرات مین دیکھ چکے تھے، اس لیے اس موقع پر ایسی مُوثر تقریر کی کہ امراء آپس کے اختلاف دور کرکے مغلون کی یورش رد کرنے کے لیے کمربستہ ہوگئے، اسی سال سلطان نے مولانا منہاج کو دہلی اور تمام سلطنت کا قاضی بنایا، اور بہت سی عنایتون سے سرفراز کیا۔[۱]

**سلطان اور حضرت ایوب ترکمانی** سلطان کو حضرت ایوب ترکمانی سے بھی بڑی عقیدت پیدا ہوگئی تھی، ان کے بارہ مین مولانا منہاج فرماتے ہین،

"درویشے ترکمان بود، ایوب نام، مردے زاہد وگلیم پوش، مدتے در قصر حوض سلطان باعتکاف نشستہ، واز آنجا اورا بہ خدمت سلطان معزالدین تقرب افتاد، سلطان را بدو ارادتے پیدا شد۔"

سلطان کی گرویدگی ان سے اور بڑھی، تو وہ سلطنت کے معاملات مین بھی دخل دینے لگے، وہ جیسا کہ مولانا منہاج کا بیان ہے۔ قاضی شمس الدین مہر[۲] سے برگشتہ خاطر تھے اور ان ہی کے اشارہ سے قاضی شمس الدین ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیے گئے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ درویشی

[۱] طبقات ناصری ص ۱۹۵ [۲] نزہتہ الخواطر مین ان کو مارہروی لکھا گیا ہے، اور مارہرہ کا قاضی بنایا گیا ہے، ج ۱ ص ۱۶۷،

کے شایانِ شان نہ تھا، اس سے عام طور سے سلطان کے خلاف بھی برہمی پیدا ہوگئی، سلطان سے برگشتگی کے اور بھی اسباب پیدا ہوتے گئے، یہاں تک کہ بعض امرا نے اس کو معزول کر دینے کا آپس میں عہد کیا، یہ فتنہ زیادہ بڑھا تو شیخ الاسلام سید قطب الدین نے مداخلت کرنی چاہی، لیکن ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔[1] فرشتہ کو سید قطب الدین کے نام سے غلط فہمی ہوئی ہے، اور وہ ان کو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سمجھتا ہے، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے:

....... القصہ آن فرمان را نظام الملک مہذب الدین با امرائے لشکر نمودہ در عزل سلطان با خود متفق ساخت، چون سلطان بارین حال اطلاع افتاد، خدمت شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی را بہ تکلیف تمام برائے تسلی امرا فرستادہ وامرا ہیچ وجہ تسلی نہ شدند و شیخ برگشتہ بدہلی آمد۔[2]

یہ روایت اس لیے صحیح نہیں ہوسکتی ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کا وصال ایلتتمش کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا۔

سلطان کے خلاف فتنہ کو فرو کرنے کے لیے علماء و فضلا بھی بیچ میں پڑے لیکن ان کی جد وجہد بیکار ثابت ہوئی، طبقات ناصری میں ہے:

"داعی دولت منہاج سراج و ائمہ کبار شہر در اصلاح و تسکین آن فتنہ بسیار جد وجہد نمودند، بہ ہیچ وجہ قرار نگرفت" (ص ۱۹۶)

اس فتنہ میں بعض مفسدوں نے سلطان کے وزیر خواجہ مہذب الدین کے اشارہ سے مولانا منہاج پر بھی قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ محفوظ رہے، بالآخر اسی شورہ پشتی کے زمانہ میں سلطان بہرام ہلاک ہوا۔

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۶ [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۰، یہی بات طبقات اکبری ج ۱ (ص ۷۰) میں بھی لکھی ہے۔

**جلال الدین کاشانی**

اس عہد کے جید اور ممتاز علماء میں قاضی جلال الدین کاشانی کا ذکر خاص طور پر کیے جانے کے لائق ہے، وہ دہلی کے قاضی تھے، لیکن بہرام شاہ نے سنہ ۶۳۹ھ میں انھیں معزول کر دیا[1] اس کے بعد وہ اودھ چلے گئے، جہاں عہدۂ قضاۃ کی خدمت انجام دیتے رہے، بہرام شاہ کے بعد علاء الدین مسعود تخت پر بیٹھا، تو اس نے قاضی جلال الدین کاشانی کو اودھ سے بلا کر لکھنوتی سفارت میں بھیجا، اور وہاں بھیجنے سے پہلے ان کو خلعت اور چتر لعل دے کر ان کی قدر دانی کی[2]، وہ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں صدر جہاں کی خدمت پر مامور کیے گئے، اور اپنی وفات (سنہ ۶۴۸ھ) تک یہی خدمت انجام دیتے رہے،

**علاء الدین مسعود شاہ**

سلطان علاء الدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ نے چار سال ایک مہینہ تک حکومت کی، لیکن اس کے عہد کی تفصیل کچھ زیادہ نہیں مل سکی، اس لیے ایک علیحدہ عنوان قائم کرنے کے بجائے ہم صرف چند سطروں میں اس کا بیان ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں،

**مولانا منہاج**

سلطان علاء الدین مسعود شاہ کی حکومت کا ابتدائی دور طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج کے لیے سازگار نہیں تھا، وہ اپنے عہدۂ قضاۃ سے علیحدہ ہو کر سنہ ۶۴۰ھ میں[3] لکھنوتی کے لیے عازم ہوئے، دہلی سے نکلے تو بدایوں پہنچ کر تاج الدین تغلق سے ملے، وہ ان سے بڑے لطف و کرم سے پیش آیا، پھر اودھ آئے، جہاں کے حاکم قمر الدین نے بھی ان کی بڑی پذیرائی کی، اسی زمانہ میں طغان خان عز الدین طغرل لکھنوتی اپنے لشکر کے ساتھ جا رہا تھا، مولانا منہاج اپنے اہل و عیال کو اودھ میں چھوڑ کر اس سے کڑہ میں جا ملے، ذی الحجہ سنہ ۶۴۰ھ میں لکھنوتی پہنچے، یہاں دو سال تک طغان خان کے الطاف و اکرام سے فیضیاب ہوتے رہے، سنہ ۶۴۳ھ میں جب طغان خان دہلی طلب کیا گیا تو مولانا منہاج

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۴ [2] ایضاً ص ۱۹۹ [3] سلطان علاء الدین مسعود نے مولانا منہاج کی جگہ پر شیخ عماد الدین محمد شعور خانی کو دہلی کا قاضی مقرر کیا۔

اس کی معیت میں دہلی تشریف لائے، اس وقت الغ خان جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا، امیر حاجب تھا، اس نے مولانا منہاج کی بڑی قدر دانی کی، اور ان کو ان کے پہلے عہدہ پر پھر سے مامور کیا، یعنی وہ مدرسۂ ناصریہ کے اوقاف کے متولی، گوالیار کے قاضی اور جامع مسجد کے خطیب بنائے گئے، اور اسی کے ساتھ ایسے اعزاز بھی عطا کیے جو پہلے کسی کو نہ ملے تھے،[۱] گو سلطان علاء الدین مسعود شاہ نے اپنے ابتدائی عہد میں ان کو تکلیف پہنچائی، لیکن یہ ان کی نیک نفسی کی دلیل ہے کہ ان کا قلم سلطان کے اخلاق حمیدہ کی تعریف کرنے میں بالکل نہیں رکا، چنانچہ اس کا ذکر ان فقروں سے شروع کرتے ہیں،

سلطان علاء الدین مسعود شاہ پسر سلطان رکن الدین فیروزشاہ بود، پادشاہ زادۂ کریم دنیکو خلق بود و بہمہ اوصاف حمیدہ موصوف" (طبقات ناصری ص ۱۹۷)

---

[۱] طبقات ناصری میں خود مولانا منہاج فرماتے ہیں " واین داعی را اسپ و ستام تشریفی فرمودہ کہ ہیچ از ابنائے جنس مثل آن بیافتہ بود" (ص ۲۰۰)

# ناصِرُالدّین محمُودؒ

۶۴۴-۶۶۴ھ

۱۲۴۶-۱۲۶۵ء

شمس الدین التمش اپنے بڑے لڑکے ناصرالدین محمود کو بہت ہی عزیز رکھتا تھا، مگر اس کا انتقال التمش کی زندگی ہی مین ہو گیا تھا، لیکن جب اس کا سب سے چھوٹا لڑکا پیدا ہوا، تو اس نے اپنے بڑے لڑکے ہی کے نام پر اس کا نام بھی ناصرالدین محمود رکھا، اور اس کی تعلیم و تربیت خاص طور پر کی،[1]

ناصرالدین محمود کی صالح اور سلیم طبیعت مین بعض ایسے پاکیزہ اوصاف پیدا ہوئے کہ مورخین نے ان کو بڑی گرم جوشی سے بیان کیا ہے، طبقات ناصری کے مؤلف رقمطراز ہین کہ اس مین انبیاء کے اخلاق اور اولیاء اللہ کے اوصاف تھے، پھر اس کے تقویٰ، دیانت، زہد، سخاوت، عدل پروری، بردباری اور دوسرے محاسن کا ذکر کر کے لکھتے ہین کہ عہد ماضی مین ایسا بادشاہ نہین گزرا، کاش ان اوصاف و محاسن کا اجمالی ذکر کرنے کے بجائے ان کی تفصیل لکھ دی جاتی تو اس بادشاہ کی سیرت کس قدر روشن اور قابل قدر نظر آتی لیکن مؤلف مذکور نے کچھ ایسا اختصار سے کام لیا ہے کہ اس نیک دل، پاک طینت اور فرشتہ خصلت بادشاہ کے اخلاق و سیرت کی تفصیل اتنی نہین لکھی جا سکتی جتنی کہ چاہیے، بہر حال اس معاصر تاریخ کے

[1] طبقات ناصری ص ۲۰۲

علاوہ بعد کی تاریخوں کی مدد سے بھی اس فرمانروا کی تصویر حتی الامکان واضح کرنے کی کوشش کیجائیگی، جب وہ تخت پر ۶۴۴ھ میں بیٹھا تو ارکان سلطنت کے علاوہ سادات و علماء نے بھی آکر اس کو مبارکباد پیش کی[1]، شعرا نے بھی اس موقع پر اس کی مدح مین قصاید کہے اور انعام پائے[2]۔ طبقات ناصری کے مولف نے جو اس زمانہ کے جید عالم، قابل قدر مورخ اور بلند پایہ شاعر بھی تھے سلطان کی خدمت مین ایک قصیدہ اور قطعہ گذرانا، پہلے قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:-

آن شہنشاہے کہ حاتم بذل و رستم کوشش است — ناصر دنیا و دین محمود بن التمش است

آن جہان دارے کہ سقف چرخ از ایوان او — در علوے مرتبت گوئی فرو دین پوشش است

فرق فرقد سادہ است و دست پائے دولتش — فر تاج است و نگین و زیب تخت و بالش است

سکہ را از القاب میمونش چہ اندازہ است فخر — خطبہ را از اسم ہمایونش چہ مایہ نازش است

راحت دلہا است روح عہد او با روح خلق — بندگی در دو دانش زانکہ در آمیزش است

چاکر ایوان او ہر جاکہ ترک و تازگی — بندۂ فرمان او ہر جاکہ ہند و گبرش است

وارث ملک آنچ دیدش ز سلطان شمس الدین — ہر کرا از انصاف در چشم بصیرت بینش است

دولتش حساد را در ہر زمان صد شومت است — صولتش احباب را در ہر مکان صد رامش است[3]

قطعہ کے اشعار یہ ہین:-

شاہ را چو نام خویشش عاقبت محمود باد — نصرت و تائید حق با عزم او مشدود باد

دوستان را ازوی بقا و دشمنان را ازوی فنا — نفع و ضر در بخشش و در کوشش موجود باد

در جہان باب امان از عدل او مفتوح باد — باب بیدادی بہ عہدش مغلق و مسدود باد

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۰۸ [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۱ [3] پورا قصیدہ طبقات ناصری کے ص ۲۰۴-۲۰۲ پر دیکھیے۔

چون حسودش شد بطالع از فلک منحوس ورد | طالع او در پناه ایزدی مسعود باد
سفرهٔ ملک جهان را دودهٔ او شمع بس | چهرهٔ اعدائے او در دیدہا چون دود باد
اہل ایمان را ز چتر و رایتش امن و امان است | سایہ بان دین حق اند ظل شان ممدود باد
مقصدش بر فضل حق چون تکیہ گر دارد مدام | بے توقف شاہ را حاصل ہمہ مقصود باد
خاتم سرش چون نقش عدل و احسان یافتہ است | شاہد بخت جوان بر تاج او مشہود باد
در لقبش بر مدت احمد مبارک آمدہ است | ملک محمودی بہ میمونی مسلّم زود باد
داعی دین سلطنت منہاج را ورد این دعا | تا کہ باد و خاک و آب و آتش است موجود باد[1]

**درویشانہ زندگی** ناصر الدین محمود تخت پر بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا، لیکن اس کی زندگی درویشانہ رہی، اس لئے اس نے اپنے ذاتی اخراجات کا بار شاہی خزانے پر نہیں ڈالا، وہ اچھے قسم کا خطاط تھا، کلام پاک کی کتابت کیا کرتا، اور اس کا جو ہدیہ ملتا، اسی سے گذارہ کرتا، تاریخ فیروز شاہی میں ہے،

"........ سلطان ناصر الدین کہ طبقات بنام اوست بادشاہے، حلیم و کریم بود، و بیشتر نفقۂ خود از وجہ کتابت مصحف ساختی" (ص ۲۶)

تقریباً ان ہی الفاظ کے ساتھ سیر الاولیاء کے مولف نے بھی لکھا ہے کہ

"سلطان ناصر الدین کہ طبقات ناصری بنام اوست بادشاہ حلیم و کریم بود، و متعدد و بیشتر وجہ معاش خود از وجہ کتابت مصحف ساختے" (ص ۵۱)

ابن بطوطہ رقمطراز ہے:

"یہ بادشاہ نہایت نیک چلن تھا، قرآن شریف کی کتابت کرکے اسکی قیمت سے گزارہ کرتا تھا، قاضی کمال الدین نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف مجھے دکھایا، خط اچھا تھا اور

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۰۵، ۲۰۴

کتابت منشیانہ تھی " (اردو ترجمہ ص ۶۲)

طبقات اکبری مین ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود سال مین دو کلام پاک کی کتابت کرتا اور ان ہی کے ہدیے سے اپنے اخراجات کی کفالت کرتا، ایک بار ایک امیر نے اس خیال سے کہ سلطان وقت کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف ہے، اس کی قیمت معمول سے کچھ زیادہ دی، سلطان کو یہ معلوم ہوا تو اس کو یہ ناگوار گذرا، اور آیندہ وہ خفیہ طور پر اپنا لکھا ہوا مصحف بازار بھیجتا تاکہ اس کو وہی ہدیہ ملے جو عام طور سے بازار مین دیا جاتا ہے،[1]

ظاہر ہے کہ اس قلیل آمدنی مین اس کی زندگی کیسی عسرت اور تنگی مین گذرتی ہوگی، اس کے محل مین کوئی خادمہ نہ تھی، ایک روز اس کی بیوی نے اس سے شکایتہً کہا کہ جب مین آپ کے لیے روٹی پکاتی ہون تو میرے دونون ہاتھ جل جاتے ہین، اور ان مین آبلے پڑ جاتے ہین، سلطان یہ سن کر رونے لگا، پھر اس نے یہ کہا کہ دنیا گذر جانے والی ہے، یہان اس تکلیف کو برداشت کر کے صبر کرو، قیامت مین خداوند تعالیٰ اس کے اجر مین تم کو تمھاری خدمت کے لیے ایک حور دیگا، ابھی تو مین بیت المال سے تمھارے لیے کوئی کنیز نہیں خرید سکتا، سلطان کی بیوی نے یہ سن کر اس سے اتفاق کیا،[2] واضح رہے کہ سلطان کی بیوی الغ خان (غیاث الدین بلبن) کی لڑکی تھی، یہ الغ خان وہی ہے جس کے دبدبہ وحشمت اور شان وشوکت کی کوئی حد نہ تھی،

**حب رسول** | اس تقویٰ اور کسر نفسی کے ساتھ اس پر حب رسول کا بھی بڑا غلبہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا زبان پر لانے مین حد درجہ احترام کرتا، اس کے ایک ندیم خاص کا نام محمد تھا، وہ اس کو ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا، ایک روز اس نے اس کو تاج الدین

---

[1] طبقات اکبری ص ۷۷، منتخب التواریخ مین ج ۱ ص ۹۰ پر ہے "... خود بخفیہ می نوشت تاکسے خط او را نداند وزیادہ از بہا نخرد۔" [2] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۰ و طبقات اکبری ج ۱ ص ۷۷

کہہ کر پکارا، وہ آیا اور شاہی حکم کی تعمیل کرکے گھر گیا، تو تین دن تک سلطان کی خدمت مین حاضر نہ ہوا، سلطان نے اس کو گھر سے بلا بھیجا، اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، تو اس نے عرض کیا کہ خداوند جہان مجھے ہمیشہ محمدؐ کے نام سے پکارا کرتے تھے، اس روز خلاف عادت مجھ کو تاج الدین کے نام سے پکارا گیا، تو مین نے یہ سمجھا کہ مجھ سے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے، اس لیے مین نے اپنی صورت نہین دکھائی، اور یہ تین روز مین نے بڑی بے چینی اور بے قراری مین گذارے، سلطان نے قسم کھا کر کہا کہ مین تم سے بدگمان نہین ہون، لیکن جب مین نے تم کو تاج الدین کہہ کر پکارا تھا، تو اس وقت مین باوضو نہ تھا، مجھے شرم آئی کہ محمدؐ کا نام بے وضو لون[1]،

**لینت اور مروت** سلطان کی طبیعت مین لینت اور مروت بھی انتہا درجہ کی تھی، ایک روز وہ کلام پاک کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک سائل اس کے پاس آیا، اس کی نظر ایک ایسی جگہ پر پڑی جہان فیہ فیہ مکرر لکھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ اس جگہ ایک فیہ زائد ہے، سلطان نے قلم و دوات لیکر ایک فیہ کے گرد حلقہ کھینچ دیا، اور سائل کی حاجت روائی کرکے اس کو رخصت کر دیا، اور جب وہ چلا گیا تو سلطان نے قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا، ایک غلام کھڑا ہوا یہ دیکھ رہا تھا، اس نے سلطان سے پوچھا کہ ایک بار حلقہ کھینچنے اور پھر اس کو دوبارہ مٹانے مین کیا حکمت تھی، سلطان نے کہا کہ وہ ایک سائل کی حیثیت سے آیا تھا، اگر مین اس کی تردید کرتا تو وہ شرمندہ ہوتا، اسی لیے مین نے اس کی خاطر ایک حلقہ کھینچ دیا، اور پھر اس کو مٹا دیا کہ غبار دل دور کرنے سے کاغذ کے نقش کو مٹانا بہت آسان ہے[2]،

**اوصاف حمیدہ** عہد مغلیہ کے مورخون مین ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اس سلطان کے عجیب و غریب قصے خلفائے راشدین کے حالات زندگی سے ملتے جلتے ہین، اس نے گو

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۸۴، [2] ایضاً

بائیس ۲۲ برس تک حکومت کی لیکن زندگی مین درویشانہ شان برابر قائم رہی، دربار عام مین آتا تو شاہانہ لباس مین ملبوس رہتا لیکن دربار ختم کرنے کے بعد اپنے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیتا[1]۔ بڑی بڑی فوجی مہم مین بھی شریک ہوا لیکن اس کا زیادہ تر وقت عبادت، ریاضت، تلاوت کلام پاک، شب بیداری اور ذکر اللہ مین گذرتا[2]۔ اس کو بادشاہت کی کوئی ہوس نہ تھی، اسی لیے آخر مین اس نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے وزیر اور خسر الغ خان کے سپرد کردی تھی، جو آگے چل کر غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کا فرمان روا بھی ہوا لیکن ناصر الدین نے یہ امانت سپرد کرتے وقت اپنے وزیر سے یہ ناصحانہ اور عارفانہ بات کہی کہ

"اپنے تمام اختیارات کی باگ ڈور تمھارے ہاتھ مین دیتا ہوں لیکن کبھی تم کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ کل خدا کے حضور مین اس کا جواب نہ بن پڑے، اور اپنے ساتھ مجھکو بھی شرمندہ کرو[3]۔"

لیکن اس کی اس شان استغنا کے باوجود اس کے دور حکومت کا ذکر آیندہ نسلون نے بڑے فخر و مباہات سے کیا ہے، چنانچہ امیر خسرو رقمطراز ہین :-

| | |
|---|---|
| بمحمودی شہ روے زمین گشت | بگیتی ناصر دنیا و دین گشت |
| بسال بیست زاوج پایۂ خویش | جہان می داشت اندر سایۂ خویش |
| عجب عہدے ہمہ در کامرانی | بہر خانہ نشاط و شادمانی |
| نہ کس دادے کمند کینہ را تاب | نہ کس دیدے خیال فتنہ درخواب |
| مسلمان چیرہ دست و ہندوان رام | ندانستے کس از جنس مغل نام |

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۸۹ [2] منتخب التواریخ مین ہے "خود اکثر اوقات در حجرہ رفتہ بعبادت وتلاوت وذکر حق سبحانہ تعالی مشغول می بود" (ص ۸۹، ج ۱) [3] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۸۹

شہے در ذاتش از یزدان شکوہے — ہم از سنگ و ہم از گوہر چو کوہے
خود او مستغرق کار الٰہی — با مرش بندگان در کار شاہی
چنین تا دور او ہم بر سر آمد — جہان را نوبتے دیگر در آمد[1]

مودت مشائخ | سلطان ناصر الدین محمود پر اس کے باپ سلطان شمس الدین التمش کا مذہبی رنگ غالب تھا، اور پھر ایک عابد شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار کی حیثیت سے اس کا جو خاص انداز طبیعت بن گیا تھا، اس کی بنا پر یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کو مشائخ اور علماء سے کیسا شغف رہا ہوگا، طبقات ناصری میں ہے کہ اس کو مشائخ سے بڑی "مودت" اور علماء سے بڑی "محبت" تھی۔[2] فرشتہ کا بیان ہے کہ

"صلحاء و علماء را دوست داشتے"۔ (ج ۱ ص ۷۱)

لیکن افسوس ہے کہ جن صلحاء و مشائخ سے اس کے خاص تعلقات تھے، ان کا ذکر مورخون نے نہین کیا ہے، حالانکہ وہ اپنے باپ ہی کی طرح اکابر صوفیہ اور مشائخ کا گرویدہ و شیفتہ رہا ہوگا، بلکہ بزرگان چشت مین سے کسی سے بیعت بھی کی ہوگی، تذکرون مین سے مراۃ الاسرار مین ہے کہ

"وے را بخدمت گنج شکر اعتقاد تمام بود"۔ (ورق ۴۴۱)

خزینۃ الاصفیا مین ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے نکاح مین الغ خان کی لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھین، خزینۃ الاصفیا گو حال کا تذکرہ ہے، لیکن غیر مستند نہین سمجھا جاتا، اس کی یہ روایت کسی قدیم مستند ماخذ ہی پر مبنی ہوگی، الغ خان کی ایک لڑکی سلطان ناصر الدین محمود کی ملکہ بنکر بھی جب عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہی تھی تو کیا تعجب کہ الغ خان نے درویشون کے سلطان بابا فرید الدین گنج شکر کے حبالۂ عقد مین اپنی ایک لڑکی دیکر اس کو بھی فقر و فاقہ کی

[1] مثنوی دول رانی خضر خان مطبوعہ علی گڈھ ص ۵۰ - ۴۹ [2] طبقات ناصری ص ۲۰۷

زندگی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آمادہ کر لیا ہو۔ اس لحاظ سے سلطان ناصر الدین محمود حضرت بابا صاحب کا ہمزلف ہوا، دونوں میں اور گہرے تعلقات پیدا ہو گئے ہوں گے لیکن ان تعلقات کا ذکر معاصر تاریخوں اور تذکروں میں کہیں نہیں ہے ملفوظات خواجگان چشت میں ایک دو روایتیں ایسی ضرور ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا صاحب سے بڑی عقیدت تھی، بلکہ خواجگانِ چشت بھی اس کا احترام کرتے تھے، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے اس کے نام کے ساتھ انار اللہ برھانہ اور رحمۃ اللہ علیہ کے تعظیمی الفاظ استعمال کیے ہیں، جو عموماً صلحا و اخیار کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ فوائد الفواد میں ان ہی کی زبان مبارک سے یہ روایت ہے کہ

"جب کہ سلطان ناصر الدین انار اللہ برھانہ کا ملتان کی طرف جانا ہوا، تو راستہ میں اجودھن پڑا، سلطان غیاث الدین طاب اللہ ثراہ کی حیثیت اس وقت الغ خان کی تھی، وہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی زیارت کو آیا، کچھ نقد رقم پیش کی، اور چار گاؤں کے چار فرامین شیخ کے سامنے رکھے، شیخ نے فرمایا یہ کیا ہے، الغ خان نے کہا یہ نقد رقم اور چار گاؤں کے فرامین خدمت میں لایا ہوں نقد رقم تو درویشوں کے لیے اور فرامین آپ کے نام ہیں، شیخ الاسلام مسکرائے اور فرمایا کہ یہ نقد تو مجھکو دیدو، درویشوں کی ذات میں خرچ کروں گا لیکن یہ فرامین واپس لے جاؤ، اس کے بہت سے اور طالب ہیں، ان ہی کو دو۔" (ص ۹۹)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات راحت القلوب ہیں جس کے بارہ میں یہ عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مرتب کیا۔ یہ روایت اس طرح درج ہے،

"وقتے سلطان ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ بدست سلطان غیاث الدین بلبن کہ طرف ملتان آمدہ بود بزیارت دعاگوئے آمدند، چہار مثال از ان چہار دیہہ وچیزے نقد از نام

خدمتے بردعاگوئی آورد ند از انجملہ چہار دہیہ جہت شیخ الاسلام و نقد از جہت درویشان دعاگوئی تسبم کرد و گفت، این راپیشتر بردکہ طالبان این بسیار اند، بدیشان دہ کہ خواجگان ومشائخ ما ازین بابت ہیچ چیز قبول نہ کردہ اند" (ص ۳۲-۳۱)

سیرالاولیاء کے مصنف نے اپنے والد بزرگوار کی زبانی یہ روایت سن کر اس کو اس طرح لکھا ہے،

"سلطان ناصرالدین بہزوالہ کے پاس پہنچا تو اس کی خواہش ہوئی کہ اجودھن جائے اور شیخ شیوخ العالم کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے، سلطان غیاث الدین نے جو اس وقت الغ خان تھا، نائب مملکت اور سلطان ناصرالدین کا خسر تھا، سلطان سے کہا کہ فوج بڑی ہے، اجودھن کے راستے مین پانی نہیں ہے، اگر حکم ہو تو مین خود شیخ شیوخ العالم کی خدمت مین جاکر ہدیے اور فتوح پیش کرون، سلطان غیاث الدین کو اس زمانہ مین سلطنت کی ہوس پیدا ہو گئی تھی، اس نے سوچا کہ اگر واقعی میرے نصیب مین یہ چیز ہے اور سلطنت کا تخت مجھکو پہنچنے والا ہے تو اس بارہ مین شیخ شیوخ العالم مجھ سے ضرور کچھ کہین گے، یہ سوچ کر شاہی فرمان لیکر ان کی خدمت مین پہنچا، جس مین کچھ نقرئی سکّے اور چار گاؤن کے عطا کیے جانے کا حکم تھا، الغ خان نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، اور چاندی کی نقدی اور چار گاؤں کا فرمان سامنے رکھا، شیخ شیوخ العالم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟، الغ خان نے کہا کہ یہ روپے (سیم) ہین، اور یہ آپ کے لیے چار گاؤن کا فرمان ہے، شیخ شیوخ العالم مسکرائے اور فرمایا کہ نقد تو مجھ کو دے دو، درویشون مین خرچ کر دوں گا، اور گاؤن کا فرمان لے جاؤ کہ اس کے طلبگار بہت سے اور ہین، اسکے بعد الغ خان کے دل مین جو بات تھی اس کا شیخ شیوخ العالم کو کشف ہوا اور زبان مبارک سے یہ شعر پڑھے

فریدون فرخ فرشتہ نبود　　زعود وز عنبر سرشتہ نبود

زداد و دہش یافت آن نیکوئی　　تو داد و دہش کن فریدون توئی[1]

یہ سنکر الغ خان نے اس کو گرہ مین باندھ لیا، زمین چومی اور خوش خوش وہان سے اٹھا،

سیر الاولیاء کے مصنف نے اس روایت کے لکھنے سے پہلے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ سلطان ناصر الدین اوچہ وملتان کی طرف گیا تو اس کا پورا لشکر حضرت شیخ العالم فرید الدین گنج شکر کی زیارت کو آیا، لشکر کی بھیڑ بھاڑ سے وہ جگہ یعنی اجودھن خراب ہونے لگا، شیخ کی آستین کو ٹھے پر سے ایک گلی مین لٹکا دی گئی، تو تمام لوگ آئے اور اس کا بوسہ دیا، یہان تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، پھر شیخ مسجد تشریف لائے، مریدون سے فرمایا کہ میرے گرد حلقہ کر لو، تاکہ اس حلقہ کے اندر لوگ نہ آنے پائین اور دور ہی سے سلام کرکے واپس ہوجائین، مریدون نے ایسا ہی کیا، لیکن ایک بوڑھا فراش مریدون کے دائرہ مین چلا آیا، شیخ کے قدمون پر گر پڑا، اور پھر پائے مبارک کو پکڑ کر کھینچا، اور اس کا بوسہ دیا، اور بولا کہ شیخ فرید تم ہم لوگون سے تنگ آگئے ہو، لیکن خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو، جب شیخ نے یہ بات سنی تو ایک نعرہ لگایا، اور فراش کو نوازا اور اس سے بہت معذرت کی۔"

اس لشکر کے ساتھ سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا گنج شکر کی خدمت مین حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا، سیر الاولیاء نے مذکورۂ بالا روایت غالباً فوائد الفواد سے لی ہے جس مین یہ روایت اس طرح شروع کی گئی ہے:

"درآنچہ سلطان ناصر الدین جانب اوچہ وملتان، روان شد درمیان اجودھن رفت ...... (ص ۱۸۵)

---

[1] سیر الاولیاء ص ۸۰-۷۹، ایک ہی روایت مختلف کتابون سے اس لیے بھی نقل کی جارہی ہے کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ ایک ہی روایت تھوڑے سے تصرف سے کیا سے کیا بن جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دونون روایتین بظاہر علیحدہ علیحدہ موقع کی معلوم ہوتی ہین، فوائد الفواد مین بھی یہ دونون روایتین علیحدہ علیحدہ اوقات مین بیان کی گئی ہین، لیکن فرشتہ نے ان دونون روایتون کو ایک ہی ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ

"اس زمانہ مین بادشاہ ناصر الدین شہریار دہلی اوچ و ملتان کی طرف تھا، اس کا گذر اجودھن کی طرف ہوا، تو اس کو شیخ کی خدمت مین حاضر ہونے کا شرف ہوا، شیخ کی حقیقت حال سے واقف ہو کر واپس گیا، تو چار بڑے گاؤن کا فرمان اور کچھ نقد دے کر الغ خان کو جو بعد مین غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا، شیخ کے پاس بھیجا، شیخ نے دیہات کے فرمان کو تو رد کر دیا کہ فقیر کو دیہات سے کیا کام، اور نقد روپے قبول کر کے جماعت خانہ کے درویشون کو دیدیا"

(فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۰)

**علماء سے گرویدگی** یون تو سلطان ناصر الدین محمود کو اپنے عہد کے تمام اکابر علماء سے شیفتگی رہی ہوگی، لیکن طبقات ناصری کے مختصر و اجمالی بیان سے ہم کو صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اس کو قاضی منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی (مولف طبقات ناصری) سے بڑی گرویدگی تھی، جو اس کے ساتھ حضر و سفر مین برابر ساتھ رہتے تھے، ۶۴۴ھ مین سلطان ملتان، لاہور، جود اور نندانہ کی مہم پر گیا تو مولانا منہاج الدین اس کے شاہی جلو مین تھے، اور جب فوج واپس آنے لگی تو عید اضحی کی نماز جالندھر مین پڑھی گئی، یہ نماز مولانا منہاج ہی نے پڑھائی، اور اس روز سلطان نے ان کو جبہ، دستار اور ایک گھوڑے کے علاوہ دوسرے شاہانہ انعامات سے بھی نوازا،[۱] ۶۴۵ھ مین سلطان، الغ خان کے ساتھ قنوج کے پاس تلسندہ[۲] کے قلعہ کی تسخیر کے لیے گیا، تو مولانا بھی اس مہم مین شریک تھے، اس جنگ کو مولانا نے منظوم بھی کیا، اور اپنے مربی کے نام پر ناصری نامہ رکھا،

---

[۱] طبقات ناصری ص ۲۱۰ [۲] طبقات ناصری ص ۲۱۰ پر نندنہ اور تلندہ بھی مرقوم ہے،

سلطان نے اس کے صلہ مین ان کے لیے سالانہ وظیفہ مقرر کیا، اس جنگ کا سہرا الغ خان کے سر رہا تھا، اس لیے نظم مین اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی، الغ خان نے ازراہ قدر دانی مولانا کو ہانسی مین ایک گاؤن بطور انعام دیا۔[۱] ۶۴۷ھ مین سلطان محمود نے ان کو شاہی خلعت اور سو غلام انعام مین دیے۔ ان غلامون کو انھون نے اپنی ہمشیرہ کے پاس خراسان بھیجا، پھر[۲] ۶۵ھ مین بھی کیتھل سے رخصت ہوتے وقت سلطان نے ان کو گھوڑے اور خلعت خاص وغیرہ انعام مین عطا کیے۔[۳] لیکن ۶۵۱ھ مین جب خواجہ سرا امام الدین ریحان کی سازشون سے الغ خان کو پایہ تخت دہلی سے دور کر دیا گیا تو مولانا منہاج کے بھی برے دن آگئے، الغ خان کی عدم موجودگی مین زیادہ تر گھر کے اندر کواڑ بند کیے پڑے رہتے، اور ذاتی دشمنون کی وجہ سے جامع مسجد بھی جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے نہین جاتے لیکن ۶۵۲ھ مین وزارت صدر الملک نجم الدین ابوبکر کو دی گئی تو مولانا منہاج کے اچھے دن پھر پلٹے، اور سلطان نے ان کو صدر جہان کے لقب سے سرفراز کیا،[۴] اور ۶۵۳ھ مین دہلی اور تمام سلطنت کے پھر قاضی بنائے گئے، اسی سال الغ خان کا اقتدار از سر نو قائم ہوا، تو پھر آخر عمر تک مولانا منہاج الدین سلطان اور نائب سلطان کی نوازشون سے سیراب ہوتے رہے، سلطان ناصر الدین محمود اور الغ خان دونون مولانا منہاج الدین کو اس وجہ سے بھی عزیز رکھتے تھے کہ وہ بڑے اچھے واعظ اور صاحب دل بزرگ بھی تھے، فوائد الفواد مین حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہین کہ دہلی مین قاضی منہاج کا وعظ ہر دو شنبہ کو ہوتا، تو وہ بھی اس مین شریک ہوتے۔ ان کا خود بیان ہے کہ ایک روز اپنے وعظ مین قاضی منہاج نے حسب ذیل رباعی پڑھی،

لب بر لب دلبران خوش کردن | وآہنگ سر زلف مشوش کردن

---

[۱] طبقات ناصری ص ۲۱۱-۲۱۰ [۲] ایضاً ص ۲۱۴ [۳] ایضاً ص ۲۱۷ [۴] ایضاً ص ۲۱۹-۲۱۸

امروز خوش است لیک فردا خوش نیست　　خود را چو خسی طعمہ آتش کردن

تو یہ رباعی سنکر از خود رفتہ ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد ہوش مین آئے، وہ یہ بھی فرماتے ہین کہ قاضی منہاج صاحب ذوق بھی تھے، ایک روز ان کو شیخ بدر الدین غزنوی کے گھر بلایا گیا، دوشنبہ کا دن تھا، انھون نے وعدہ کیا کہ وعظ کے بعد آئین گے، اور جب مجلسِ وعظ ختم ہوئی تو تشریف لائے، مجلس سماع مین ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنی دستار اور کپڑے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیے،[1]

مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے بھی قاضی منہاج کے بزرگ او اہل دل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے،

"صاحب طبقات ناصری بزرگ بود، از فاضل روزگار از اہل وجد و سماع بود،

چون قاضی شد این کار استقامت گرفت[2]"

تدوین طبقات ناصری

۶۵۸ھ مین قاضی منہاج الدین نے ستر برس کی عمر مین اپنی مشہور و معروف تاریخ طبقات ناصری ختم کرکے سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت مین پیش کی، اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اسی کے نام پر اس کتاب کو موسوم کیا، اور موسوم کرتے وقت یہ اشعار لکھے جن مین اپنے علمی عیوب کی معافی کے خواستگار ہوئے ہین،

ہر چہ کردم سماع بنوشتم　　اصل نقل و سماع گوش بود
در گذارد خطا چو دید کریم　　زانکہ با عز و عقل و ہوش بود
ہر کہ او ذوق بہتری دریافت　　نزو صبرش صبر چو نوش بود
دامن عفو پروریش مدام　　در رہ علم عیب پوش بود
بدعا یاد دار دش منہاج　　گرچہ اندر قفس خموش بود[3]

[1] فوائد الفواد ص ۱۹۱ [2] اخبار الاخیار ص ۴۴ [3] طبقات ناصری ص ۴

سلطان ناصرالدین محمود نے مولانا کی علمی کاوشوں کو بڑا سراہا، اور غایت قدردانی میں اپنے کندھے کی چادر اتار کر ان کو دیدی، اور پھر خلعت کے علاوہ دس ہزار جیتل کا سالانہ وظیفہ، ایک گاؤں اور دوسرے انعامات بھی دیے۔ مولانا خود فرماتے ہیں:

"چون این تاریخ بخدمت سلطان ناصرالدنیا والدین خلد اللہ سلطانہ عرض افتاد خلعت بادشاہی فرمود و وثیقہ مزوج باستجاب خاص کہ برکتف مبارک او بود بداعی داد دمشروحی وہرسالے دہ ہزار جیتل ویکپارۂ دیہہ انعام فرمود" (ص ۴۵۲)

مولانا نے اپنی تاریخ کا ایک نسخہ الغ خان کی خدمت میں بھی گذرانا، تو اس نے انعام میں حسب ذیل چیزیں دیں:

"بیست ہزار جیتل معدود و ماہی صباحی و گلدستہ استجاب و یکدستہ روباہ"

مولانا نے ان انعامات کا شکریہ حسب ذیل قطعہ میں ادا کیا، جو انھوں نے اس نسخہ کی پشت پر لکھ دیا تھا۔

شہریار جہان الغ خان آنکہ — خان البرزیست وشاہ سمک
ہرکہ از حضرتش قبولی یافت — پیش ہرگز نگشت رو بفلک
پیش او کیست حاتم طائی — نزد او چیست یحیی برمک
کرد از لوح خاطر منہاج — غصۂ دہر را باحسان حک
بشنود این سخن ز من ہمہ خلق — از طریق یقین نہ از رہ شک
نود و نہ مرا است قسم کرم — دیگران را ہمہ ازان صد یک
ہر دعائے کہ گویمش از جان — کند آمین آن بصدق ملک[1]

[1] طبقات ناصری ص ۴۵۳ — ۴۵۲

طبقات ناصری ہر زمانہ مین ایک اہم اور کار آمد تاریخ سمجھی گئی ہے، یہ کتاب ۲۳ طبقات مین منقسم ہے، جن مین آفرینش عالم سے ۶۵۸ھ (مطابق ۱۲۶۱ء) تک کے تاریخی واقعات درج ہین ان مین سب سے زیادہ مفید ابواب (یعنی طبقات ۱۱، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳) سلاطین غزنی وغور، ملوک معزی اور قطب الدین ایبک سے ناصر الدین محمود تک کے سلاطین دہلی اور ان کے امراء کے حالات مین ہین، آخری باب فتنہ مغول پر ہے جو مولف کی زندگی مین برپا ہوا، ان ہی ابواب کو کپتان لیس، مولوی خادم حسین اور مولوی عبد الحیٔ نے مشترکہ طور پر اڈٹ کر کے طبقات ناصری کے نام سے ۱۸۶۴ء مین بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع کیا ہے، ۱۹۴۹ء مین آقا عبد الحیٔ حبیبی قندھاری نے کوئٹہ سے طبقات ناصری کا جو نسخہ شائع کیا ہے وہ بھی نا مکمل ہے لیکن شروع سے لیکر اکیسوین طبقہ تک مشتمل ہے، انگریزی دان اہل علم مین یہ کتاب میجر ایچ، جی راورٹی کے ذریعہ متعارف ہوئی، جس نے اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۸۱ء مین بڑی محنت و دقت سے کیا، اور اس مین اتنے مفید حواشی لکھے کہ ترجمہ اصل سے زیادہ اہم ہو گیا ہے، لیکن میجر راورٹی نے شروع کے چھ طبقات اپنے ترجمے مین حذف کر دیئے ہین، اس لیے یہ ترجمہ بھی پوری کتاب کو منظر عام پر نہ لا سکا، اور ابھی تک اس مشہور و معروف مورخ کی پوری کتاب ایک ساتھ طبع نہ ہو سکی ہے، حالانکہ ادب و انشاء اور واقعہ نگاری کے لحاظ سے یہ اب بھی لائق داد و ستایش ہے، جیسا کہ آقا عبد الحیٔ حبیبی رقمطراز ہین:

"مؤلف دانشور این کتاب (طبقات ناصری) یکے از نویسندگان معروف و زبردست زبان پارسی است کہ کتابش از حیث سلاست و روانی انشاء بے نظیر است وہم در ضبط وقایع تاریخی و مشاہدات خود مؤلف یکے از آثار برجستہ بشمار می آید"[1]

[1] طبقات ناصری مرتبہ عبد الحیٔ حبیبی ص ۱

دہلی کے ملوک سلاطین پر دو ہی معاصر تاریخین ہین. ایک تاج المآثر اور دوسری یہ طبقات ناصری، پہلے کہا جا چکا ہے کہ تاج المآثر اپنی مسجع اور مقفی عبارت کی وجہ سے زیادہ مقبول عام نہ ہو سکی، اس کے برخلاف طبقات ناصری کچھ ایسی سادہ، سلیس اور عام فہم عبارت مین لکھی ہوئی ہے کہ پڑھنے والون پر یہ اثر ہوتا ہے کہ مؤلف نے تمام واقعات کو حاشیہ آرائی اور رنگ آمیزی کے بغیر سیدھے سادے طریقے پر لکھنے کی کوشش کی ہے، اس لیے اس مین جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو صحیح اور مستند سمجھنے مین کوئی تامل نہین ہوتا ہے، مؤلف نے جا بجا ایسے ماخذون کا بھی حوالہ دیا ہے، جن کے ذریعہ سے انکو معلومات حاصل ہوئے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو واقعات کی تلاش اور جستجو رہی، وہ خود ہی سلاطین و امراء سے ایسے قریب تر تھے کہ ان کو براہ راست سارے معلومات حاصل ہوتے رہے، اگر وہ جزوی تفصیلات لکھنا چاہتے تو آسانی سے لکھ سکتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ وہ پورے عالم اسلام کی ایک اجمالی تاریخ لکھنے بیٹھے تھے، اس مین جزئیات قلبند کرنے کی کہان گنجایش ہو سکتی تھی، البتہ اب جبکہ ان کی تاریخ ہی سلاطین دہلی کے ابتدائی دور کا ایک اہم بلکہ واحد ماخذ رہ گیا ہے، تو یہ فطری طور پر خواہش ہوتی ہے کہ ان کو اختصار سے کام لینا نہ چاہیے تھا. بعض جگہ تو انھوں نے اتنا اختصار برتا ہے کہ ضروری واقعات بھی رہ گئے ہین، جو کسی اور ماخذ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہین، اور پھر جبکہ مورخون کا نقطۂ نظر بھی بدل رہا ہے، اور وہ نہ صرف سیاسی واقعات اور فوجی محاربات ہی کی تفصیل پڑھنا چاہتے ہین، بلکہ ان کو اس دور کے معاشرتی، عمرانی، علمی اور اقتصادی حالات کی بھی تلاش ہوتی ہے، تو اس لحاظ سے طبقات ناصری مین معلومات بہت ہی کم ہین، فاضل مؤلف اپنے عہد کے ایک جید عالم، صاحب دل صوفی اور ممتاز شاعر بھی تھے، ظاہر ہے کہ ان کو اپنے معاصر علماء، مشائخ اور شعراء سے گہرا تعلق رہا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ ان کا بھی ذکر بہت ہی خالی خال کرتے ہین، اگر وہ ان کا ذکر اسی طرح کرتے جس طرح کہ ملا

عبدالقادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ مین کیا ہے، تو اس دور کی علمی تاریخ بہت ہی روشن نظر آتی، لیکن ان خامیون کے باوجود یہ کتاب جس زمانہ مین لکھی گئی، اسکے لحاظ سے اس کے محاسن مین کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی، اور ہندوستان کے مملوک سلاطین کے عہد کے لیے یہ تاریخ بہت ہی قیمتی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، اور ہر دور کے مورخ اس سے استفادہ کرتے رہے ہین،

یہ تاریخ ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) یعنی ناصرالدین محمود کی وفات سے پہلے ہی ختم کردی گئی تھی، اور فاضل مؤلف بلبن کی تخت نشینی کے وقت تک زندہ تھے لیکن انھون نے ۶۵۸ھ کے بعد کی تاریخ نہیں لکھی، مولانا ضیاء الدین برنی نے عہد بلبنی سے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی ہے، اس طرح ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) سے ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) تک کی کوئی تاریخ نہین، اور یہ آٹھ برس کا زمانہ کسی معاصر تاریخ کے بغیر نظر آتا ہے، تاریخ فرشتہ مین عین الدین بیجاپوری کی ملحقات طبقات ناصری کا ذکر جا بجا آتا ہے، اس سے فرشتہ نے کچھ ایسے معلومات حاصل کیے ہین جو اور تاریخون مین نہین ہین، شاید یہ تاریخ طبقات ناصری کا تتمہ ہو، لیکن اب ملحقات طبقات ناصری کا ایک نسخہ بھی کہیں نہیں پایا جاتا ہے،

**علماء کی سرپرستی** سلطان ناصرالدین محمود نے مولانا منہاج الدین کے علاوہ اور جن دوسرے علماء سے تعلقات رکھے ان کے نام یہ ہین: شیخ عماد الدین شفورقانی، قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی شمس الدین بہرائچی، شیخ الاسلام حضرت جمال الدین بسطامی، اور مولانا سید قطب الدین،

**شیخ عماد الدین** شیخ عماد الدین شفورقانی جید عالم اور فقیہ تھے، سلطان مسعود کے زمانے مین قاضی ممالک مقرر ہوئے تھے، ناصرالدین محمود کے عہد مین بھی ۶۵۳ھ تک اس عہدہ پر مامور رہے لیکن بعض سیاسی الزامات کی بنا پر سلطان ناصرالدین محمود نے ان کو اس منصب سے معزول کرکے بدایون بھیجدیا جہان عماد الدین ریحان کے حکم سے شہید کردیے گئے،[1]

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۳

**قاضی جلال الدین کاشانی** ان کے بعد قاضی جلال الدین کاشانی ۶۴۷ھ مین اودھ سے بلوا کر قاضی ممالک کے عہدہ پر فائز کیے گئے[۱]، ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ۔

**شمس الدین بہرائچی** سلطان ناصر الدین محمود جب بہرائچ کا اقطاع دار تھا، تو اس نے قاضی شمس الدین کو یہان کا قاضی مقرر کیا، وہ ان کے فضل وکمال سے متاثر تھا۔ اس لیے انکو اس کے یہان بڑا رسوخ حاصل ہوگیا، اور جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے ان کو دہلی بلاکر یہان کا قاضی بنایا، وہ اس کے اور کامون مین بھی مشیر کی حیثیت سے دخیل رہے، ان کا یہ رسوخ دوسرے ارکان سلطنت کو پسند نہ آیا، اس لیے وہ اپنے عہدے سے الگ کر دیے گئے، ۶۵۵ھ مین امراء نے سلطان محمود کے خلاف بغاوت کی تو قاضی شمس الدین بھی متہم ہوئے اور ان کو دہلی سے شہر بدر کرکے بہرائچ بھیجدیا گیا، جہان وہ آخر عمر تک رہے[۲]،

**جمال الدین بسطامی** سلطان ناصر الدین مولانا جمال الدین بسطامی کی دینداری اور تقوی کا معترف تھا، اس لیے ان کو اپنی سلطنت کا شیخ الاسلام بنایا، لیکن ان کی عمر نے دفانہ کی اور اس عہدہ پر صرف چار سال رہ کر ۶۵۷ھ مین وفات پائی[۳]،

**مولانا قطب الدین** اس عہد مین مولانا سید قطب الدین بھی نمایان رہے، ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے جب کہ وہ معز الدین بہرام شاہ کے زمانہ مین شیخ الاسلام کی حیثیت سے سیاسی کامون مین بھی پیش پیش رہے، ۶۵۵ھ مین امرا نے سلطان محمود کے خلاف سازش کی، تو مولانا سید قطب الدین پر بھی قاضی شمس الدین بہرائچی کے ساتھ کچھ اتہام رکھا گیا، اور ان کو دہلی چھوڑنا پڑا[۴]،

**شعراء** دربار کے شعراء مین مولانا منہاج الدین اور عمید الدین سنامی خاص طور پر ذکر کیے جانے کے لائق ہین

[۱] طبقات ناصری ص ۲۱۳ [۲] ایضاً ص ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۳، و نزہتہ الخواطر ج ا ص ۱۶۷ [۳] طبقات ناصری ص ۲۲۹، ۲۲۰ [۴] ایضاً

مولانا منہاج

مولانا منہاج الدین کو ہم ایک عالم، ایک واعظ اور ایک مورخ کی حیثیت سے روشناس کرا چکے ہیں، ان کے اشعار بھی ہم جا بجا نقل کرتے آئے ہیں، جن سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانے کے ایک قابل قدر شاعر بھی تھے، دربار میں جب کوئی اہم تقریب ہوتی تو اس موقع پر مولانا کو کوئی قصیدہ یا قطعہ پیش کرنے کا موقع ضرور دیا جاتا، ۶۵۸ھ میں جنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کا ایلچی دہلی آیا، تو سلطان ناصر الدین محمود کے نائب الغ خان نے سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کا شاندار خیر مقدم کیا، اس کے استقبال کے لیے دہلی کے باہر دو لاکھ پیادے اور پچاس ہزار سوار زرق برق لباس پہنے ہتھیاروں سے آراستہ پیراستہ کھڑے تھے، دو ہزار عماری دار جنگی ہاتھی مع آہنین اسلحہ کے جھوم رہے تھے، ان کے ساتھ شہر کے خواص وعوام کی جماعت بھی بیس صفوں میں یکے بعد دیگرے ایستادہ تھی، امرا اور ملوک بھی اپنی اپنی ٹولیوں میں علم اور جھنڈے کے ساتھ جا بجا متعین تھے، طبل اور دمامے بھی بکثرت تھے، ڈھول اور باجوں کی آواز، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور لوگوں کے شور وغوغا سے ایک پر شکوہ اور پر ہیبت منظر پیدا ہو رہا تھا، ترکستانی ایلچی اور اس کے ہمراہیوں پر اس کے نظارے سے ایک لرزہ طاری ہو گیا، الغ خان نے اپنی شان وشوکت کا مظاہرہ اسی لیے کرایا تھا کہ جنگیز خانی مرعوب ہو کر دہلی کی طرف بڑھنے کی کوشش نہ کریں، جب یہ سفارتی مشن لشکریوں کے حربی کمالات اور ہاتھیوں کے فوجی کرتب دیکھتا ہوا شہر میں داخل ہوا اور دربار میں آیا تو وہاں شاہی رعب و دبدبہ اور بھی زیادہ نظر آیا، دربار نقرئی و طلائی فرش فروش سے مرصع و مکلف تھا، شاہی تخت کی زینت و آرائش پورے کر و فر سے کی گئی تھی، اس کے ہر طرف لعل وجواہر آویزاں تھے، اس کے ارد گرد ملوک، امرا، علماء، مشائخ، ترک شہزادے، اور قوی ہیکل پہلوان، راجا اور رانا بہترین لباس میں ملبوس کھڑے تھے، پورا دربار بہشت کا نمونہ معلوم

ہو رہا تھا، اس بزم نشاط کے موقع پر مولانا منہاج الدین نے حسب ذیل فارسی قصیدہ سنایا جس کے پہلے دو شعر عربی کے تھے، [1]

قد صادف الرضوان ایام الوری — من روح هذا البزم للسلطانی
لازال یبقی فی جلالة ملکه — ومزید امکان ورفعة شان
زہے جشنے کز و اطراف چون خلد برین گشتہ — خہی بزمے کز و اکناف عدل آئین گشتہ
ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او — تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمین گشتہ
ز فر ناصر الدین شاہ محمود بن التتمش — ملک نز دش دعا خواندہ فلک پیشش زمین گشتہ
شہنشاہی کہ در عالم بفیض فضل ربانی — سرائے چتر شاہی لائق تخت و نگین گشتہ
چو خاقان کین آور چو سلطانان دین پرور — بدل ماحی کفر است و بجان حامی دین گشتہ
مبارکباد بر اسلام این بزم شہ عالم — کزین ترتیب ہندستان ز سیوخوشی تر زحصن گشتہ
ہمین از جملہ شاہان باد ہر بندہ ز درگاہش — چو منہاج سراج از جان دعاگوئی ہمین گشتہ

تذکرہ نویسون نے بھی مولانا منہاج کی سخنوری کی داد دی ہے، صبح گلشن مین ان کے اور ان کے والد بزرگوار کے نام اور تخلص کو خلط ملط کر دیا ہے، لیکن مؤلف نے صاحب طبقات ناصری کی تعریف ان الفاظ مین کی ہے:

"از جمیع علوم حظے وافی داشت، وطبقات ناصری بنام ناصر الدین محمود نگاشت" (ص ۲۰۰)

لیکن اس کے نیچے جو دو رباعیان [2] لکھی ہین، وہ مولانا منہاج کی نہیین ہین، بلکہ انکے والد بزرگوار

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۹ [2] وہ دونون رباعیان یہ ہین:

(۱)
دل را برخ خوب تو میل افتادہ است — جان دیدہ بامید لبت بکشادہ است
چشم آب زن خاک درت خواہد بود — گر عمر وفا کند قرار این دادہ است

(۲)
آن دل کہ بہ ہجر در وناکش کردی — از ہر شادی کہ بود پاکش کردی
از خوے تو آگہم کہ ناگہ ناگہ — از از در افتد کہ ہلاکش کردی

کی بتائی جاتی ہین،

شمس دبیر | ملا عبدالقادر بدایونی نے مولانا شمس دبیر کو بھی عہد ناصری ہی کا شاعر بتایا ہے لیکن ہم نے ان کا ذکر سلطان غیاث الدین بلبن کے لڑکے ناصر الدین محمود کے درباری شعراء مین کیا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا،

عمید سنامی | ملا عبدالقادر بدایونی نے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد مین امیر فخر الدین عمید کا تعارف ایک شاعر کی حیثیت سے کرایا ہے، اور سلطان کی شان مین اس کا ایک قصیدہ نقل کر کے اس کو بھی اس کے مدح خوانون مین شمار کیا ہے، اس قصیدہ مین شاعر نے اپنی جدت طبع کی بنا پر ایک انوکھی ردیف "ناخن" کا انتخاب کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس مشکل ردیف مین مضامین کا تنوع پیدا کرنا آسان نہ تھا، پھر بھی شاعر نے اچھوتی تشبیہات وتمثیلات سے قصیدہ کو پرلطف اور دلپسند بنانے کی کوشش کی ہے، تشبیب کے پہلے ہی شعر مین تجنیس لفظی سے ایک ایسا تخیل پیش کیا ہے جس سے پڑھنے والے کو حظ حاصل ہوتا ہے، "ناخن" کے لحاظ سے "چنگ" اور چنگ کی رعایت سے "زخمہ" لایا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے مطربۂ فلک ناہید بھی لاکر کھڑی کی گئی ہے، اور ناخن جیسے غیر شاعرانہ لفظ کی ردیف مین یہ شاعرانہ تخیل پیش کیا گیا ہے کہ جب میرا معشوق چنگ اٹھاتا ہے، اور اپنے ناخن پر زخمہ باندھتا ہے تو اس کے ناخن سے ناہید یعنی زہرہ کے جگر پر غیرت سے سو زخم پڑ جاتے ہین، یعنی جب میرا معشوق ناخن سے چنگ بجاتا ہے، تو ناہید غیرت سے بے جان ہو جاتی ہے، اس شعر مین "زخمہ" اور "زخم" کی تجنیس بھی لائق توجہ ہے،

چو بردارد نگارم چنگ، بندد زخمہ بر ناخن | زند ناہید را صد زخم غیرت بر جگر ناخن

ناہید کا رشک سے جو برا حال ہو جاتا ہے، اس کو دوسرے انداز مین بیان کیا گیا ہے،

زد رشک چنگ او ناہید را تپ گیرد آن ساعت | کبود ش گردد از تاثیر آن تپ سر بسر ناخن

تیسرے شعر مین "خشک وتر" لاکر صنعت طباق کے ساتھ ایک عجیب وغریب تخیل پیش کیا ہے، ناخن کے ساتھ حنا کا تخیل آنا ضروری تھا، اب شاعر کہتا ہے کہ معشوق کے ناخن کی حنا کو "خونی" سمجھو، اور یہ خون کہان سے آیا، جب اس نے خشک نے کی طرح چنگ بجانا شروع کیا، تو گویا چنگ کی مضراب سے اس طرح خون پیدا ہوا کہ معشوق کے ناخن رنگین یعنی حنائی ہو گئے، خون کے لحاظ سے "رگ" اور رگ، مضراب کی مناسبت سے ہے،

حنا بہ ناخنش خونین شمر کز وقت رگ جستن ز چنگ خشک نے ناگہ بجست و کرد تر ناخن

اس کے بعد شعر مین بھی نئی قسم کی تخیل ہے، یعنی شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ اگر چھیڑ چھاڑ مین میرے ناخن سے تیرا لب چھل جائے تو اس سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہین، کیونکہ یہ ناخن کبھی کبھی چاشنی کی خاطر شکر مین بھی ڈال دیے جاتے ہین،

بہ بازی ناخنِ من گر لبت را خست از ین مشکن کہ بہر چاشنی دارند گہ گہ در شکر ناخن

سرِ ناخن کو غمزہ کی تمثیل دیتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

سرِ ناخن چو غمزہ تیز دار اے جان کہ چنگے را بر انگشتان نباشد جز بہ تیزی معتبر ناخن

حسب ذیل شعر کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

بیا در دہ بلطف ای مہر دل داری کہ بار و یت عروس ماہ خون دل ز رشک آوردہ در ناخن

مئے چون خون خرگوشم بیاد مجلسِ شاہی کہ قہر او بکند از پنجۂ شیران نر ناخن

مدح کے بھی ہر شعر مین عجیب و غریب تخیلات و تمثیلات نئے نئے زاویے سے پیش کیے گئے ہین، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین،

شہنشہ ناصر دنیا و دین محمود کز عدلش بمنقار افگند تیہو ز باز تیز پر ناخن

ز چو ر چرخ کار خصمش آمد در ضرر شاید کہ از حجام نا استاد باشد در ضرر ناخن

سرش بریده[1] قتل است با تیغ سراندازان — چو اندر معرض تعلیم بر حکم خبیر ناخن

سزد گز هیبتِ شاهین عدلش در گریز اکنون — چو بر ناخن ببیند از عقاب نیشتر ناخن

جهان پندار از بی ناخنی و تنگی طعمه — که ناخن عاریت خواهد ز کلک مختصر ناخن

برای آنکه پیش قدرش از غیرت سری خارد — فلک هر ماه زان بنماید از جرم قمر ناخن

بجنب عنبرین گرد سمندش گرده در نافه — شده بی قدر چون گردی که باشد زیر هر ناخن

خدنگش گوئی انگشتیست بر دست ظفر کورا — در روی صورت آمد برگ بید جان شکر ناخن

چو انگشتی که گر خواهد بحکم نیزهٔ هندی — نشاند[2] در ضمیر آهن و قلب خنجر[3] ناخن

نهاده تیغ قهرش بر رخ دشمن چنان داغی — که می ماند بر روی مادر از سوز پسر ناخن

بکین جان خصم بد نژادش تیز کرده بین — گر از ان قضا دندان و شیران قدر ناخن

جهان قدرا سر تیغ تو برد لها چه بجرا شد — برد از پنجهٔ جور سپهر سنگ سیر[4] ناخن

عدویت کی شود چون تو بخنجر کی رسد گرچه — چو خنجر می کند پیدا که آن گاهی[5] گره ناخن

خیالش گر زند ره کو نهد انگشت بر حرفت — بدست او بپا گردد سر انگشت بدر ناخن

پناه[6] روی عالم شد دم تیغ تو خوش بنود — پس پشت، سر انگشتان اگر نبود سپر ناخن

حسود از ناخن جرأت اگر کین تو می سازد — مگر مسکین نمی داند که باشد زهر گره ناخن

شها مگذار تا از بهر جنگ روزگار من — زند بر همه گره هر لحظه چرخ کینه ور ناخن

---

[1] منتخب التواریخ میں بریده قطع است ہے، لیکن اس کتاب کے انگریزی مترجم رینکنگ نے اپنے ترجمہ مین ایک دوسرے نسخہ کو دیکھ کر سرش بریدهٔ قتلست لکھا ہے، اور اسی کو صحیح بتایا ہے۔ (ج ا ص ۱۳۹) [2] مطبوعہ نسخہ میں "نشاید" ہے [3] رینکنگ نے "قلب ہجر" صحیح بتایا ہے، لیکن میرے خیال مین "قلب خنجر" ہی صحیح ہے [4] مطبوعہ نسخہ سنگ سر(؟)، [5] مطبوعہ نسخہ از گاہی [6] مطبوعہ نسخہ نباہ

ناخن جیسی مشکل ردیف میں مذکورۂ بالا قصیدہ لکھکر عمید نے اپنی جس قادر الکلامی اور اعجاز بیانی کا ثبوت دیا ہے، اس کا احساس اس کو بھی ہے، چنانچہ اس قصیدہ کے آخری شعر میں کہتا ہے،

ردیف ناخن آوردم درین شعر کہ سحر آمد　　بلے در سحر کار آید بسان موے سر ناخن[1]

**عمید اور تاج الدین سنجر**

اسی شاعر نے ناصر الدین محمود کے ایک درباری امیر تاج الدین سنجر کی شان میں بھی اسی انداز کا ایک قصیدہ کہا ہے، شمسی اور ناصری عہد میں تاج الدین سنجر نام کے بہت سے امرا گذرے ہیں، تاج الدین سنجر کزل خان، تاج الدین سنجر قتلق، تاج الدین سنجر کریتخان، تاج الدین سنجر تبر خان، اور تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی، لیکن عاجز راقم کا ذاتی خیال ہے کہ حسب ذیل قصیدہ مؤخر الذکر دونوں امراء میں سے کسی ایک کے لیے کہا گیا ہے، تاج الدین سنجر تبر خان گرجی ترک تھا، وہ ناصر الدین محمود کے زمانہ میں مختلف اوقات میں نائب امیر حاجب جنجانہ، بھر کسمندی، ہندیانہ اور بیرن کا اقطاع دار رہا، وکیل در کے عہدہ پر بھی ممتاز رہا، آخر میں اپنے فوجی کارناموں کے صلہ میں اودھ کا اقطاع دار ہوا، اس کے بارہ میں مولانا منہاج سراج طبقات ناصری میں لکھتے ہیں:

"بغایت جلد و مردانہ و شہم و فرزانہ و داو را او صاف پسندیدہ بسیار و احوال گزیدہ بے شمار بحر و سی و لشکر کشی موصوف، و بہ نیکو سیرتی معروف،"[2]

دوسرا امیر تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی پہلے بیانہ کا اقطاع دار اور پھر وکیل در ہوا، اسکے بعد تبر ہند، اور بعد میں اودھ اور پھر کڑہ کا اقطاع اس کے سپرد کیا گیا، وہ لکھنوتی بھی بھیجا گیا، لیکن درمیانی اور آخری دور میں اس کے تعلقات شاہی دربار سے اچھے نہیں رہے، اس لیے گمان غالب ہے کہ

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۹، ۹۷ [2] طبقات ناصری ص ۲۶۰، ۲۵۹ [3] تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی کے حالات کے لیے دیکھو طبقات ناصری ص ۶۸-۲۶۵

عمید نے تاج الدین سنجر تبر خان ہی کے لیے قصیدہ کہا ہوگا، اس قصیدہ کی ردیف کشتی ہے، ظاہر ہے کہ اس عجیب اور مشکل ردیف کی تشبیب نہ بہاریہ ہو سکتی ہے اور نہ عشقیہ، اس لیے مضامین ندرت پیدا کرنے کے لیے شاعر کو غیر معمولی قوتِ تخیل سے کام لینا پڑا ہے، چنانچہ قصیدہ اس طرح شروع کرتا ہے کہ میری آنکھ ایک محیط سمندر ہے، اور خیال کشتی ہے، وفورِ غم میں بھی خیال کشتی کو آنسوؤں پر روان کیے ہوئے ہے، شب و روز آنسو جاری ہیں، یہ کشتی کس طرح خونیں موج میں ٹھہر سکتی ہے، اس خسیس دنیا سے کیا طمع رکھوں، میں کیونکر نادان میں کشتی چلاؤں، اس سمندر میں میری کشتی کبھی روان اور کبھی ساکن ہے، ساکن چار لنگروں کی وجہ سے اور روان ہفت بادبان کے سبب سے ہے، زندگی سات اعضا، دماغ، قلب، پیٹھ، دونوں ہاتھ، اور دونوں پاؤں پر قائم ہے، اور چار لنگر سے مراد زمین، ہوا، آگ اور پانی ہے، پھر کہتا ہے کہ یہ لنگر اور یہ بادبان کس کام کے ہیں، جب زندگی کی کشتی اجل کے موج میں یکایک غرق ہو جائے،

مراست دیدہ محیط و خیال جان کشتی ‌ ‌ ‌ ‌ بر آب دیدہ زغم می کند روان کشتی
در آب دیدہ شب و روزم و چگونہ بود ‌ ‌ ‌ ‌ فراز و شیب ز خون موج و درمیان کشتی
مراد دل چہ طمع دارم از جہان خسیس ‌ ‌ ‌ ‌ چگونہ رانم بر روے ناودان کشتی
درین محیطم اگرچہ روان و ساکن ہست ‌ ‌ ‌ ‌ ز چار لنگر و زین ہفت بادبان کشتی
چہ سود دارم ازاں بادبان و آن لنگر ‌ ‌ ‌ ‌ چو شد ز موجِ اجل غرق ناگہان کشتی

اپنے ممدوح کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

مدار مملکت بر و بحر تاج الحق ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بہر قلزم غم ساخت از امان کشتی
سپہر مرتبہ سنجر[۱] کہ فتنہ زد یلہ کرد ‌ ‌ ‌ ‌ بہ سوئے معبر دریاے قیروان کشتی

[۱] منتخب التواریخ سے انگریزی مترجم نے سنجر پر اپنے حواشی میں یہ نوٹ لکھا ہے کہ سلجوقی حکمران ابو الحارث سنجر بن ملکشاہ بن الپ ارسلان تھا۔ یہ قطعاً غلط ہے،

کشتی کی ردیف مین یہ قصیدہ کس لیے کہا ہے، اس کی لطیف وجہ اپنے ممدوح کو مخاطب کرکے

یہ بتاتا ہے،

جو بحر خاطر من موج می زد از مدحت ۔۔۔ ردیف ساختم از بہر امتحان کشتی

پھر اس قصیدہ مین بھی اپنی تعریف کرتے ہوئے اپنے کو "بحر فضل" اور "کان سخن" کہا ہے،

مرا نخواندی جز بحر فضل و کان سخن ۔۔۔ چو ماہی ار بندی ز اصل بے زبان کشتی

کس از بحور افاضل بہ از عمید کہ راند ۔۔۔ ز نیل فضل درین قلزم بیان کشتی

ملک تاج الدین سنجر نے اسی شاعر کو دو بار تحفے مین آہو (ہرن) بھیجے، اس نے آہو ہی کی ردیف مین قصیدہ کہکر اپنی سخنوری کی مہارت کا ثبوت دیا، آہو کی مناسبت سے عشقیہ تشبیب مین "نرگس مست"، "زلف مشکبار"، "خط بنفشہ زار"، "صید دل" وغیرہ کی ترکیبون سے پورا تغزل کا رنگ پیدا کر دیا ہے،

زہے ز نرگس مست تو پر خمار آہو ۔۔۔ ز بند نافہ مشک تو شرمسار آہو

بہ حیرتست در آن چشم دیدہ نرگس ۔۔۔ بغیرتست در آن زلف مشکبار آہو

بگرد لب تان صدرہ چو دائرہ برگشت ۔۔۔ ندید چون خط تو یک بنفشہ زار آہو

چہ صنعت است در آن نرگس گران غمزہ ۔۔۔ در وکش صید دلست و برون شکار آہو

ز رشک نقطۂ مشکین کہ برگل تو چکید ۔۔۔ مدام دارد در سینہ خار خار آہو

گریز مین اپنے ممدوح کو شکار کا مبارک شیر کہتا ہے، جس کے سامنے بدمست فلک کی حیثیت محض ایک آہو کی ہے، اور پھر یہ کہتا ہے کہ آہو اس کے ممدوح کے در کی خاک سے خطا کی طرف شمامۂ کافور لے گیا، آہو کو اور جانورون پر اسی لیے فضیلت ہے کہ اس کے ممدوح کے دربار کی خاک سے اس نے نافہ حاصل کیا، بلکہ آفتاب کو بھی اسی کے دربار کی خاک سے زینت حاصل ہے،

گویہ انتہائی مبالغہ ہے، لیکن طرز ادا میں یہ مبالغہ طرازی لطف سے خالی نہیں ہے،

زچشم مست تو بدوش خمار ومی شکند | زجام بزم جہان پہلو ان خمار آہو
خجستہ شیر کمین تاج دین حق سنجر | کہ شر زۂ فلکش ہست در شمار آہو
صواب دید کہ سوے خطا زخاک درش | بردشمامۂ کافور یادگار آہو
مگر بخاک جنابش کردید زمینش خور؟ | کہ بردوش شد از نافۂ کامگار آہو

آہو کی ردیف بنانے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتا ہے،

ردیف مدح تو صد بارہ زیبد آہوے مشک | زکرمت چو فرستادہ ام دوبارہ آہو
بنافہ داشت ازین پیش کار بار اکنون | زفر مدح تو وارد رواج کار آہو

عمید کا لقب | ملا عبد القادر بدایونی نے اس شاعر کا خطاب و نام ایک جگہ تو ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی[1]، اور دوسری جگہ ملک الملوک والکلام امیر فخر الدین عمید تونکی لکھا ہے، تذکروں میں عرفات العاشقین میں خواجہ فخر الدولہ عمید الدین الدیلمی، مجمع الفصحاء میں فخر الملک خواجہ عمید الدین تونکی، گل رعنا میں عمید الدین تولکی سنامی، آتشکدہ میں فخر الدولہ عمید الدین اور مخزن الغرائب میں مفخر الفضلا، مرقوم ہے۔ ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمید الدین تو نام اور ملک الکلام، فخر الدین، فخر الدولہ، مفخر الفضلاء خطاب تھا، لیکن ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ہی خطاب ہوگا، اور یہ خطاب یا تو دربار سے ملا ہوگا۔ یا مورخون اور تذکرہ نویسوں نے یہ القاب شاعر کی شاعرانہ و علمی عظمت کے لحاظ سے اپنی طرف سے لکھ دیے ہیں، عرفات العاشقین میں مرقوم ہے کہ "گویند نامش عمید الدین ولقبش فخر الملک" حالانکہ اس کے مؤلف نے اس کا لقب فخر الدولہ بھی تحریر کیا ہے۔ عرفات العاشقین اور گل رعنا میں ہے کہ فخر الملک کا خطاب غیاث الدین بلبن کے لڑکے سلطان محمد نے دیا، لیکن

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۰، ۹۷

اس بیان کو یقین کرنے مین اس لیے تامل ہے کہ سلطان محمد اپنے باپ کی موجودگی مین کسی کو خطاب نہین دے سکتا تھا، امیر خسرو اور حسن دہلوی اس کے ساتھ برسون رہے، لیکن اس نے ان دونون ارباب کمال کو کسی خطاب سے سرفراز نہین کیا،

وطن | شاعر کی وطنی نسبت تولکی، تونکی، بونکی، لوکی، ویلمی اور سنامی لکھی گئی ہے۔ تونکی اور لوبکی تو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، غالباً تولکی صحیح ہے[1]، جو شاید دیلم مین کوئی قصبہ ہے، اسی لیے بعض تذکرہ نویسون نے اس کو دیلمی بھی لکھا ہے، آتشکدہ مین ہے کہ "اصلش از دیار دیلمانست"[2] لیکن مجمع الفصحا مین ہے کہ

"فخرالملک خواجہ عمید الدین گویند نہ از دیلم رشت است واز ہندوستانست ومنشاش سنام بود"

پھر اس کا مؤلف لکھتا ہے کر

"بعضے اورا چنانچہ اشارتے شد، از اہل گیلان من بلاد دارالمرز وطبرستان دانند، ہمانا از گیلان بودہ وبہ ہندوستان رفتہ ودیالمہ اہل آن ولایت را گویند، وے را عمید لوکی، ہم نامند سبب آن معلوم نشدہ، بہرصورت بمقصود اشعار وگفتار است نہ مولد ومنشع۔

ان گنجلک بیانات کی بناپر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ شاعر کا آبائی وطن دیلم قصبہ تولک تھا، لیکن اس کے آبا واجداد جب ہندوستان آئے تو سنام مین سکونت پذیر ہوئے، اور یہین اس کی نشو ونما ہوئی، عرفات العاشقین مین ہے :-

"منشاس سنام بود لہذا گفتہ آید ع تا ابد از دے گرفت سنام نام

ولادت | مجمع الفصحا اور گل رعنا اور ریاض الشعراء مین اس کی ولادت کی تاریخ ۵۹۵ھ بتائی گئی ہے، عرفات العاشقین کے مؤلف نے یہ تاریخ عمید کے ان اشعار سے نکالی ہے،

---

[1] تذکرہ روز روشن میں ہے کہ لوبک شہر لیست در ملک ایران بود، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ تولک غور میں ایک قصبہ کا نام ہے، رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۳ء ص ۱۱، [2] آتشکدہ ص ۱۶۷،

یارب اگرچہ پیش ازین بود مراد دل و جگر — خستۂ دلبر چگل بستۂ گلرخ یک
در سر نون و دال عمر از پس خا و نون و ہا — شکر کہ مرغ ہمتم رست بجہد زین شرک

دوسرے شعر مین ن اور د کے تو ۵۴، اور خ ن ہ کے ۶۵۵ ہوئے. شعر مین "پس خا و نون و ہا" ہے یعنی ۶۵۵ سے ۵۴ کو گھٹا لیا جائے تو ۶۰۱ ہوئے۔[1] پھر تعجب ہے کہ عرفات العاشقین نے ۶۵۵ھ کیسے تاریخ ولادت بتائی ہے. سنہ ۶۰۱ھ ہونی چاہیے. یہ تاریخ اس لیے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ عمید الدین نے جیساکہ پہلے بیان کیا گیا ہے، سلطان ناصر الدین محمود کی شان مین ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا. سلطان کی وفات سنہ ۶۶۴ھ مین ہوئی. اگر عرفات العاشقین کے مؤلف کی بتائی ہوئی تاریخ ولادت صحیح سمجھی جائے. تو سلطان ناصر الدین کی وفات کے وقت عمید الدین کی عمر صرف نو سال کی ہوتی ہے، اس عمر مین قصیدہ پیش کرنا ممکن نہین، اس لیے سنہ ۶۰۱ھ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے.

**عمید اور سلطان بلبن**

آتشکدہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ عمید الدین نے کل ۵۴ سال کی عمر پائی، اس لحاظ سے اس کی وفات سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد مین ہوگئی ہوگی، ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اس کا ذکر اسی سلطان کے دور مین کیا ہے، لیکن خود ملا صاحب نے عمید کا ایک ایسا قصیدہ نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمید نے سلطان بلبن کو بھی اسکی حکومت کے زمانہ مین مخاطب کیا تھا، اس قصیدہ کے تین چار اشعار ملاحظہ ہون.

مشرف نبود عارضت از خط چرا کشد — چون من بدود دولت این شہریار بند
شاہ جہان کشائے نصیر الحق آنکہ ہست — بر دست و پائے بخل ز جودش ہزار بند
والا محمد بلبن کز نکند قہر — بر سر کشان نہد بگہ کارزار بند
اے خسرو زمان کہ بیمن توجہ کشاد — گنجور قدر منشا از عقد کان بسیار بند

---

[1] منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم جارج رینکنگ نے بھی یہی تاریخ نکالی ہے، دیکھو انگریزی ترجمہ جلد اول۔

رین کنگ نے اپنے انگریزی ترجمہ مین نصیرالحق کو اسم معرفہ ہی قرار دیا ہے. لیکن میرے خیال مین یہ بلبن ہی. کی صفت ہے. مگر تعجب ہوتا ہے کہ شاعر نے بلبن کے لیے غیاث الدین کا لقب کیون نہین استعمال کیا ہے، غالباً ان ہی اشعار کو دیکھ کر عرفات العاشقین کے مؤلف نے عمید کے متعلق لکھا ہے کہ

"معاصر سلطان محمد بلبن بودی ملازمت آن بادشاہ کردی، وور دیوان دولت او باشرف مفوض بودی"

لیکن مجمع الفصحا مین یہ بیان دیکھ کر تعجب ہوا کہ

"مدح سلطان محمد یمین می نمودہ"

اسی کا حوالہ جارج رین کنگ نے منتخب التواریخ کے انگریزی ترجمہ کی جلد اص ۱۳۸ کے حاشیہ پر دیا ہے. میرا خیال ہے کہ یمین کتابت کی غلطی ہے، یمین کے بجائے بلبن ہونا چاہیے"

البتہ عرفات العاشقین کا بیان عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے،

"گویند او قاآن ملک سلطان محمد بلبن خطاب یافت و علما، وفضلا، رابغایت عزیز داشتے امیر خسرو و امیر حسن ...... در موتان ندیم مجلس خاص وے بودہ اند"

گلِ رعنا کے مولف کا بھی بیان ہے کہ

"عمید الدین از اعظم فضلا و شعراے ہندوستان بود، بعد تحصیل کمالات خود را بدرگاہ سلطان محمد قاآن بن سلطان غیاث الدین بلبن رسانیدہ و بمزید تقرب اختصاص یافت، و بعجز الملک ملقب گشت، دولتے و جمعیتے اندوخت، امیر خسرو دہلوی بخدمتش رسیدہ"

عرفات العاشقین مین معلوم نہین قاآن ملک سلطان محمد بلبن ایک ہی ساتھ کیون لکھ دیا گیا ہے، قاآن ملک محمد سلطان تو شہزادہ کا نام تھا. اور بلبن اس کا باپ تھا.

عرفات العاشقین میں کہین یہ ذکر نہین کہ عمید سلطان ناصرالدین محمود کے دربار سے بھی وابستہ رہا لیکن شروع مین ہم اس سلطان کی شان مین ایک قصیدہ نقل کر آئے ہین، اس لیے یہ یقینی ہے کہ وہ سلطان ناصرالدین کا مادح تھا، اسی طرح گل رعنا کے مولف نے سلطان ناصرالدین محمود اور بلبن کے دربارون سے اس کی وابستگی کا ذکر مطلق نہین کیا ہے، اور اسکو شہزادہ محمد سلطان ہی کا درباری قرار دیا ہے لیکن اگر اس کی تاریخ ولادت صحیح سمجھی جائے تو پھر یہ بیان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ یقین کرنے مین تامل ہوتا ہے کہ ستر اسی برس کی عمر مین اس نے ایک نوجوان شہزادہ کے دربار کی ناصیہ سائی کی ہو، شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان مین ۶۶۳ھ سے ۶۸۳ھ تک قائم رہا۔ اگر ۶۷۰ھ سے پہلے عمید اس کے یہان پہنچا، تو بھی اس کی عمر ستر سے زیادہ تھی، اس عمر مین ایک نوجوان شہزادہ کی ندیمی بظاہر قابل قبول نہیں معلوم ہوتی، اس کے تمام قصائد اس وقت پیش نظر نہین، جو ہم تک پہنچے ہین، ان مین سے ایک قصیدہ مین محمد کا نام آیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ شہزادہ محمد سلطان ہی کی مدح ہو، لیکن اسی قصیدہ مین نصیرالحق کا لقب بھی استعمال کیا گیا ہے، جو عمید نے اپنے ایک اور قصیدہ مین سلطان محمد بلبن کے لیے استعمال کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہین، اس لیے یہ نہین کہا جا سکتا ہے کہ حسب ذیل اشعار شہزادہ محمد سلطان ہی کے لیے کہے گئے ہین، ممکن ہے کہ یہ بھی محمد بلبن ہی کی مدح مین ہون، ایک قصیدہ مین بلبن کو محمد بلبن کہہ کر مخاطب کیا ہے، اس مین صرف محمد ہی کہا ہے، اور اگر یہ شہزادہ محمد ہی کی مدح ہے تو پھر اس کو نصیرالحق کیون کہا، جو بلبن کے لیے استعمال کیا جا چکا ہے،

| | |
|---|---|
| چو غنچہ گرچہ لب از روزہ بستہ بکشائی | چو من ز خوان مدیح خدایگان رُزہ |
| محیط فیض نصیرالحق آنکہ بکشاوند | ز گرد سفرۂ اکرامش انس و جان رُزہ |

قضا طلیعہ محمد کہ بند نیزۂ او ۔۔۔ بخون خصم کشاد از سر سنان روزہ

عرفات العاشقین کا بیان بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ عمید خسرو کا سرپرست تھا۔ اگر وہ ان کا (یعنی) خسرو کا مربی ہوتا تو خسرو کے قصائد میں اسکی شان میں بھی کوئی نہ کوئی قصیدہ ضرور پایا جاتا، یا وہ اپنی کسی اور تحریر میں اس کا ذکر ضرور کرتے لیکن خسرو کہیں اس کا حوالہ تک نہیں دیتے۔[1]

عرفات العاشقین میں ہے کہ عمید بلبن کے زمانہ میں مشرف (اکاؤنٹنٹ) کے عہدہ پر مامور تھے،

"معاصر سلطان محمد بلبن بودے ملازمت آن بادشاہ کردے، ودر دیوانِ دولت او باشراف مفوض بودے"

ریاض الشعراء میں بھی ہے :-

"در تواریخ مذکور است کہ در ہندوستان ملازمت سلطان محمد بلبن می کردہ واشراف دیوانش بوے مفوض بودہ"

منتخب التواریخ میں ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے نام کے ساتھ مستوفی جمیع ممالک لکھا ہے اور اس کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود ہی کے زمانہ میں کیا ہے، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ وہ اسی سلطان کے عہد میں مستوفی الممالک تھا، اس خیال کی تائید مخزن الغرائب کے اس بیان سے ہوتی ہے،

"فخر الفضلاء خواجہ عمید مستوفی و مشرف جمیع ممالک ہندوستان بود در عہد سلطان سلطان ناصر الدین ......"[2]

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین نے عمید الدین پر جو مقالہ اپنی کتاب "فارسی کے قدیم شعراء" میں لکھا ہے، اس میں عرفات العاشقین اور گل رعنا کے بیانات کو صحیح تسلیم کرکے وہی باتیں لکھدی ہیں جو ان دونوں تذکروں میں ہیں [2] نیز دیکھو نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۸۷،

لیکن خود عمید نے ایک قصیدہ مین بلبن کو مخاطب کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلبن کے عہد مین مشرف کے عہدہ پر مامور تھا، مگر کسی سبب سے معزول کر کے قید مین ڈالدیا گیا۔ شاید وہ ناصرالدین محمود کے عہد مین مستوفی الممالک رہا ہو، اور بلبن کے زمانہ مین مشرف الممالک کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہو، لیکن فرائض منصبی کو ایمانداری سے انجام دینے کے جرم مین قید کر دیا گیا ہو، اور جب وہ قید خانہ مین تھا تو اس نے سلطان بلبن کو اپنے ایک قصیدہ مین مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اس کے ایسا اہلِ فضل، اور طوطی سخن قید مین پڑا ہے،

فرمودۂ کہ بند نہند اہلِ فضل را — ہے ہے بر اہلِ فضل منہ زینہار بند

تعظیم کن زحیلۂ واز درج خاطرم — بر نوعروسِ مدح در شاہوار بند

ہرگز کس از ملوک بر اہلِ سخن نہاد — روزے زراہ سلطنت وگیرودار بند

من طوطی سخنورم آخر نہ جرہ باز — دریاے طوطیان غلط آمد شکار بند

اس قصیدہ کے تقریباً چالیس اکتالیس اشعار مین اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہے۔ اس کا ایک اور حبسیہ قصیدہ ہے جس مین ۳۹ اشعار ہین، وہ توبہ و استغفار کی خاطر اپنی تمام کمزوریون مثلاً بیجا خیالات، بے جا مداحی اور بے جا حرص و ہوس وغیرہ کو یاد کر کے سلطان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ وہ تنہا مجرم نہین، بلکہ اس کے برعکس وہ مشرف کے فرائض بہتر طریقہ سے انجام دیتا رہا ہے،

ہمہ مانم ہر یکے در شغل و من در بند حبس — حاش للہ زین سخن تنہا گنہ من کردہ ام

کار برعکس است ورنہ خود کرا زیبد کشند — شغل اشراقی[1] کہ من بروجہ احسن کردہ ام

[1] منتخب التواریخ مین "اشراقی" ہے، اس کے انگریزی مترجم ویننگ نے اشراقی پر نوٹ لکھتے ہوئے فلسفۂ اشراقیہ سے بحث کی ہے، شغل اشرافی سے مراد مشرف کا عہدہ ہے، اشراقی کتابت کی غلطی ہے،

آخر مین وہ اس صلہ مین کہ اس نے اپنے اشعار مین توحید کے نغمے بھی گائے ہین، خداوند کریم کی رحمتون کا طلبگار ہوتا ہے،

یارب از نخلِ کرم برگ و نوائے من بدہ | مرغ جان را چون بہ توحیدت نوا ساز کردہ ام
خلعت اسلم کرامت کن کہ ما را در گہرت | ما من اصلیت اینک قصد ما من کردہ ام
دور دار از ظلمتِ شرک و نفاق و حقد و کین | باطنی کز نورِ اخلاصت عزین کردہ ام
آفتاب معرفت در سینہ ام تابندہ دار | چو گہرہائے یقین را سینہ معدن کردہ ام

**عمید کی قادر الکلامی**

سلطان کے دربار مین معذرت اور بارگاہ خداوندی مین استغفار کرنے پر غالباً اس کی رہائی قید سے ہوگئی تھی، معلوم نہین قید و بند کے زمانے مین اس نے اور بھی قصائد لکھے تھے یا صرف وہی دو ہین، جن کو ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ مین نقل کیا ہے، ان دونون قصائد مین اس کے جوش بیان کے ساتھ اس کا حسن اسلوب، جدت ادا، اور مضمون آفرینی خاص طور پر نمایان ہین[1]، اس نے ان حبسیہ قصائد مین بھی جابجا اپنی سخنوری اور قادر الکلامی کا دعویٰ کیا ہے، مثلاً ایک جگہ کہتا ہے،

نامم ز شرق و غرب گذشت از سخن وری | واجب کند بپاے چنین نامدار بند

پھر دوسرے موقع پر کہتا ہے،

ہستم این یک شعر دیوانی و صد درج گہر | بلکہ ہر بیتش بہ از شعر ملون کردہ ام

اور یہ دعویٰ محض شاعرانہ تعلّی نہین، ملا عبد القادر بدایونی جیسے ناقد فن نے اس کو ملک الملوک والکلام لکھا ہے، اور اس کے مختلف قصائد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے کلام کا اقتباس

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ عمید کے حبسیہ قصائد اپنی دلآویزی، جذبات نگاری اور حسن بیان مین مسعود سعد سلمان اور خاقانی کے حبسیات کے ہم پلہ ہین، (ہندوستان کے قدیم شعراء ص ۲۱۳)

منتخب التواریخ کے ۱۳۱ اوراق مین دیا ہے۔ عرفات العاشقین کے مولف نے اس کو "استاد الکلام" "افتخار الانام عمید (بمعنی ستون) اقلیم سخنوری، وحید (بمعنی یکتا) زمان معنی پروری، آفتاب جہانگیر کمال" اور "مہر سپہر قدر و جلالت" وغیرہ کہکر اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ مین کی ہے۔

"در صنائع و بدائع معانی بیانش سحر پرداز و در متانت و رزانت سخندانی و بینش صاحب اعجاز است"۔

اور اس تعریف کے غلو مین یہ بھی کہتا ہے کہ عمید کے کلام کی فصاحت سحبان کی فصاحت سے بڑھکر تھی،

"فصاحت سحبان درجنب سخنانش فصاحت وائل یافتہ"۔

مجمع الفصحا کے مولف نے اس کو ایک فصیح البیان اور پختہ کلام شاعر کہا ہے،

مذکورۂ بالا ارباب نظر نے جو کچھ اس کی تعریف و توصیف کی ہے، اس کی تصدیق خود اس کے کلام سے ہوتی ہے، اس نے شاعری کی ہر صنف مین طبع آزمائی کرکے اپنی جدت طبع اور سخنوری کا ثبوت دیا ہے، قصائد مین نہ صرف اس نے سلاطین اور امرا، کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ حمد و نعت کے نغمے بھی بلند کیے ہین، وہ مولانا شہاب الدین کے شاعرانہ کمال کا بہت معترف تھا اور اور ان کو استاد فن تسلیم کرتا تھا، منتخب التواریخ مین ہے،

"ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی او (یعنی شہاب مہمرہ بداونی) را باستادی یاد کردہ"۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے شعراء مین مولانا شہاب کو حمد و نعت کہنے مین اولیت حاصل ہے، عمید نے شاید ان کی تقلید ہی مین حمد و نعت دونون مین قصائد کہے ہین، حمد و صنع مین اس کے ایک قصیدہ کے اچھوتے خیالات کے بعض اشعار ملاحظہ ہون، کہتا ہو کہ اللہ تعالی نے آفتاب اور ماہتاب دو بادشاہ پیدا کیے ہین، جو آسمان کے گنبد نیلگون پر سفر کرتے

رہتے ہین، سیارے انکے جلو مین رہتے ہین فلک کے نو پردون یعنی قمر، عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، ثوابت اور اطلس سے سینکڑون ستارے جھلملاتے ہین، دنیا کو دو خادم عطا کئے ہین، ایک رات اور ایک دن، رات ہندو ہے دن رومی ہے، یعنی ایک سیاہ ہے اور دوسرا سفید، وغیرہ وغیرہ،

برخیز عمید از نہ خسرو ست دلِ تو | بگذر ز غزل حمد خداوند جہان گو
مداحی درگاہ خدا کن کہ برافراشت | بے زحمت آلات بسے گنبد ے نو
دو شاہ روان کرد برین طارم ازرق | پس دادہ ز سیارہ شان خیل ز ہر سو
صد شاہد اختر بگرشام نمودہ | مشاطہ صنعش ز پس پردہ نہ تو
فرمودہ نجا تون جہان از شب از روز | دو خادم چالاک لقب رومی و ہندو

عمید اور انوری | ایک اور حمد مین فلک، اسمک، غلاک، پرک، خپک، معک، کپک وغیرہ جیسے سنگلاخ قوافی ہین، اس مشکل زمین مین عمید نے انوری کے ایک قصیدہ کی تقلید مین یہ قصیدہ کہنے کی کوشش کی ہے، انوری کے قصیدہ کے دو چار اشعار پہلے ملاحظہ ہون، واضح رہے کہ انوری کا یہ قصیدہ حمد مین نہین کہا گیا ہے، بلکہ کسی کی مدح مین ہے،

اے سپاہت را ظفر لشکر کش نصرت یزک | نے یقین بر طول و عرض لشکرت واقف نہ شک
بستہ گرد موکب صد پردہ بر روے سماک | کردہ نعل مرکبت صد رخنہ در پشت سمک
چون رکاب تو گران گردد و عنان تو سبک | روز ہیجاے سپاہت انجم و میدان فلک

فخر الملک عمید نے حسب ذیل حمد مین گو انوری ہی کا چربہ اتارنا چاہا ہو لیکن اس نے نئے نئے الفاظ کے ساتھ نئے نئے مضامین بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جو اس کی لفظی صنعت گری اور تخیل آرائی دونون پر قدرت رکھنے کی بین دلیل ہے، ہم اس قصیدہ کے خاص خاص اشعار ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

اے ز نہیب علم تو خم زدہ قامت فلک          خطبۂ کبریائے تو وحدک لاشریک لک

ملک تو ملک ثابت ست ملک تو ملک ایمنین          ملک نہ ملک منقلب ملک نہ ملک مشترک

پرتو نور قدس تو چہرہ کشائے مہر و مہ          گوشہ نشین ملک تو اوج سماک تا سمک

طاسک مہ شکستہ در سم رہ پائے ہر شبے          غور محیط بستہ گرد ستارہ پرک

از جگر تنور شرق امر تو می برآورد          قرصۂ زر مغربی از پس سیمگون تنک

در چمن از صنایعت دست مشاطۂ صبا          غازۂ لطف می کشد برگ مثال بر حجک

بر سم عرض نوبہار از در آفرینشت          لالہ نشستہ با سپر بید ستادہ با نجک

قطرۂ فیض قرب تو گر چکدم بجام دل          ابر نیاز گو مبار اشک امید گو مچک

پایگہ سخنوری یافتم از قبول تو          خود ز ازل بعون تو دست مراست این محک

بر فلک سعادتش داہر وان شرع را          ہر یک ازین چہار رکن آیتۂ از قمر فلک

یہ قوافی ہیں انوری کے قصیدہ میں کل ۲۴ اشعار ہیں، لیکن عمید نے اپنی سخندانی کے زور میں تقریباً دوچند یعنی ۴۷ اشعار کہے ہیں، اور ایسے قوافی لائے ہیں جو انوری کے یہاں مطلق نہیں ہیں۔

اسی قصیدہ کے حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمید سنی المذہب تھا، وہ خلفائے راشدین کا مداح اور حامی تھا۔ اور شیعہ فرقہ حضرت ابوبکرؓ پر باغ فدک کا جو الزام رکھتا ہے، اس کی گویا تردید کرتا ہے،

حرزم این دو دیدہ را چار شہ زدوستی          ورنہ بماندی از درج ساختہ در درک

رفض چہ فائدہ کند چو علی از تو شد بری          زر چہ عیار بہ دہد ہر چہ نتابدش محک

کاس رباب را چہ نقص ار گسلد نہ نغمہ در          تار بریشمی بردیا گہر آیدستش خرک

روسیاہ رسول از ہر صدق باز گین          تا شود از ضمیر تو ماحیٔ شبہت فدک

وانگہ چو بوم شوم دم لاف زند ز خارجی　　　محرم غار از و چنانکہ آیت ز ذنب پر ک

اس قصیدہ مین کہین کہین نعت اور منقبت کے بھی اشعار قلمبند کر دیے گئے ہین، لیکن عمید نے مستقل ایک نعتیہ قصیدہ بھی کہا ہے، اس کے بھی کچھ اشعار ناظرین سن لین، پہلے دو شعر مین "لفظ طراز" کا استعمال صنعتِ اشتقاق کے لحاظ سے کیا گیا ہے، تیسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ روضۂ نبوت کے پھول سے جو خوشبو پھیلتی ہے، وہ اس طرح کی ہے، کہ صبا چمن سے ماچین تک ایسی خوشبو کبھی نہین لے گئی، چوتھے شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول پاک پر جو کائناتِ عالم کے سردار ہین، آسمان نے قیمتی موتی صدف کی طرح نثار کیے ہین۔

پانچوین شعر مین عجیب و غریب تمثیلات و تلمیحات ہین، پنج نوبت سے پانچون وقت کی نماز اور دو علم سے آفتاب و ماہتاب مراد ہین، تنورۂ مسدس سے اشارہ عالم الانس، عالم الجن، عالم الملائکہ، عالم الحیوان، عالم النبات اور عالم المعادن کی طرف ہے، حصار ہفتمینش سے مطلب ساتوان آسمان یعنی زحل ہے، اور اشعار مین بھی اسی قسم کے الفاظ کے اشکال اور معانی کے اغلاق ہین، جن سے خاقانی کا رنگ جھلکتا ہے، جیسا کہ ناظرین کو حسب ذیل چند اشعار سے خود اندازہ ہوگا،

سخنے طرازم اکنون کہ طراز آستینش　　　ز طراز جان بجوید چو طراز آفرینش

رہ طرز تو گزینم ز طراز نعت یکرہ　　　کہ دو کون شد کتابہ ز طراز آستینش

گل روضۂ نبوت کہ ز سنبلش بماچین　　　تحفے برون ز نافہ نبرد صبا نہ چینش

سر کائنات عالم بپائے ہمت او　　　چو صدف نثار بردہ فلک از در ثمینش

فلکش ز پنج نوبت دو علم سہ پایہ کردہ　　　ز تنورۂ مسدس بحصار ہفتمینش

انوری کے طرز پر عمید نے ایک اور قصیدہ کہا ہے، جس مین خیالات کی برجستگی کے ساتھ ساتھ زبان کی روانی، الفاظ کی شیرینی اور طرز ادا کی شگفتگی و دل آویزی بھی ہے، انوری کے قصیدہ کے دو تین

شعر پہلے ملاحظہ کرلیں،

جنبلا بزمے کز وہردم دگرگون زیوری ۔۔۔ آسمان بر عالمے بند د زمین پر کشوری

کشوری و عالمی را ہم زمین وہم زبان ۔۔۔ از چنین بزمے تواند داد ہردم زیوری

مجلس کو دعوی فردوس را باطل کند ۔۔۔ گر میانِ ہر دو بنشانند عادل داوری

خاقانی نے بھی ان قوافی میں طویل قصیدہ کہا ہے۔ اس کا مطلع ثانی ملاحظہ ہو،

ماہ بماہ می کند شاہ فلک کدیوری ۔۔۔ عالم فاقہ بردہ را توشہ دہد توانگری

اب ان ہی قوافی میں عمیؔ کے بھی خاص خاص موسیقی بھرے اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں، ان میں صنعت سجع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، یعنی ہر بیت کے تین تین قافیے ہیں، اور چوتھا قافیہ قصیدہ کی زمین کا ہے،

رخت امیدم بردہ شد عالم کہ زرنج افسردہ شد ۔۔۔ شاخ طرب پژمردہ شد بے آب چون نیلوفری

بودم دریں تیمار و غم پروردۂ رنج و ستم ۔۔۔ کز در در آمد صبح دم شمشاد قدمہ پیکری

نسرین بر و کوچک دہن شکر لب شیرین سخن ۔۔۔ در بر نظرش پیرہن در سر زنازش معجری

از خواب خوش برخاستہ زلف سیہ پیراستہ ۔۔۔ خود را چو باغ آراستہ بر بستہ زیبا زیوری

شکلش ز ہول انگیختہ سرمہ بہ چشمش ریختہ ۔۔۔ عنبر فرو آویختہ چو دلبر سیمین بری

باریک ساق و سخت سم فربہ کفل باریک دم ۔۔۔ ہرگز نہ کردہ راہ گم در تیرہ شب بے رہبری

شاخش چو ماہ یکشبہ چشمش سیہ تر از شبہ ۔۔۔ نامش چو ذکر شتر بہ مشہور در ہر کشوری[1]

اس قسم کی فصیح اور شیریں زبان میں قصیدہ لکھنے پر اس کو اپنے متعلق شاید ضرورت سے زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اس لیے فخر و تمکنت کے ساتھ کہتا ہے،

---

[1] یہ اشعار مجمع الفصحا سے لیے گئے ہیں،

مثل عمید تو سخن نادر دوران در زمن — نہ در سپاہان و مین نہ در سمرقند و ہری

یہ تو اس کی تعلی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نے نہ صرف پرانے اساتذہ کے رنگ میں لکھکر اپنی قادر الکلامی کا اظہار کیا ہے، بلکہ مشکل اور عجیب و غریب ردیف مثلاً ناخن کشتی، آہو اور روزہ وغیرہ اختیار کر کے اپنی سخن سنجی کے اعجاز اور بقول مؤلف عرفات العاشقین طرز بیان کی سحر پردازی کا ثبوت دیا ہے، جس کے نمونے ہم پہلے پیش کر چکے ہیں، روز روشن کے مؤلف نے اس کے قصائد کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ مقبول رہے[ل۱]، ڈاکٹر اقبال حسین اس کے قصیدوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی غایت عقیدت میں لکھتے ہیں کہ اس کے بعض قصائد میں اعلیٰ درجہ کی خوش بیانی ہے، اور ان میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ فطری اور پاکیزہ ہیں، ان کے تخیلات زیادہ تر جاذب توجہ اور مناسب ہیں، طرز نگارش شستہ اور چست ہے، اور قافیہ بندی میں ہمواری اور روانی، مخدومی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی بھی رقمطراز ہیں کہ قدرت کلام اور فصاحت بیان میں عمید اول درجہ کے فارسی شعراء میں شمار کیے جانے کا مستحق ہے، لیکن معلوم نہیں انھوں نے یہ کیسے لکھ دیا کہ شاید غزل گوئی جس کا ان دنوں ایران میں چرچا بڑھتا جاتا تھا اسے ناپسند تھی[ل۲]،

**عمید کی غزل گوئی**

عمید کا جوش طبع غزل گوئی میں بھی ابھرا، اور گو ہندوستان میں اس تغزل کی شراب کو میر حسن اور خسرو نے تیز کیا، لیکن عمید کی قصیدہ نگاری اور غزل گوئی سے جو مے دو آتشہ پیدا ہوئی وہ اس لائق ہے کہ اس سے بھی کچھ سرور حاصل کیا جائے، عمید کے قصائد کی عشقیہ تشبیب میں تغزل کی ساری رنگینیاں پائی جاتی ہیں، اس قسم کی تشبیب کو علیحدہ کر لیا جائے تو وہ غزل بن جائے، اسی طرح اس نے جو غزلیں کہی ہیں، ان میں قصیدے کی تشبیب کی پوری جھلک ہے، مثلاً حسب ذیل غزل کے علیحدہ علیحدہ اشعار میں اس نے مفرد خیالات پیش کرنے کے بجائے، معشوق کے چہرے،

---

ل۱ روز روشن ص ۴۰۰، ل۲ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت،

بال، گیسو، طرہ، غمزہ، رفتار، رخسار، لب وغیرہ کی مسلسل تعریف کی ہے، جس طرح قصیدہ میں ممدوح کے جود و سخا، جبروت و اقتدار اور عدل و انصاف کی مدح کی جاتی ہے، اسی طرح اس غزل میں معشوق کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، زبان تو بے شک غزل کی ہے، لیکن انداز بیان قصیدہ کا ہے، پوری غزل میں بڑی صفائی اور روانی ہے، جو خاص خاص صنائع و بدائع کے ساتھ قلمبند کی گئی ہے، پہلے غزل، پھر اس کی صنعتیں ملاحظہ کریں:

روئے تو پیرایۂ صحن چمن — موئے تو سرمایۂ مشک ختن

بستۂ گیسوئے تو صد دین و دل — خستۂ با دام تو صد جان و تن

طرۂ طرار تو عاشق فریب — غمزۂ خونخوار تو لشکر شکن

فتنۂ رفتار تو کبک دری — والۂ رخسار تو ہر مرد و زن

در گہ خندہ لب لعلت شکست — رونق بیجادہ و در عدن

زلف تو بر روئے تو گوئی کہ ہست — سنبل پر خم زدہ بر نسترن

نرگس جادوئے تو ہنگام ناز — آفت جان و دل مجروح من

بندۂ خاک در تو شد عمید — آتش غم در دل و جانش فزن

مطلع میں صنعت ترصیع ہے، یعنی دونوں مصرعے کے الفاظ، وزن اور قافیے متحد ہیں، اور چوتھے شعر میں ذو قافیتین کے ساتھ کچھ ترصیع کی صنعت بھی آگئی ہے، پھر پوری غزل میں معشوق کے کئی اوصاف کا ذکر پے در پے اس طرح کیا گیا ہے کہ صنعت تنسیق الصفات خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ عمید کی غزلیں انتہائی درجہ کی روان اور مترنم ہیں، اور ان کے خیالات عموماً سیدھے سادے ہیں، اس کے طرز ادا میں جو فطری روانی ہے، اس کی وجہ سے اسکی شاعری میں ہمواری اور موسیقیت پیدا ہو گئی ہے، عمید کی غزلوں کا مجموعہ سامنے ہوتا تو پھر یہ

فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا کہ ڈاکٹر اقبال حسین کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، یا اس کے اظہار مین کچھ غلط سے کام لیا گیا ہے، مندرجۂ بالا غزل پر تو اس رائے کا اطلاق ہو سکتا ہے، لیکن عرفات العاشقین مین اس کی جو ایک اور غزل درج ہے، اس کا رنگ ذرا کچھ مختلف ہے، اور اس پر ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے چسپان نہین ہو سکتی ہے،

اس مین عمید نے تجنیس لفظی کی صنعت کے ساتھ کچھ اس انداز مین اشعار کہنے کی کوشش کی ہر کر بعض تو کامل کہی جا سکتی ہین، لیکن بعض ناقص ہین، مثلاً "دربار" کے ساتھ "بار" اور یک بار بار اور تار مو کے ساتھ "تار تار" تو صحیح ہین لیکن خار کے ساتھ "لعبت فرخار" بازار کے ساتھ زار اور عیارہ نو کے ساتھ عیار یا ناقص ہین، اسی لیے حسب ذیل غزل مین وہ سلاست اور روانی اور حلاوت نہین جو مذکورۂ بالا غزل مین ہے،

| | |
|---|---|
| گر ندہی عقل را بلب دربار یار | بردلم از غم منہ خیرہ بیک بار بار |
| تا گل رو یت شگفت ہر نفس از رنگ تو | در جگر و دل شکست لعبت فرخار خار |
| در خم ہر تار مو ز لعت تو دارد شبے | روز دلم کردہ چون شب ازان تار تار |
| دوش بہ بازار عشق شد دل و ہر قدم | کشتۂ چشم تو دید بر سر بازار زار |
| حور من از خانگی حور و عیار نو ست | ہیچ کس را مباد ہم چو تو عیار یار |
| دار ی شفای دلت چون کرم خسروی | یکنفس این خستہ را محرم این راز دار |

عمید کی ہزل گوئی! آتشکدہ اور مجمع الفصحا مین عمید کی ایک ہزل بھی درج ہے جس کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو ہزل کہنے پر بھی قدرت تھی، عام ہجو گویون کی طرح اس کی حسب ذیل ہجو مین سب و شتم نہین بلکہ صرف طنز اور تشنیع ہے، چھوٹی بحر مین زبان اور طرز بیان دونون بے تکلفانہ ہین،

لـه مجمع الفصحا ص

خواجہ بفزود ولیکن بہ ورم — گشت مشغول ولیکن بہ شکم
میزبان بود ولیکن بہ رباط — نانم آورد ولیکن بہ درم
سربرآورد ولیکن بفضول — دل تہی کرد ولیکن ز کرم
بس حریص است ولیکن بحرام — بس جواد است ولیکن بہ حرم
درش بکشاد ولیکن از بخل — لب فرو بست ولیکن ز کرم
خواجہ رنجور ولیکن بفجور — خواجہ مشغول ولیکن بہ شکم
دولتش باد ولیکن تہ براہ — نعمتش باد ولیکن شدہ کم
جاودان باد ولیکن بہ سقر — سالہا باد ولیکن بہ ستم

آتشکدہ کے مؤلف کو یہ ہزل پسند آئی ہے، اس لیے اس کو اپنے تذکرہ مین نقل کیا ہے اور نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے،

"این چند بیت از قطعہ اکہ در ہزل گفتہ نوشتہ شد از دست بد نگفتہ"

**عمید اور منظوم مناظرات** عمید نے جس طرح انوری کے بعض قصائد پر کچھ قصیدے کہے ہین، اسی طرح اسدی طوسی کے رنگ مین منظوم مناظرات لکھ کر اپنی قادر الکلامی اور سخنوری کا سکہ جمایا ہو، ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ ہندوستان مین منظوم مناظرہ لکھنے مین اولیت کا شرف عمید ہی کو حاصل ہے، خلاصۃ الاشعار مین سیف وقلم کا مناظرہ منقول ہے، عرفات العاشقین مین "بنگ وشراب" کا مناظرہ درج ہے، اور یہی زیادہ مقبول ہوا، روز روشن مین بھی یہ نقل کیا گیا ہے، ہم بھی اس کو ناظرین کی ضیافت کے لیے ان کی خدمت مین پیش کرتے ہین،

دی درمیان بادۂ صافی فراخ و بنگ — در مصدر[1] دماغ من افتاد شور وجنگ

---

[1] روز روشن "مصعد"

بگشاوے زبان کہ منم دختر عنب — صافی تن و نشاط فزائے[1] عقیق رنگ

تا من سر از دریچۂ خم بر نمی کشم — نا رست خون گرفتہ[2] و خون خشک رو چو چنگ

گر در دہان زنگ ز من قطرہ چکد — بر روئے شیر زنگ[3] تفاوت کند ز رنگ

در[4] موشکی ضعیف ز من جرعہ چشد — نشگفت اگر ز پنجہ خراشد رخ پلنگ

مسک[5] ز من برائحہ گر نفس زند — بخشد گہر بدامن و لولو بسنگ سنگ

خاصیت[6] من این و تو اے بنگ خشک مغز — ذکر خواص خویش بن گوئے بیہ رنگ

بنگ سبک سر از سر حدت زبان کشاد — کاے زر دغلت تو کجے شکر و شرنگ

من[7] صور فہم ز خالقہ اکیمیائے عقل — بر دانشم زنند حکیمان بطبع چنگ

واز[8] قوت تخیل من بر زبان کنند — سحر حلال در صفت نو خطان شنگ

از تو کجے پیالہ و صد محنت خمار — از من طلب علاج دل ناتوان و تنگ

لا تقربوا الصلوٰۃ باوراق مصحف است — ام الخبائث ہر آئینہ از تو ننگ

نے[9] گفت سکر آید منصوص نیستی — نام تو بر صحیفہ نیامد و زیر سنگ

من[10] در دہان شیر در آیم صبا صفت — تو بر کنی ز روبہک سست پاے لنگ

وانگہ[11] بہ بحر خر سیم غوطہ خورد — اندر دہ عمر ہا بندا اندر دم نہنگ

من[12] لعل با طراوت و تو سبزہ بے نمک — نام شراب صافی و نام تو خشک بنگ

---

[1] روز روشن نشاط افزا [2] روز روشن دم گرفتہ [3] روز روشن شرزہ [4] و [5] و [6] یہ اشعار روز روشن مین نہین ہین، [7] یہ مصرع روز روشن مین اس طرح ہے، ع گر باور تو نیست بیا اے بنگ خشک مغز [8] روز روشن و جتنے [9] و [10] یہ دو اشعار روز روشن مین نہین ہین [11] روز روشن ع داوش جواب ہے کہ تو منصوص نیستی [12] و [13] روز روشن مین نہین ہین [14] عرفات العاشقین سیر بے نمک

بنگش بخشم گفت چہ لافیم ہمہ گر — در واز ضرب شرع نداریم ہرد و سنگ
باشد کہ این بساط مقالت بگستریم — در مجلس شہنکس مشہور روم و زنگ
فرزانہ تاج دولت بو بکر بن ایاز — آن کو دو قلب پرور واز خم یک خدنگ

پورا مناظرہ شستہ اور شگفتہ زبان مین لکھا گیا ہے، ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے ہو کہ ہندوستان مین اس نظم کا جواب نہ ہو سکا، یہ اگر اسدی کے مناظرات سے بہتر نہیں ہین تو کمتر بھی نہین ۔

عمید سے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانہ مین فارسی زبان کا ایک جلیل القدر فصیح البیان اور قادر الکلام شاعر تھا لیکن وہ اتنا مشہور نہین ہوا جتنا کہ وہ مستحق تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی زندگی مین خسرو کی شاعری کا نیر اعظم بلند ہو رہا تھا، اور جب نصف النہار کو پہنچا تو عمید بھی اور شاعرون کی طرح ماند پڑ گیا، اور افسوس ہے کہ اس کا کلام زمانہ کے دست برد کی نذر ہو گیا، ملا عبد القادر بدایونی ہی کے وقت مین اس کا کلام "عزیز الوجود" ہو گیا تھا لیکن ملا صاحب نے ازراہ علم نوازی اس کے بہت سے قصائد اپنی تاریخ مین جمع کر دیے ہین، اور کلام کے کچھ نمونے عرفات العاشقین، خلاصۃ الاشعار اور مجمع الفصحاء مین بھی محفوظ ہین اور یہی اس شاعر کی کل کائنات رہ گئی ہے، پھر بھی جو کچھ باقی ہے اس کو ایک باکمال اور مایۂ ناز اہلِ فن ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

معذرت | عمید کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن دونون کے عہد مین آنا چاہیے تھا لیکن محض اس خیال سے کہ ناظرین کو ایک ہی جگہ اس شاعر کے تمام حالات پڑھنے مین سہولت ہوگی، سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد مین اس کی اور اس کی شاعری کی ساری تفصیلات قلمبند کر دی گئی ہین ۔

# غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ
۱۲۶۶ - ۱۲۸۷ء

سلاطین دہلی مین غیاث الدین بلبن اپنی شوکت وحشمت اور جلال وعظمت کے لیے سب سے زیادہ ممتاز اور نمایان رہا، اس کی زندگی کی ابتدا تو غلامی سے ہوئی لیکن دبدبۂ شاہی کو اس نے اس طرح بلند کیا کہ وہی آیندہ فرمانرواؤن کے لیے نمونہ بن گیا،

**ابتدائی زندگی** التمش کی طرح وہ بھی ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا، اس کا باپ البری ترک کے دس ہزار خاندانون کا سردار تھا[1]، مغلون نے ترکستان مین قراختائی کو تباہ وبرباد کیا تو بلبن کسی مغل سپاہی کے ہاتھون گرفتار ہو گیا، جس نے بغداد مین لاکر اس کو خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا، خواجہ جمال الدین نے اس کو اپنے فرزند کی طرح گھر مین رکھا، وہ اپنے زہد، تقوی اور ذہانت کے لیے مشہور تھا، بلبن کی مذہبی تربیت کی ابتدا اسی گھر مین ہوئی، خواجہ جمال کو جب یہ معلوم ہوا کہ بلبن کی رگون مین ہندوستان کے مشہور فرمانروا سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف کا خون ہے تو اس کو اور غلامون کے ساتھ لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، اور جب سلطان التمش کے حضور مین ۶۳۰ھ مین پہنچا تو سلطان نے تمام غلامون کو بیش قرار رقم دے کر خرید لیا، التمش نے بلبن کے چہرہ پر

[1] طبقات ناصری ص ۲۸۰

سعادت وعظمت کے آثار دیکھ کر اس کو خاصہ دار[1] یعنی اپنا ذاتی محافظ مقرر کیا۔ بلبن کا بھائی کشلی خان التمش کے دربار میں پہلے ہی پہنچ چکا تھا، اور ترقی کر کے امیر حاجب کے عہدہ پر مامور تھا، بلبن نے اپنے بھائی کو پہچانا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اسی کے بعد اس کی عزت و وقعت اور دوبالا ہوگئی[2]، اور رفتہ رفتہ وہ التمش کے چہل گانی امرا، (ترکان چہل گانی) میں داخل ہو گیا[3]،

خواجہ جمال الدین بصری کے گھر میں بلبن پر جو مذہبی رنگ چڑھا، اس کی جلا التمش کی ان مذہبی مجلسوں میں ہوئی جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، ان مجلسوں کو بلبن برابر یاد کیا کرتا تھا، اور ان میں بزرگان دین نے جمع ہو کر جو کچھ بیان کیا اس کو اس نے برابر ذہن نشین رکھا، اور اپنے لڑکے کو بھی بطور نصیحت سنایا کرتا تھا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ ان مجلسوں میں ایک بار مولانا سید نورالدین مبارک غزنوی کا جو وعظ سنا تھا اس کو بار بار دہرا کر دیا کرتا تھا،

التمش کی وفات کے بعد بلبن نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے خلاف ان امرا کے ساتھ دیا، جو رکن الدین کی تخت نشینی پسند نہیں کرتے تھے، وہ سلطان رضیہ کی تخت نشینی کا بھی حامی نہ تھا، اسی عزل ونصب کے سلسلہ میں شاہی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو کر نظر بند کر دیا گیا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں قید سے نجات پائی، اور میر شکار کے عہدہ پر مامور کیا گیا۔

---

[1] طبقاتِ ناصری ص ۲۸۲ [2] ایضاً [3] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۲۶، فرشتہ جلد اص ۷۷،

تاریخ فرشتہ اور طبقات اکبری میں ہے کہ غیاث الدین بلبن کو شمس الدین التمش نے اپنا داماد بھی بنا لیا تھا، لیکن معاصر تاریخوں میں اس کا ذکر کہیں نظر سے نہیں گزرا، البتہ برنی (ص ۱۴۵-۱۴۴) کی روایت ہے کہ بلبن کے لڑکوں نے خواجہ تاج الدین بخاری سے آداب السلاطین ختم کی تو سلطان التمش نے خوشی میں خواجہ تاج الدین بخاری کو دو گاؤں اور ایک لاکھ جیتل انعام میں دیے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ التمش نے خواجہ تاج الدین کو نواسوں کے استادی کی حیثیت سے نوازا ہوگا،

معزالدین بہرام شاہ کے عہد حکومت مین اس کا اعزاز اور بھی بڑھا، اور وہ امیر آخور یعنی داروغہ شاہی اصطبل کے عہدہ پر فائز ہوا، اس نے یہ خدمت تھوڑے ہی دن انجام دی ہوگی کہ تقدیر نے اس کا ساتھ دیا، اور ریواڑی کی جاگیر (جواب گوڑگاؤن ضلع مین ہے) اس کو دی گئی، جہان اس نے میواتیون کی سرکشی فرو کر کے اپنی مردانگی اور شجاعت کا سکہ جما دیا، سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے زمانے مین وہ امیر حاجب کے عہدہ پر مامور ہوا، اس عہد مین اس نے گنگا اور جمنا کے دوآبہ کی فوجی مہم اور مغلون کی یورش روکنے مین نمایان خدمات انجام دین، جس سے اس کی سپہگری کی شہرت بھی بڑھی، سلطان ناصرالدین محمود کے زمانہ مین وزارت اسی کو تفویض کی گئی، اس کی ایک لڑکی بھی اس سلطان کے حبالۂ عقد مین آئی، جس کے بعد اس کا اقتدار اتنا بڑھا کہ نائب الملک بن کر سلطان ناصرالدین محمود کے بجائے خود ہی حکومت کرنے لگا، وہ اس عہد کے معزز ترین خطاب الغ خان سے بھی سرفراز کیا گیا، ناصرالدین محمود کی وفات ہوئی تو بلبن کی سیاسی بصیرت اور سپہگری کا سکہ اتنا جم چکا تھا کہ امراء نے بالاتفاق اسی کو تخت شاہی پر بٹھایا۔[1]

مشائخ سے عقیدت: بلبن اپنے شاہی آقاؤن مین سب سے زیادہ سلطان شمس الدین التمش سے متاثر رہا، اسی کے قول و فعل کے مطابق حکمرانی کرنے اور اپنی نجی زندگی کو سنوارنے کی کوشش کی، التمش کی طرح اس کو بھی مشائخ و علماء سے بڑی گرویدگی و عقیدت رہی، گو التمش نے سلوک و معرفت کی جو منزلین طے کین وہ شاید خود طے نہ کر سکا، لیکن بزرگان دین اس کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس کی عبادت اور راسخ العقیدگی کی تعریف کی ہے۔[2]

---

[1] مزید تفصیلات کے لیے دیکھو طبقات ناصری ص ۲۸۱-۳۲۰ و فرشتہ ج ۱ ص ۷۵-۷۴، [2] فوائد الفواد مین ہے در میان حکایت سلطان غیاث الدین بلبن در افتاد و رحمۃ اللہ علیہ ملازمت اوراد و نماز جمعہ و اوقات خمسہ عقیدہ خوب، آن گاہ فرمود کہ قاضی باقاضی لشکری گفت شب گذشتہ (یعنی شب قدر) چہ شب بزرگوار بود، قاضی لشکری گفت شما را چہ روشن شدہ است سلطان گفت آرے۔

(ص ۲۳۱-۲۳۲)

اور اس کے لیے برابر رحمۃ اللہ علیہ اور طاب اللہ ثراہ کے دعائیہ اور تعظیمی الفاظ استعمال کیے ہیں جو عموماً صلحا اور اخیار کے لیے لائے جاتے ہیں[1]، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ امیر خورد مؤلف سیر الاولیا بھی اس کے نام کے ساتھ "انار اللہ برہانہ" لکھتے ہیں[2]،

**بلبن اور بابا گنج شکر**

بلبن مشائخ میں سب سے زیادہ معتقد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا تھا، گذشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ سلطان ناصر الدین محمود کا وزیر تھا تو سلطان کے حکم سے بابا صاحب کی خدمت میں چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم کا ہدیہ لیکر پہنچا، لیکن بابا صاحب نے فرمان تو لینے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ یہ ان کو دو جو اس کے طلبگار ہیں، البتہ درویشوں کے خرچ کے لیے نقد رقم قبول کر لی[3]، پہلے یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ سیر الاولیاء کے مصنف کی روایت ہے کہ بلبن نے حضرت بابا صاحب سے ملاقات کی تو اثنائے ملاقات میں بابا صاحب نے بلبن کے لیے یہ اشعار پڑھے، جو گویا اس کے تخت دہلی کے حصول میں فال نیک ثابت ہوئے،

فریدون فرخ فرشتہ نبود — زعود و زعنبر سرشتہ نبود
زداد و دہش یافت نیکوئی — داد و دہش کن فریدون توئی[4]

یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ بلبن نے بادشاہت سے پہلے اپنی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ کو حضرت بابا صاحب کے حبالۂ عقد میں دیا جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں[5]، یہ گویا درویش نوازی اور اللہ کے ایک محبوب سے انتہائی عقیدت و گرویدگی کی مثال ہے،

بلبن بادشاہ ہوا تو اس نے بڑے جاہ و جلال سے حکومت کی، ہر ممکن صورت سے بادشاہت

---

[1] فوائد الفواد ص ۹۹ [2] سیر الاولیا ص ۱۰۶ [3] فوائد الفواد ص ۹۹ [4] سیر الاولیا ص ۸۰-۷۹، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [5] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۷۸ چشتیہ سلسلہ میں بلبن کا نام جس احترام سے لیا جاتا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ اس رشتہ ہی کی بنا پر ہو،

کا رعب اور وقار قائم رکھنے مین کوشان رہا، اس کا دربار آراستہ ہوتا تو ملوک و امراء، صدہا نقیب وچاؤش اور دیوپیکر جوان ننگی تلوارین لیے ہوئے اس کے گرد وپیش کھڑے رہتے، باہر کا کوئی سفیر یا ہندوستان کا کوئی راجہ دربار مین باریاب ہوتا تو سلام کے وقت خوف سے گر پڑتا، یا بے ہوش ہوجاتا، چنگیز خانی فتنون سے پریشان ہو کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، روم اور شام وغیرہ سے پندرہ شہزادے بلبن کے دربار مین آکر پناہ لیے ہوئے تھے، ان مین سے صرف دو کو جو بنی عباس کی نسل سے تھے تخت کے قریب بیٹھنے کی اجازت تھی، بقیہ اور شہزادے تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے، دربار کے بڑے بڑے امراء پر اسکی ہیبت ایسی طاری رہتی کہ وہ اس کی طرف زیادہ دیر تک دیکھنے کی ہمت نہ کرتے تھے، سینکڑون امراء اور فوجی سردار اس کے گرد وپیش ہوتے، اس کی سواری چلتی تو پانچسو سیستانی، عربی، سمرقندی اور غوری سوار اسکے جلو مین ننگی تلوارین لیے ہوئے اور بسم اللہ کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے، ان کے نعرون سے بازار اور جنگل گونجنے لگتے، یہ دو دو کوس تک سنائی دیتے، تماشائیون اور سامعین پر لرزہ طاری ہوجاتا، لوگ سو سو اور دو دو سو کوس سے آکر یہ تماشا دیکھتے، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن نے اپنی حکومت کے بیس سال کے دور مین شاہی وقار، شاہی آداب، اور شاہی دبدبہ کو اتنا بلند کر دیا تھا کہ اس سے زیادہ بلند نہ ہوسکا،[1]

لیکن اس شوکت وحشمت کے باوجود وہ ہر قسم کے مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا، اور حصول برکت کے لیے ان کے گھرون پر جاتا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین کہ

........ مشائخ برجادہ را بغایت حرمت داشتے و بدیدن بزرگان دین در خانہائے ایشان برفتے (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶)

[1] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۲۶، ۱۳۰-۳۲-۳۳ تاریخ فرشتہ ص ۷۶ و ۷۵

بلبن کا خیال تھا کہ ایک حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کو ایسے شخص کی پناہ مین دیدے جس نے دنیا سے منہ موڑ کر اپنے کو صرف خدا کے لیے وقف کر دیا ہو، ایسا شخص اس کو پناہ مین نہ لے تو وہ اس سے انتہائی عاجزی و زاری کر کے اپنے کو اس کی پناہ مین دیدے۔[1]

**بلبن اور حضرت علی چشتیؒ** یہ تو نہ معلوم ہوسکا کہ بلبن ایسے کون سے بزرگ کی پناہ مین تھا، شاید بابا گنج شکر ہی کا دامن اس نے تھام رکھا ہو، لیکن سیر الاولیاء مین ایک ایسی روایت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس نے شیخ علی چشتیؒ کے سایۂ عاطفت مین پناہ لی ہو، یہ بزرگ چشت سے آکر دہلی مین مقیم تھے، چشت کی سجادہ نشینی کے لیے دو بزرگ ان کو دہلی سے لیجانے کے لیے آئے، شیخ علی چشت جانے کے لیے تیار ہوئے تو اس کی خبر بلبن کو ملی، وہ ان کی خدمت مین حاضر ہوا اور ان کے قدمون مین گر کر قسم کھائی کہ اگر آپ چشت تشریف لے گئے تو مین بھی اپنی مملکت چھوڑ کر آپ کے رکاب مین چشت پہنچون گا، خواجہ علی نے فرمایا تم نے خداوند تعالیٰ کے بندون کو آرام و آسایش پہنچانے کا عہد کیا ہے، اور تمام لوگ تمھاری وجہ سے آسودہ ہین، اگر تم میرے ساتھ گئے تو ایک دنیا پریشانی مین مبتلا ہو جائے گی، اور تم سے مواخذہ ہوگا، لیکن سلطان نے جواب دیا اب چاہے جو کچھ ہو، مین آپ کے قدمون سے دور رہنا نہین چاہتا، خواجہ نے سلطان کو اپنا اتنا عقیدتمند پایا تو دہلی مین قیام کرنا گوارا کر لیا۔[2]

مراۃ الاسرار کے مولف نے بھی یہ روایت پوری تفصیل سے لکھی ہے، اور اسی سلسلہ مین یہ بھی

---

[1] تاریخ فیروزشاہی (ص ۱۰۳) مین ہے

"اگر توانی باید شد بسیار دو بزاری و عجز خود را در پناہ کسے اندازے کہ او صورۃ و معنی رُخ از دنیا گردانیدہ باشد و کلی وجز وی خود را در بندگی خدا وقف کردہ باشد"

[2] سیر الاولیاء ص ۲۰۲

تحریر کیا ہے کہ

"چون سلطان غیاث الدین بلبن مرید خواجہ علی بود بہزار الحاح خواجہ را گفتہ اشت کہ بچشت زود" (قلمی نسخہ ورق ۳۵۰)

اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان بلبن خواجہ علی چشتی کے حلقۂ ارادت میں باضابطہ داخل تھا۔

بلبن اور خواجہ شمس الدین ترک

سلطان بلبن حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی سے جس عاجزی و خاکساری سے ملا ہے وہ بھی ایک عجیب و غریب واقعہ ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترک کو جب ان کے مرشد حضرت خواجہ علاء الدین صابر سے پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا۔ تو روحانی طور پر اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت اپنے میں نہ پائی، اس لیے مرشد کی اجازت سے مزید مجاہدہ و ریاضت کی خاطر مزدوری کرنے لگے۔ دہلی آکر غیاث الدین بلبن کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں شامل ہوگئے، اور جب شاہی فوج ایک قلعہ[1] کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئی تو وہ بھی ساتھ گئے، قلعہ کی تسخیر میں بڑی دیر لگی، ایک رات سخت آندھی آئی، اس آندھی میں بلبن کے سقہ نے ان کی بزرگی کے کچھ آثار دیکھے، تو اس نے بلبن کو اس کی خبر دی، بلبن کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا، وہ رات کو چپکے سے پاپیادہ ان کی قیام گاہ پر اس وقت پہنچا جب وہ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے، بلبن چپ چاپ دست بستہ کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو سلطان پر نظر پڑی، تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے، اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کرکے عرض کی کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہوسکا۔ خواجہ شمس الدین نے ہر چند اپنے

[1] سیر الاقطاب کے مؤلف نے قلعہ کا نام نہیں لکھا ہے۔

کو چھپانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لیے دونون ہاتھ اٹھائے، اور فرمایا اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہوگی، سلطان نے ایسا ہی کیا اور قلعہ فتح ہوگیا، دوسرے دن سلطان نے غایت مسرت مین برہنہ پا خواجہ شمس الدین کی خدمت مین حاضر ہونے کا ارادہ کیا، لیکن خواجہ شمس الدین کو اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم ہوا، تو کمل اوڑھ کر شاہی لشکر سے چل کھڑے ہوئے[۱]

**فیوض مشائخ** بلبن کا یہ معمول تھا کہ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وہ مشائخ کے مزارون کی زیارت کے لیے ضرور جاتا، مشائخ، سادات اور علماء مین سے کسی کا انتقال ہوتا تو ان کے جنازہ مین ضرور شریک ہوتا، پھر ان کے سیوم مین حاضر ہو کر ان کے لڑکون اور بھائیون کو خلعت دیتا، ان کے لیے جاگیرین اور وظائف مقرر کرتا[۲]، اس کا عہد نہ صرف سیاسی حیثیت سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ مین اتنے مشائخ و سادات جمع ہوگئے تھے کہ مورخون نے ان کے وجود کی وجہ سے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے[۳]، حضرت بابا گنج شکرؒ کے علاوہ خواجہ علی چشتی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدینؒ، شیخ بدر الدین غزنویؒ، شیخ ابو المویدؒ، نظام الدین شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ علاء الدین علی بن احمد صابرؒ، سیدی مولہ، شیخ حسام الدین ملتانی شیخ نجیب الدین فردوسیؒ، شیخ ابو بکر حیدر طوسی وغیرہ کے انوار سے ہندوستان منور ہوگیا تھا، ان مشائخ کے برکات کا ذکر کرتے ہوئے سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے

...... میامن و برکات ایشان در عہد سلطان بلبن فیض رحمت آسمان متواتر برین زمین نازل می شد (ص ۵۰۳)

ظاہر ہے کہ بلبن نے ان تمام صلحاء و اخیار سے فیوض حاصل کیے ہون گے، اور ان کی صحبت سے

---

۱ سیر الاقطاب ص ۱۸۶ - ۱۸۷ ۲ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۴۶ - ۴۷ ۳ ایضاً ص ۱۱۱، تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۸۳

جو اثرات اس مین پیدا ہوئے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

علما، کی قدردانی | ابن بطوطہ نے بلبن کی عدل پروری، بردباری اور نیک چلنی کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ وہ عالم اور فاضل بھی تھا، اسی لیے اس نے مشائخ کی طرح علما، کی بھی بہت قدر و منزلت کی۔ اس کا خیال تھا کہ دار السلطنت مین مشائخ، علما، اور فضلا، کا بہت بڑا اجتماع رہنا چاہیے تاکہ اس شہر کی فضیلت قائم رہے، اپنے لڑکے بغرا خان کو نصیحت کرنے کے سلسلہ مین اپنی ایک اندرونی خواہش کا اظہار اس طرح کرنا چاہا،

دار الملک خود را از علما، و مشائخ و سادات و مفسران و محدثان و حافظان و مذکران و فاضلان و ماہران ہر ہنری پر کن تا مصر جامع گردد (برنی ص ۱۰۳)

خود بھی اسی پر عمل کرتا رہا، اتفاق سے چنگیز خانیون کے فتنہ سے پریشان ہو کر جو مختلف شہزادے باہر سے آئے تو ان کی معیت مین خوارزم، دیلم، غور، یمن، موصل، سمرقند، کاشغر اور خطا سے علما، و فضلا، اور دوسرے اہل ہنر بھی بڑی تعداد مین آئے، بلبن نے ان شہزادون اور ارباب کمال کو علحدہ علحدہ محلون مین آباد کیا، اور ان کے یہ نام رکھے، محلہ عباسی، محلہ سنجری، محلہ خوارزم شاہی، محلہ دیلمی، محلہ علوی، محلہ اتابکی، محلہ غوری، محلہ چنگیزی، محلہ رومی، محلہ اسنقری، محلہ یمنی، محلہ موصلی، محلہ سمرقندی، محلہ کاشغری، محلہ خطائی، بلبن ان پناہ گزین شہزادون ہی کا مربی نہ تھا، بلکہ ان کے جلو مین جتنے ارباب ہنر اور اصحاب فن آئے تھے ان سب کی بھی سرپرستی کی جس سے اس کے عہد مین علم و فن کی بڑی رونق رہی، تاریخ فیروز شاہی مین ہے

از فضلا، و علما، و ہنرمندان و ماہران و مقربان و قوالان و مطربان عدیم المثال آن عصر مملو و مشحون بودہ است و از جہت آنکہ در عہد او معتبران بسیار بودہ اند اعتبار او در اطراف عالم پیدا آمدہ ۔'' (ص ۱۱۲)

تاریخ فرشتہ مین بھی ہے کہ بلبنی عہد اپنے ارباب ہنر کی وجہ سے ربع مسکون مین بے نظیر و بے عدیل تھا، اور بلبن کا دربار محمود و سنجر کے دربار سے بہتر تھا، اس کے لڑکے خان شہید کے یہان تو بکثرت علماء و فضلاء و مشائخ جمع ہو گئے تھے۔[1]

بلبن کو علماء کے ساتھ جو گرویدگی رہی، وہ اپنی مثال آپ ہے، وہ علماء کے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا، بزرگان دین کے سامنے کبھی خود کھانے مین پیش دستی نہین کرتا، کھانے کے وقت فضول باتین کرنے کے بجائے علماء سے دینی مسائل کی تحقیق کرتا رہتا، جس سے اس کا دسترخوان مذہبی مذاکرے کی ایک مجلس مین منتقل ہو جاتا، وہ جس طرح مشائخ کی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا، اسی طرح علماء کی بھی عزت و توقیر کیا کرتا، شاہی جلال و جبروت کے باوجود ان کے گھرون پر بھی بے تکلف چلا جاتا، ان مین سے کسی کا بھی انتقال ہو جاتا تو تعزیت کے لیے ان کے گھر پر جاتا، ان کے جنازے مین شریک ہوتا اور ان کے عزیزون کو وظیفے اور جاگیرین عطا کرتا، اس کی سواری شاہانہ کر و فر سے کہیں گذرتی ہوتی اور کسی واعظ کو وعظ کہتے دیکھ لیتا تو وہین فوراً اتر جاتا، اور عام لوگون کے ساتھ جا کر بیٹھ رہتا، وعظ مین خدا اور رسول کے احکام سنتے وقت اس پر رقت طاری ہو جاتی، اور ڈھاڑین مار مار کر رونے لگتا۔[2]

بلبن جن علماء کی طرف خاص طور پر مائل اور ملتفت ہوا، ان مین سے بعض کے مختصر حالات ذیل مین درج ہین :-

**مولانا برہان الدین محمود** | مولانا برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، کہا جاتا ہے کہ نحو، لغت، فقہ، حدیث اور علوم عقلی مین ان کے زمانہ مین ہندوستان مین ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہ تھا۔[3] فقہ ہدایہ کے مصنف شیخ برہان الدین مرغینانی سے پڑھی جنھون نے یہ پیشین گوئی

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۵۰، [2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۶-۴۷ [3] نزہۃ الخواطر از مولانا عبد الحئی ج ۱ ص ۲۳

کی تھی کہ

"این کودک چنان شود کہ بادشاہان بر در او بیایند"[1]

حدیث امام صغانی صاحب مشارق الانوار سے تحصیل کی، اس کے بعد ہندوستان وارد ہوئے جہاں سلاطین اور امرا میں ان کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، علم شریعت کے ساتھ علم طریقت میں بھی یدطولیٰ حاصل کیا[2]، سلطان بلبن ان کا بڑا احترام کرتا تھا، جمعہ کے روز وہ جامع مسجد میں بڑے تزک و احتشام سے نماز پڑھنے کے لیے جاتا، نماز کے بعد اس کا معمول تھا کہ اپنی پوری شاہانہ شوکت و عظمت کے ساتھ مولانا برہان الدین کے گھر پر جاتا، اور ان سے مودب ہوکر ملتا اور فیض اٹھاتا تھا، بلبن کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں :-

بعد از نماز جمعہ با چند ان کوکبہ و دبدبہ کہ سوار شدی در خانہ مولانا برہان الدین بلخی فرود آمدہ تعظیم و توقیر آن عالم ربانی بواجبی محافظت نمودی۔" (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶)

مولانا برہان الدین نے ۶۸۷ھ میں وفات پائی، ان کی قبر حوض شمسی کے پورب جانب ہے، اخبار الاخیار کے مؤلف کا بیان ہے کہ لوگ ان کے مزار کی خاک اپنے لڑکوں کو اسلیے کھلاتے ہیں کہ علوم کے دروازے ان کے لیے کھل جائیں،

**نجم الدین عبد العزیز**

علامہ نجم الدین[3] عبد العزیز بن محمد دمشقی فلسفہ کے بہت بڑے عالم تھے، امام فخر الدین رازی سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ہندوستان آئے، اور دہلی میں سکونت اختیار کی، یہاں کے سلاطین و امراء نے ان کی تشریف آوری کو مغتنم سمجھا[4]، سلطان بلبن ان کی بڑی تعظیم کرتا[5]، ان کے یہاں بھی وہ ہر ہفتہ جمعہ کی نماز کے بعد آتا، اور انکی صحبت سے مستفیض ہوتا[6]،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۴ [2] ایضاً و تذکرہ علماء ہند ص ۳۲ [3] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۶ [4] نزہۃ الخواطر ص ۷۲، ج ۱ [5] برنی ص ۴۶ [6] تاریخ فرشتہ ص ۷۶

**شیخ سراج الدین ابوبکر** شیخ سراج الدین ابوبکر بن یوسف سجزی[1] فقہ، اصول فقہ، اور عربی ادب کے بہت بڑے عالم و استاد تھے، درس و تدریس مین مشغول رہے، علماء کی ایک بہت بڑی جماعت ان سے مستفید ہوئی،[2] سلطان بلبن ان کی بھی بڑی عزت کرتا تھا، ہر جمعہ کو ان کی خدمت مین بھی حاضر ہوتا، اور ان سے علمی فیوض حاصل کرتا،[3]

**مولانا شرف الدین ولوالجی** مولانا شرف الدین ولوالجی بہت بڑے فقیہ تھے، دہلی مین فقہ کے درس کے لیے مشہور تھے، سلطان بلبن ان کا بھی بڑا قدردان رہا، اور ان سے انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتا،[4]

**مولانا برہان الدین بزاز** دہلی کے ایک دوسرے ممتاز فقیہ مولانا برہان الدین بزاز کا بھی بلبن بڑا احترام کرتا تھا،[5]

**قاضی رکن الدین سامانوی** قاضی رکن الدین سامانوی بھی اپنے عہد کے مشہور فقیہ تھے، سلطان بلبن ان کی بھی عزت و توقیر کرتا رہا،[6]

**مولانا کمال الدین زاہد** مولانا کمال الدین زاہد علم کے علاوہ اپنے زہد و تقویٰ مین بھی مشہور تھے، مولانا برہان الدین محمود بن ابو الخیر بلخی شاگرد امام صغانی سے تحصیل حدیث کی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولانا کمال الدین زاہد ہی سے امام صغانی کی مشہور کتاب مشارق الانوار پڑھی، سلطان بلبن نے مولانا کمال الدین کے تقویٰ، دیانت اور کمال علم کی شہرت سنکر ایک روز ان سے مودبانہ درخواست کی کہ اگر آپ میری نمازون کی امامت قبول کرین تو کیا عجب کہ آپ کی امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مین میری نمازین بھی قبول ہون، لیکن مولانا کمال الدین نے اس

---

[1] برنی ص ۳۴۶ [2] نزہۃ الخواطر ص ۱۲۱ ج اول [3] تاریخ فرشتہ ص ۷۶، [4] برنی ص ۶۹ و نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۷۳ [5] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۲۸ [6] ایضاً ص ۱۵۵،

درخواست کو قبول کرنے کے بجائے مکدر ہو کر کہا کہ میرے پاس نماز کے سوا کوئی چیز نہیں رہی ہے، اب بادشاہ اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے، بلبن یہ سنکر خاموش ہوگیا، اور معذرت کرکے مولانا کو رخصت کیا،[۱]

**مولانا شمس الدین خوارزمی** مولانا شمس الدین خوارزمی شروع مین دہلی مین درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اپنے علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ عصر سمجھے جاتے تھے، دہلی کے تمام اساتذہ ان ہی کے شاگرد تھے[۲]، ان کے علم و فضل کے علاوہ ان کے حسن اخلاق اور لطافت طبع کی بھی بڑی شہرت تھی، سیر الاولیاء کے مؤلف نے لکھا ہے، کہ

"عجب لطافتے وطبعے لطیف داشت کہ در شہر مثل او نبود"

پھر یہ لطیفہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار ان کے کسی دوست نے بہت ہی شکستہ حروف مین انکو ایک رقعہ لکھا جو ان سے پڑھا نہین گیا، تو اس کی پشت پر انھون نے عربی مین یہ لکھ بھیجا کہ

انا فیکم خطه کخطه فی الشط فلا تکتب لنا

یعنی تمھارا خط ایسا ہے جیسے بط کے پاؤن کے نشان دریا کے کنارے ہون[۳]،

سیر العارفین کے مولف ان کے بارہ مین رقمطراز ہیں کہ

"دہلی کے اندر علماء اور فقراء بے شمار تھے، لیکن سرآمد علماء روزگار اور اجلاّ و فضلاء گیارائس وقت مین شیخ شمس الدین خوارزمی تھے، تمام علماء کے گویا مرجع و ماب تھے، اور فی نفسہ مولانا مذکور علم اصول و فروع، معقول و منقول کے جامع تھے" (اردو ترجمہ ص ۱۱۵)

شیخ نظام الدین اولیاء بدایون سے دہلی مزید تعلیم کے لیے آئے، تو مولانا شمس الدین ہی

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۶۸ و سیر الاولیاء ص ۱۰۶-۱۰۵ [۲] سیر الاولیاء ص ۱۰۱- بزم صوفیہ کے ص ۱۸۱ پر بھی انکا ذکر ہے لیکن اس مین شمس الدین خوارزمی کے بجائے سہواً شمس الدین دامغانی لکھ دیا گیا ہے۔ [۳] سیر الاولیاء ص ۵۷۳

کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، مولانا نے ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، وہ عزیز شاگردون کو اپنے حجرہ مین بلاکر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردون، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی، اور حضرت شیخ نظام الدین کو حاصل تھا، ان کا کوئی شاگرد درس سے غائب ہوتا تو جب وہ آتا تو اس سے مذاقاً پوچھتے کہ مین نے تمھاری کیا خطا کی تھی جو تم درس مین حاضر نہ ہوئے، بتا دو کہ پھر وہی قصور کرون، اور تم آیندہ بھی حاضر نہ ہوسکو، لیکن جب حضرت نظام الدین اولیاء کا ناغہ ہوجاتا، اور وہ ان کی خدمت مین پہنچتے تو ان کو دیکھ کر بجائے کچھ کہنے کے یہ شعر پڑھتے۔

آخر کم از آن کہ گاہ گاہے      آئی و بما کنی نگاہے[1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے مقامات حریری ان ہی سے پڑھی، اور اس تلمذ کی وجہ سے ان کا احترام برابر قائم رکھا، سیر الاولیاء مین ہے

"حضرت پیش شمس الملک (یعنی مولانا شمس الدین) مقامات حریری تلمذ کردہ بود و حقوق آن نگاہ می داشت"[2]

مولانا شمس الدین بھی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی شاگردی کے زمانہ مین ان کی بڑی عزت کی، اور ان کی صغر سنی مین بھی تمام علماء سے زیادہ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے[3]

سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے مولانا شمس الدین کی ذات والا صفات کی قدر کرتے ہوئے ان کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا، اور اپنی سلطنت کا مستوفی الممالک (یعنی آڈیٹر جنرل) بنایا، جب یہ اعزاز اور عہدہ ملا تو اس عہد کے مشہور شاعر

---

[1] سیر الاولیاص ۱۰۳، سیر العارفین (اردو ترجمہ ص ۱۱۶) مین "آخر" کے بجائے "بارے" ہے

[2] سیر الاولیاص ۱۰۳ [3] سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص ۱۱۶

تاج الدین ریزہ نے ان کی مدح مین یہ شعر کہا،

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی　　مستوفیِ ممالکِ ہندوستان شدی[1]

مولانا فخرالدین ناقلہ | مولانا فخرالدین ناقلہ بھی دہلی کے ممتاز عالم تھے، فقہ، اصول اور عربی ادب مین ان کا علم بڑا گہرا تھا، ان کے بھی بہت سے شاگرد پیدا ہوئے، بلبن نے ان کو اپنی مملکت کا قاضی بنا کر صدر جہان کے عہدہ پر مامور کیا،[2] اور وہ ایک مدت تک یہ فرائض انجام دیتے رہے،[3]

ان علماء کے علاوہ قاضی رفیع الدین گازرونی، قاضی شمس الدین مراجی، قاضی جلال الدین کاشانی بن قاضی قطب الدین کاشانی، قاضی سدید الدین، قاضی ظہیر الدین، وغیرہ بھی اس عہد مین اپنے بلند علمی پایہ کے لیے مشہور تھے،[4] اور قضاۃ کے منصب پر فائز رہ کر شاہی دربار سے وابستہ تھے، سادات مین ایسے بہت سے بزرگ تھے جن کے زہد و تقوی کی وجہ سے اس دور مین بڑی رونق رہی، ان ہی مین شیخ الاسلام سید قطب الدین (جد بزرگوار قاضیان بدایون) سید منتخب الدین، سید جلال الدین، سید معین الدین سامانہ اور کیتھل جنجیر، بیانہ اور بدایون کے بھی سادات تھے، تاتاریون کے خروج سے بھی بہت سے سادات دہلی مین آکر جمع ہو گئے تھے، (برنی ص ۱۱۱)

ترویج تعلیم | اس عہد مین جن علماء نے درس و تدریس مین خاص شہرت حاصل کی ان مین سے بعض کے نام یہ ہین، مولانا برہان الدین بلخ، مولانا نجم الدین دمشقی، مولانا سراج الدین سنجری مولانا برہان الدین بزاز، مولانا شرف الدین ولوالجی، اور مولانا منہاج الدین جوزجانی، (برنی ص ۱۱۱) ان مین سے موخر الذکر تینون بزرگون سے بلبن کا گہرا لگاؤ رہا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، ان

---

[1] اس روایت کی تصدیق سیر الاولیاء سے بھی ہوتی ہے (ص ۳۰۰) [2] سیر الاولیاء مین ریزہ کے شعر مین شمسا کے بجائے "خدا را" ہے، اور "مستوفی ممالک" کے بجائے "مستوفی مملکت" ہے۔ [3] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴ [4] نزہتہ الخواطر ج ۲ ص ۱۰۶، [5] سیر الاولیاء ص ۱۸۲،

بزرگون کے علاوہ اور دوسرے ارباب کمال بھی درس و تدریس کے ذریعہ مختلف قسم کے علوم وفنون کی ترویج مین مشغول تھے، تاریخ فیروز شاہی مین ہے،

در عصر پادشاہی سلطان بلبن چندین علماء و سرآمدہ کہ از نوادر استادان بودند بر صدر افادت سبق می گفتند ........ و چندین استادان و مفتیان و سرآمدگان کہ از شاگردان وپسر علماء عہد شمسی در گفتن سبق و نوشتن جواب فتوی معتبر بودند و در جملہ عہد بلبنی بچندین استادان و بزرگان کہ یکے از ایشان اقلیمی را بیارا یہ پیراستہ بودند (ص ۱۱۲ - ۱۱۱)

اس زمانہ مین دہلی کے دو مدارس مدرسہ معزیہ اور مدرسہ ناصریہ کے اخراجات شاہی خزانے سے پورے کیے جاتے تھے، ان دونون مدارس کا ذکر پہلے آچکا ہے، مدرسہ ناصریہ کو بھی ایلتمش ہی نے اپنے بڑے لڑکے ناصرالدین محمود کی وفات پر اس کے ایصالِ ثواب کے لیے قائم کیا تھا،

اس عہد کے مدارس مین کلام پاک اور حدیث کی تعلیم ضروری تھی، تفسیر مین کشاف، ایجاز اور عمدہ عام طور سے پڑھائی جاتی تھی[1]، اب کشاف کے بجائے جلالین کامل و بیضاوی سورۂ بقرہ پڑھائی جاتی ہے، حدیث مین بخاری اور مسلم کے علاوہ مشارق الانوار[2]، مصباح الدجی[3] اور مصابیح[4] پڑھائی جاتی تھین، اول الذکر دونون کتابین امام صغانی کی ہین، اب ان کتابون کی جگہ مشکوٰۃ نے لے لی ہے، فقہ کے نصاب مین ہدایہ، قدوری اور مجمع البحرین[5] تھین، قدوری اور ہدایہ کی تعلیم تو اب تک جاری ہے، البتہ مجمع البحرین کی جگہ شرح وقایہ نے لے لی ہے، اور اب مجمع البحرین طاق نسیان بن کر رہ گئی ہے، یہ ابن الساعاتی کی مشہور کتاب تھی جو انھون نے قدوری اور النسفی کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا تھا، نحو مین کافیہ و مفصل[6] مقبول تھین، کافیہ تو

[1] فوائد الفواد ص ۱۰۹ [2 و 3] ایضاً ص ۱۰۳ [4] سیر الاولیا ص ۲۰۷ [5] ایضاً ص ۲۸۹ [6] ایضاً

اب بھی نصاب مین ہے مفصل کی جگہ شرح ملا جامی نے لی ہے، ادب مین مقامات حریری بہت زیادہ مقبول تھی،[۱] منطق مین شرح شمسیہ اور کلام مین شرح صحائف اور تمہید ابو شکور سالمی پڑھائی جاتی تھیں،[۲] فارسی مین کیمیائے سعادت، تذکرۃ الاولیاء، خمسہ نظامی پڑھنے پڑھانے کا عام رواج تھا، فن تصوف مین قوت القلوب، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، لوائح، طوالع الشموس (از قاضی حمید الدین ناگوری) وغیرہ ذوق شوق سے پڑھی جاتی تھین،

**بلبن پر بزرگان دین کے اثرات** علماء و مشائخ کی پرکیف صحبتون سے بلبن مین جو انقلاب ہوا اس کے اثرات اس کی نجی و سیاسی زندگی دونون کے لیے مفید ثابت ہوئے، تخت نشین ہونے سے پہلے اس کی مجلسون مین ساغر و پیمانہ کا دور چلتا، رقص و سرود کا جشن منایا جاتا، قمار بازی بھی ہوتی، اہل مجلس پر سونے اور چاندی نچھاور کی جاتی، لیکن تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد ان تمام مکروہات سے وہ تائب ہوا، اور رفتہ رفتہ علماء و مشائل کی صحبت سے اس مین اتنے غیر معمولی تغیرات ہوئے کہ

وہ عبادت، ریاضت، روزے، نفل اور شب بیداری مین غیر معمولی اہتمام کرتا، جمعہ کی نماز، نماز باجماعت، اشراق وچاشت، اوابین اور تہجد کی بھی پابندی کرتا، خواہ کوئی موسم ہو، رات کو جاگتا، سفر و حضر مین بھی اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا، کبھی بے وضو نہ رہتا،[۳]

لیکن اس زہد و عبادت کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمران کے فرائض سے غافل نہین رہنا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے لڑکون اور خاص خاص لوگون سے مولانا سید نور الدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا، جو انھون نے سلطان شمس الدین التمش کے سامنے کہا تھا، اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتین نماز پڑھتا رہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہون

۱ سیر الاولیاء ص ۱۰۱ ۲ الندوہ فروری ۱۹۰۹ء، ہندستان کا نصاب درس از مولانا سید عبدالحی ۳ تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶ ، ۴۷

سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق میں خرچ کرتا رہے لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنوں کے قلع قمع کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو جاری اور نہی منکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو، اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو، تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی۔ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصہ کو بیان کرتا تو زار زار رونے لگتا۔[1]

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بلبن نے ان فرائض کو ادا کرنے کی بھی کوشش کی؟

اپنی ریاضت و عبادت کے باوجود اس کو اقرار تھا کہ وہ ایک دیندار حکمران نہیں ہے، وہ خود کہتا کہ ایک دیندار حکمران کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حکومت حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت کے طرز پر ہو، لیکن وہ اس کا بھی اعتراف کرتا کہ ایسی حکومت قائم کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔[2] لیکن یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اس کو اپنے دور حکومت میں دین کی حمایت کی خاطر شریعت اسلام، حمیت اسلام اور شعار اسلام کا بڑا خیال رہا، وہ جیسا کہ پہلے آ چکا ہے، نمازیں پڑھتا، روزے رکھتا، نماز باجماعت میں شریک ہوتا، جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جامع مسجد جاتا، مشائخ سے اپنی گرویدگی کا اظہار کرتا، علماء و صلحاء کی تعظیم و تکریم کرتا، اس نے یہ تمام اوصاف نہ صرف اپنی عاقبت اور آخرت کو درست کرنے کے لیے اپنے میں پیدا کیے، بلکہ اس لیے بھی کہ اس کے ان محاسن سے اس کی رعایا میں بھی خداترسی، دینداری اور پرہیزگاری پیدا ہوگی، کیونکہ وہ الناس علی دین ملوکھم کا قائل تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اگر کسی حکمران میں نیکی، دینداری اور تقویٰ ہے تو یہ خوبیاں اس کی رعایا میں بھی خود بخود پیدا ہو جائیں گی، اور اگر اس میں صرف برائیاں ہیں تو ساری مملکت میں

---

[1] برنی ص ۴۴ [2] ایضاً ۴۷

برائیاں ہی برائیاں نظر آئیں گی۔[1]

بلبن نہ صرف خود شریعت کا پابند ہوا، بلکہ اپنی قہر و سطوت سے امر معروف و نہی منکر کے مطابق احکام شرعی کو رواج دینے کی بھی کوشش کی، وہ کہا کرتا تھا کہ

"از چنین بادشاہی کہ........ نہ از ہیبت و حشمت و قہر و سطوت او ورد بہائے مردمان ترسان و لرزان شود ہرگز دین پناہی و دین پروری کہ بجریان امر معروف و نہی منکر متعلق است، نیاید۔" (برنی ص ۳۵)

ایک اور موقع پر ایک حکمران کے فرائض میں یہ بھی بتایا کہ

"امر و جریان امورات شرعی و نہی منہیات و ہوائے نفس لازم داند۔" (برنی[2])

وہ تو یہ حجت بھی پیش کرتا تھا کہ حکمرانی کے دوران میں ایک حکمران سے جتنی باتیں خداوند تعالےٰ کی رضا اور سنت کے خلاف ہوتی رہتی ہیں، وہ معاف ہو سکتی ہیں، اگر وہ حمیت اسلام اور شعار اسلام کو برقرار رکھنے کی خاطر امر معروف و نہی عن المنکر کے مطابق احکام شرعی کو رواج دینے میں کوشاں رہے، بلبن کی یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب رہی، چنانچہ اس کا اعتراف نہ صرف ضیاء الدین برنی نے بلکہ تیموری دور کے مورخوں نے بھی کیا ہے، طبقات اکبری میں ہے:

"اوامر و نواہی را کما ینبغی رعایت می نمودے۔"[3]

اوامر و نواہی کی پابندی کرانے کے لیے بلبن مختلف منصب پر متقی، متدین اور خدا ترس حکام ہی کو فائز کرتا، (دیکھیے برنی ص ۳۴، ۴۷، ۷۳، ۹۰) تاریخ فرشتہ میں بھی ہے:

"کار مملکت را جز بہ اکابر و مردم دانا نسپردی...... و تا صلاح تقویٰ و دیانت کسے مشخص نہ شدے، تشغل و عمل نہ فرمودے۔" (ج ۱ ص ۷۵)

---

[1] برنی ص ۳۰، [2] ایضاً ص ۴۱ [3] طبقات اکبری ج ۱ ص ۷۹

اور اپنے ولی عہد کو بھی اسی کی تلقین کی کہ

" قضاۃ و حکام متدین بر خلائق نصب فرمائی تا رواج دین و رونق عدل میان خلائق پذیر آمد"[1]

اور وہ متدین اور متقی حکام کی باتون اور سفارشون ہی کو قبول کرتا، تاریخ فیروز شاہی مین ہے کہ

" قاضیان لشکر راکہ ایشان بحرمان گفتندے و در تقویٰ و دینداری مشہور بودندے حرمت بسیار داشتے و شفاعتی کہ ایشان کردندے، قبول کردے"[2]

اسی طرح حکمرانی کے سب سے اہم فرض عدل و انصاف کا جو نمونہ بلبن نے پیش کیا، اسکی مثال ملنی مشکل ہے، تاریخ فیروز شاہی مین ہے:

" داد دہی اور انصاف پروری مین بھائیون، لڑکون، مقربین اور مخصوص لوگون کا لحاظ نہ کرتا، اگر اس کے نزدیک رہنے والون مین سے کوئی کسی پر ظلم کرتا تو اس کا انصاف کرنے مین مطلق نہ چوکتا، اور جب تک مظلوم کے ساتھ انصاف نہ کر لیتا، اس کے دل کو آرام نہ پہنچتا، انصاف کرتے وقت اس کی نظر اس پر نہ ہوتی کہ ظلم کرنے والا اس کا حامی و مددگار ہے، اس لیے ملکی مصلحت کی بنا پر اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، مظلومون اور بیکسون کے ساتھ اس کی شفقت ماں باپ کی طرح ہوتی، اس کے لڑکے، عزیز، مخصوصین، والی اور مقطع اس کی عدل پروری سے واقف تھے، اس لیے کسی کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اپنے غلامون، کنیزون، سوارون اور پیدل سپاہیون کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کریں" (ص ۴۰)

طبقات اکبری مین ہے:

[1] فرشتہ جلد اول ص ۸۲ [2] برنی ص ۳۰، [3] برنی ص ۴۰

"در داد و عدل ہیچ یک از سلاطین سابق عدل او نبود" (ج ا ص ۷۹)

اس کے عدل و انصاف کے قصے آج تک خاص خاص حلقوں میں سنائے جاتے ہیں،[1]

(مثال کے لیے دیکھو برنی صفحہ ۴۱ - ۴۰)

خسرو نے بلبن کی حکومت کی تعریف حسب ذیل شعروں میں اس طرح کی ہے:

غیاث الدین و دنیا شہ براد رنگ ز مہر عون مظلومان دل تنگ

خرام پیل نپسندید بر مور شہے بود کہ از بخشایشش و زور[1]

خود اس زمانہ کے ہندوؤں نے بلبن کی حکومت کو دل کھول کر سراہا ہے، اسی عہد کے کسی ہندو کا لکھا ہوا ایک کتبہ پالم میں ملا ہے جو سنسکرت اور ہریانہ کی مقامی زبان میں ہے، یہ کتبہ ۱۳۳۷ء بکرمی (مطابق ۱۲۸۰ء) میں لکھا گیا ہے جب بلبن تخت نشین تھا، اس میں مسلمان حکمرانوں خصوصاً بلبن کی تعریف کی گئی ہے، بلبن کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس کی سلطنت میں آسودہ حالی ہے، اس کی بڑی اور اچھی حکومت میں غور سے غزنہ اور ڈراوڑ سے رامیشورم تک ہر جگہ زمین پر بہار ہی بہار کی دل آویزی ہے، اس کی فوج نے ایسا امن و امان قائم کیا ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے، سلطان اپنی رعایا کی خبر گیری ایسی اچھی طرح کرتا ہے کہ خود وشنو دنیا کی فکر سے آزاد ہو کر دودھ کے سمندر (شیر ساگر) میں جا کر سو رہے ہیں،[2]

ہاں البتہ بلبن کے شاہانہ لباس اور اس کے دربار کی زینت و آرایش کی جو تفصیل تاریخوں میں ہے

---

[1] مثنوی دول رانی خضر خان، مطبوعہ علی گڑھ ص ۵۰

[2] Epigraphia Indo-Moslemica 1913-1914 pp 35-45
Palam inscription

بحوالہ سلطنت دہلی کا نظام حکومت از اشتیاق حسین قریشی ص ۱۴۲ - ۲۱۳

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہری نمود و نمایش مین عجمی فرمانرواؤن کی تقلید کرتا تھا، اور اسکا یہ رنگ مشرکانہ تھا، اس کے دربار مین منقش فرش بچھایا جاتا، زربفت کے پردے لٹکائے جاتے، چاندی اور سونے کے برتن رکھے جاتے جن مین میوے، شربت اور پان رکھکر اہل مجلس کی تواضع کی جاتی، کبھی گانا بجانا بھی ہوتا[1]، اس کی سواری کے رکاب مین بھی اسی قسم کی شان و شوکت کا مظاہر کیا جاتا، بلبن کو یہ احساس تھا کہ یہ عظمت نمائی اور خود پرستی بلکہ اس کے اور بھی بہت سے افعال و اعمال احکام الٰہی اور سنت نبویؐ کے خلاف ہین، لیکن اس احساس کے باوجود اس نے اپنی شاہانہ عظمت و جلالت کو برقرار رکھنے کے لیے دربار کے تزک و احتشام کے غیر اسلامی طریقے کو قائم رکھا، کیونکہ بہت سے سیاسی مصالح کو سامنے رکھکر اور اس مفتوحہ ملک کے ماحول کو دیکھکر وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ جو بادشاہ دربار کی آرایش، شاہانہ سواری کے مراسم اور سلطنت کے آداب کا لحاظ نہین کرتا اس کا رعب و داب رعیت کے دلون مین قائم نہین رہتا، اور نہ دیکھنے والون پر اس کی حشمت و جلالت کا کچھ اثر ہوتا ہے، ایسے بادشاہ کے دشمن دلیر ہو جاتے ہین، اور اس کی حکومت مین خلل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین، اس کا قول تھا کہ بادشاہ کا رعب اور اس کی ہیبت جس قدر اسکے وقار و تمکنت سے رعایا کے دلون مین بیٹھتی ہے، اس قدر سزا اور خشونت سے قائم نہین ہوتی، وہ کہا کرتا تھا کہ بادشاہ کا پرہیبت اور پرجلال نہ ہونا رعایا کی سرکشی اور بغاوت کا باعث ہوتا ہے، ایسی حالت مین غیر مسلم باغیانہ روش اختیار کرتے ہین اور مسلمان فسق و فجور مین مبتلا ہو جاتے ہین اور جو بادشاہ اپنی سطوت کو قائم رکھتا ہے، وہ مدتون حکمرانی کرتا ہے، ورنہ اس کی حکومت مین فتنہ و فساد کا بازار گرم رہتا ہے، عدل و انصاف مین اختلال پیدا ہو جاتا ہے، اور ظلم و تعدی کے دروازے کھل جاتے ہین، وہ تو اس کا بھی قائل تھا کہ اگر ایک بادشاہ باہیبت اور بارعب نہین ہوتا تو اس سے دین حق کی

[1] برنی ص ۳۲

رسوائی ہوتی ہے، اور دوسرے ادیان مین رونق آجاتی ہے، پھر مسلمانون کے معاملات مین بے انصافی ہوتی رہتی ہے،[1]

مگر اس تاویل اور مدافعت کے باوجود وہ دربار کی نمایش، خود پرستی اور اسی قسم کی اور باتون کو رسوم جبابرہ ہی مین شمار کرتا تھا، اور تمام رسوم جبابرہ کو شرک، خلاف سنت اور موجب عذاب سمجھتا تھا، مگر اس کے خیال مین اس عذاب سے ایک حکمران کے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ خلق اللہ کی بھلائی مین لگا رہے۔ اور اپنے مین خداترسی پیدا کرے، ملک سے فسق و فجور دور کرے، سلطنت کے کام عقلمندون، ایمان دارون اور خداترس لوگون کے سپرد کرے، اور عدل و انصاف کو پورے طور پر قائم رکھے،[2]

یہ کہنے مین تامل نہیں کہ بلبن نے حکمرانی کی یہ تمام باتین اپنے مین پورے طور پر پیدا کین، تیموری دور کے مورخین خواجہ نظام الدین احمد اور ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کے اوصاف پسندیدہ کے لیے

---

[1] برنی ص ۳۵-۴۴، تاریخ فرشتہ ج اول ص ۷۶-۷۵، [2] طبقات اکبری مین بلبن کے ذکر مین ہے:

"و بارہا می گفت کہ اینکہ بادشاہ در اوضاع و احوال خود، رسوم جبابرہ کار می فرماید، ہمہ اشتراک با خدا و خلاف سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم است، مکافات این جز بہ عقاب و عذاب نیست و تلافی این نتوان کرد، مگر آنکہ بچہار چیز، اول آنکہ قہر و سطوت خود را در محل خویش مصروف گرداند و جز از رفاہیت خلق، و ترس حق در نظر او نباشد، دوم آنکہ نگذارد کہ در ممالک او فسق و فجور علانیہ بوقوع آید، و سد این باب فرماید، و فاسقان و بے باکان را دائم منکوب و مخذول دارد و سیوم آنکہ کار عمل و شغل بمردم دانا و شایستہ و بادیانت خداترس تفویض نماید و مردم بد اعتقاد را در ملک خود جا ندہد کہ سبب اضلال خلق خدا شوند، چہارم آن کہ در عدالت و داد خواہی استقصا نماید بمرتبہ کہ آثار ظلم و تعدی در دیار او نماید"

(ج ۱ ص ۸۱)

حسب ذیل اشعار لکھے ہیں:

| | |
|---|---|
| فرکیخسروی از پنجا خاست | کہ جہان را بعدل و علم آراست |
| روز خلوت گلیم پوشیدے | بہ نماز و نیاز کوشیدے |
| روے بر ریگ و دل چو دیگ بجوش | دل سخن گستر و زبان خاموش |

بلبن کے فرکیخسروی نے تو نہیں لیکن اس کے "عدل" "علم" "نماز و نیاز" "روے بر ریگ" "دل سخن گستر" اور "زبان خاموش" نے اس میں ایسا کردار پیدا کیا، جس سے حمیت اسلام اور شعار اسلام کو ضرور فروغ ہوا، اور جب وہ اس دنیاے فانی سے عالم بقا کو سدھارا تو اس کی موت پر ماتم نہ صرف ارکان حکومت بلکہ بزرگانِ دین نے بھی کیا، تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

"ملک الامراء کوتوال بلبن کی موت پر چھ مہینے زمین پر سویا، شہر کے تمام ملوک، امراء صدور، اکابر و معارف بھی چالیس روز تک زمین پر سوئے، عقلمند، ہوش مند اور تجربہ کار لوگ بھی سلطان کی موت پر رنجیدہ اور مغموم ہوئے، اور شہر کے تمام بزرگان دین نے سلطان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے کھانے تقسیم کیے[1]"

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور دوسرے بزرگ جب بلبن کا نام لیتے تو اس کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" "طاب اللہ ثراہ" اور "انار اللہ برہانہ" بھی کہتے، خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنی مجلس میں اس کے مذہبی عقائد کی تعریف بھی کی ہے[2]۔

**بلبن کے دربار میں شعراء کی کمی**

بلبن کو علماء و مشائخ سے کچھ ایسی دلچسپی رہی کہ وہ شعراء کی طرف مائل نہ ہو سکا۔ درباری روایات کے مطابق شعراء اس کے سامنے آکر قصائد پڑھتے اور

---

[1] برنی ص ۱۲۳

[2] فوائد الفواد ص ۲۳۲ - ۲۳۱

اور انعامات پائے[1]، لیکن وہ ذوق شعری سے کچھ ایسا عاری تھا کہ علما، کی طرح شعراء اس کے دربار میں رسوخ حاصل نہ کر سکے، مگر اس زمانہ کے شعراء کو بلبن کے شہزادون اور امراء کے دربارون مین ایسا ملجا و ماوی مل گیا تھا کہ ان کو بلبن کے عدم التفات کا احساس مطلق نہ ہوا شمس دبیر قاضی اثیر، امیر خسرو اور حسن سجزی نے ان شہزادون اور امراء کی سرپرستی اور زرپاشی مین فارسی

لہ برنی ص ۳۲، طبقات اکبری جلد اول ص ۸۰، امیر خسرو کے دیوان تحفۃ الصغر مین بلبن کی شان مین کئی قصائد درج ہین، یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ خسرو نے بلبن کے دربار میں جا کر یہ قصائد پیش کیے، یا غائبانہ اسکی مدح لکھکر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہو، ناظرین کی ضیافت طبع کیلیے ہم خسرو کے بعض قصائد کے اشعار یہان پر درج کرتے ہین:

یقین کہ روز جہانرا نیامدست زوال | چو از کسوف برون آمد آفتاب جلال

غیاث دنیا و دین سایۂ خدا ے کہ خلق | بدو نیامد از ہم آفتاب زوال

بروز جمعہ بیار استند ہمچو عروس | برائے شاہ جہان شہر را بزیور و مال

بقبہ کردند اشکال گردش گردون | بجز و بگردش گردون نباشد این اشکال

بتان نادرہ ہستند دختران بدیع | ہمی کنند شمائل روان چو آب زلال

ز طبل شاہی آواز کے کہ برمی خواست | بشرق و غرب ہمی رفت و رجنوب شمال

ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے جسکو خاقانی کے طرز پر کہنے کی کوشش کی ہے،

صبح است و بر وو ر بدہ صبا معجر زرش | وافگند زلف شب ز عذار ہر غرش

بلبن کو مخاطب کر کے کہتے ہین

اعظم غیاث دنیا و دین و غیب لکرمت | گر غیب شد ممالک دنیا مقر رش

آفاق کردہ بسر دوران رکاب او | دوران نگندہ زیور اقبال در برش

ایک اور قصیدہ کا مطلع یہ ہے، یہ بھی خاقانی ہی کے طرز پر ہے۔

خسرو عالم غیاث الدین ستہ گردون | جناب آنکہ بر سر کردی چون چرخ شد مالک رتاب

شاعری مین جو چار چاند لگائے، وہ ہندوستان مین فارسی ادب کی تاریخ کا ایک اہم اور شاندار باب ہے، ہم پہلے ان شہزادون اور امراء کا ذکر کرتے ہین، پھران شعراء کے حالات زندگی اور کارنامے سے ہم ناظرین کو روشناس کرائین گے،

**شہزادون کی تعلیم وتربیت** بلبن کو اپنے شہزادون کی دینی اور دنیاوی تعلیم کا بڑا خیال رہا، اس کا دوسرا لڑکا بغراخان لکھنوتی کا حاکم ہوا تو اس وقت بھی باپ نے بیٹے کو یہ تعلیم دی کہ اگر تم اپنے کو خدا کا بندہ اور اسی کا پیدا کیا ہوا انسان سمجھتے ہو تو ہر حال مین پانچون وقت نماز باجماعت ادا کرتے رہو، اور یہ حدیث پڑھی کہ جماعت کا تارک منافق اور ملعون ہے، اور امام کی پہلی تکبیر کے ساتھ جماعت مین شریک ہونا دنیا وما فیہا سے بہتر ہے، اور اگر نماز ادا نہ ہوسکے تو اس کی قضا، ضرور پڑھ لینی چاہیے کہ اس سے عاقبت بنتی ہے،[۱]

ظاہر ہے کہ بلبن نے اسی طرح اور دوسرے ارکان اسلام کی تعلیم پر بھی زور دیا ہوگا، دنیاوی تعلیم مین شہزادون نے پہلے تو خطاطی اور زبان ولغت کی تعلیم پائی، پھر ادیبون اور مورخون کی ضروری کتابون کا مطالعہ کیا، اصول حکمرانی اور رموز جہانبانی سیکھنے کے لیے خواجہ تاج الدین بخاری سے آداب السلاطین اور مآثر السلاطین خاص طور پر پڑھین خواجہ تاج الدین، سلطان شمس الدین ایلتتمش کے ندیم خاص تھے، انھون نے بلبن کے شہزادون کو آداب السلاطین ختم کرائی تو سلطان ایلتتمش نے ان کو دو گاؤن اور ایک لاکھ جیتل انعام مین دیے۔[۲]

بلبن نے شہزادون کو خلوت وجلوت مین اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے کی بھی خاص تربیت دی، اس کی تاکید تھی کہ وہ اپنا خلا ملاء اکابر، اشراف، ارباب دانش، اصحاب ہنر اور نیک بندگان خدا ہی سے رکھین کہ اس سے دنیا مین نیک نامی اور عقبیٰ مین سرخروئی پیدا ہوتی ہے،

[۱] برنی ص ۱۰۲ [۲] ایضاً ص ۱۴۴-۱۴۵

وہ ان کو ایسے لوگوں سے ملنے کی سخت ممانعت کرتا جو کم نسل، اخلاقی حیثیت سے بے مایہ، بد دیانت یا مذہبی عقیدے میں گمراہ ہوتے،[1]

بلبن کی تعلیم و تربیت سے اس کے بڑے لڑکے محمد سلطان میں گوناگوں اوصاف پیدا ہوئے، سلطان بلبن اس کو اس کے پسندیدہ خصائل کی وجہ سے بہت ہی عزیز رکھتا تھا، وہ نہ صرف اپنی شجاعت، نبرد آزمائی، تدبر اور بصیرت کے لیے سب کی نظروں میں مقبول تھا، بلکہ اپنے عام عادات و اطوار کے لحاظ سے بھی خواص و عوام اور مشائخ و علماء سب ہی کی نگاہ میں محبوب تھا، اس کی تہذیب و شائستگی کا یہ حال تھا کہ جب دربار میں بیٹھتا تو دن کا دن اور رات کی رات گذر جاتی، لیکن اپنا زانو نہیں بدلتا، کسی نے اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہیں سنا، مشائخ سے ان کا ادنیٰ خادم بن کر ملتا، ایک روز شیخ عثمان اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدین دوسرے درویشوں کے ساتھ شہزادہ کے یہاں ایک مجلس سماع میں شریک ہوئے، عربی اشعار پر ان درویشوں پر وجد طاری ہو گیا، اور وہ رقص کرنے لگے شہزادہ بھی دست بستہ کھڑا ہو گیا، اور برابر زار و قطار رو رہا تھا،[2]

**شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار** شہزادہ کی مجلس فضلاء، شعراء سے ہمیشہ بھری رہتی اور اس میں برابر شاہنامہ، دیوان سنائی، دیوان خاقانی اور خمسۂ نظامی پڑھے جاتے اور ان پر بحث و تمحیص ہوتی، اگر مجلس میں کوئی ندیم ایسا شعر پڑھ دیتا جو پند و نصائح سے بھرا ہوتا تو شہزادہ اس کو سنکر رونے لگتا، اور بعض اوقات اس پر ایسی رقت طاری ہو جاتی کہ شرکائے مجلس کو اس کے تاثرات دیکھکر حیرت ہوتی،[3]

ارباب ذوق شہزادہ کی شعر فہمی کے بے حد معترف تھے، خسرو کہا کرتے تھے کہ سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کو حافظہ میں محفوظ رکھنے میں محمد سلطان

---

[1] برنی ص ۷۵، [2] ایضاً ص ۶۸-۶۷، [3] ایضاً ص ۶۷-۶۸

جیسا کسی کو نہ پایا، شہزادے نے ایک بیاض تیار کی تھی جس میں اپنے مذاق کے مطابق بیس ہزار اشعار انتخاب کر کے درج کیے تھے، ان اشعار کے انتخاب پر خسرو اور حسن سجزی بھی داد دیتے تھے، یہ بیاض ایسی نادر چیز تھی کہ جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو بلبن نے اپنے خاص دوات دار امیر علی کو دے دی، امیر علی کے بعد امیر خسرو کے ہاتھ آئی، ارباب ذوق اس کی نقلیں لیتے اور بیاضوں میں درج کرتے تھے،[۵]

شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان میں لگتا، دہلی میں بلبن کے یہاں علماء و فضلاء کا بڑا اجتماع ہو گیا تھا، ان میں سے بعض ارباب علم محمد سلطان کی فیاضی و زرپاشی سن کر دہلی سے ملتان منتقل ہو گئے تھے، شہزادہ کی علمی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے فرشتہ رقمطراز ہے:

"ہمیشہ مجلس ہمایون خود را بہ فاضلان سعادت قرین و شاعران فراست آئین آراستہ درحق ہمگنان انواع الطاف و اعطاف مصروف داشتے و زمانہ از وجود فائز الجودش بہار بہار و چمن چمن نسرین و نسترن در جیب و دامن کردے" (ج ۱ ص ۷۸)

دہلی کے شعراء میں سے خسرو اور حسن سجزی کی وجہ سے محمد سلطان کے دربار کی رونق خاص طور پر بڑھی، اور ان تینوں سخن فہموں اور سخن سنجوں کا اجتماع ہوا تو شہزادہ کی بزم ادب میں پانچ سال تک بڑی رنگینی اور کیفیت رہی، شہزادہ ان دونوں ارباب کمال کو اس مدت میں اپنے بے پایاں لطف و نوازش اور انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہا، خسرو دل کھول کر شہزادہ کی شان میں قصائد کہتے، اور شہزادہ مال و دولت نچھاور کر کے ان کی داد دیتا، چنانچہ خسرو اس کے جود و سخا اور خلق کے بارہ میں اس کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

جود تو گوش صدف را پارہ کرد — نام لولو ہر کسے لالا نہاد

---

[۵] برنی ص ۶۷-۶۶، فرشتہ ج ۱ ص ۷۹

مشک ارزان شد بوصف خلق تو — کلک من چو روئے در سودا نہاد

مشتری جز مدح تو ننوشت ہیچ — خامہ را بر روئے کاغذ تا نہاد

حسب ذیل قصیدہ میں خسرو نے شاہزادہ کی شان میں اپنے والہانہ جذبات کا اظہار بڑے دلکش پیرایہ میں کیا ہے، عشقیہ تشبیب میں حسن الفاظ کی دل آویزی اور طرز ادا کی شگفتگی کے ساتھ جذبات میں بھی بڑی رنگینی ہے، صنعت التفات (یعنی ممدوح کی مدح کے وقت ضمیر حاضر سے اسکو یاد کرنا) میں شہزادہ کو مخاطب کرتے ہیں:

زہے رویت شگفتہ لالہ زاری — در حسن ترا گل پردہ داری

رخت را بہتر از مہ می شمارم — وزین بہتر نمی بینم شماری

درخت صندل آید قامت تو — کہ می پیچد درو زلفت چو ماری

اس سراپا نگاری کے بعد خیال یار، خیال وصل اور خیال فراق کی مصوری کر کے گریز کرنا چاہتے ہیں، جس سے گریز میں بڑی دلکشی پیدا ہو گئی ہے،

چو خود رفتی بتسکین دل من — خیال خویش را بفرست باری

نخواہم یادگاری از تو لیکن — خیالت آنکہ بدہی یادگاری

دلم یک چند بود اندر پس کار — فراقت باز پیش آورد کاری

گلے نہ شگفتہ بختم را ز وصلت — ز غم ہر موئے بر تن گشت خاری

اسی کے بعد ممدوح کا ذکر لاتے ہیں:

زشاخ بخت چون برگے ندارم — بخواہم از جناب شاہ باری

شہنشہ نصرت دنیا محمد — کہ نارد چرخ چون او شہریاری

شہزادہ کے وقار، تمکنت، حکمرانی، بلندی اقبال، اصابت رائے، اور جود و سخا کی

تعریف خاص انداز میں کرتے ہیں،

بگاہِ زلزلہ کوہِ گران سنگ — ز ذاتش عاریت خواہد وقاری
جہان دارا توئی دارا جہان را — جہان دا یم ہمی گوید کہ آری
زمین شد مست ز اقبالت کہ دارد — نگہبان ہمچو رایت ہوشیاری
سپہر پیر از رائے تو ہر دم — گزد انگشت ہمچو شیرخواری
مگر زد لافِ گوہر با تو دریا — کہ ابر از ژالہ گردش سنگباری
چو در باریدن آمد ابر دستت — گہر گیرد گل اندر ہر دیاری

دعائیہ اشعار پر قصیدہ ختم کرتے ہیں:

ز بہر نظم خسرو در ثنایت — کشد ہر لحظہ دُر شاہواری
حدیث مدح چون پایان ندارد — بدعوت بہ کہ باشد اختصاری
مدارِ دارِ عالم باش در ملک — بود تا دارِ عالم را مداری
حسود ملک را بر دار می کن — و زین دارش رُوان می کن بداری[1]

تحفۃ الصغر کے علاوہ وسط الحیوٰۃ میں شہزادہ محمد کی شان میں تقریباً ۲۳ قصائد ہیں، جن میں کبھی ابوالفرج رونی، کبھی انوری، کبھی ظہیر فاریابی، کبھی اسمٰعیل کمال اور کبھی اپنے خاص رنگ میں اشعار کہکر اپنے قلم کی روانی دکھاتے ہیں، اور یہ روانی دریا کی موجوں کی طرح لہریں مارتی ہوئی دکھائی دیتی ہے،

بحر مجتث مقصور میں ابوالفرج رونی کے ایک طویل قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

بدیع نیست بہ شب دیدن ستارہ در آب — بروز بین کہ سپہرے است پر ستارہ بر آب

[1] دیوان وسط الحیوٰۃ، علی گڈھ اڈیشن ص ۵۳

خسرو نے ابو الفرج رونی ہی کی تقلید مین بحر مجتث مثمن، مخبون مقصور مین ایک طویل قصیدہ کہا ہے، جس کے تین بند ہین، تیسرے بند کے شروع میں کہتے ہین

سپیدہ دم کہ دمد آفتاب روشن تاب | زمانہ را کند از آفرین شاہ خطاب
یگانہ نصرت دین قان ملک محمد راد | خدایگان فلک مرکب ہلال رکاب
گرفتہ منزل رفعت بر آسمان لقبش | اگرچہ منزل گردو ز آسمان القاب
بہ بند بازوے اوبست بہر قوت دین | زمانہ رشتۂ انصاف و گوہر خطاب
جہان ز معدلت اوست قائم ارنہ بہ چرخ | بروج منقلب اند و ستارگان قلاب

انوری نے سلطان سنجر کی شان مین ایک قصیدہ کہا تھا، جس کا مطلع یہ ہے:

گر دل و دست بحر و کان باشد | دل و دست خدایگان باشد

خسرو نے اسی کی تقلید مین بحر بدل کر یعنی بحر ہزج مثمن سالم مین شہزادہ کے لیے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

کسے را کین چنین زلف و بنا گوش آنچنان باشد | اگر در دیدۂ و دل جائے سازد جائے آن باشد

اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:

درونم ز آتش اندیشہ بند از بند می سوزد | عفاء اللہ چون کسے کو را تپ اندر استخوان باشد

انوری نے اسی قافیہ کے ساتھ یہ شعر کہا ہے،

ظلم را دائم از سیاست او | تپ لرزہ در استخوان باشد

خسرو شہزادہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

سران را تاج سلطانی محمد شاہ بن سلطان | کہ تاج سلطنت او راست تا ملک جہان باشد
چہ مجنون یافت یارب بخت او از حقہ گردون | کہ ہم ہموارہ بیدار است و ہم دائم جوان باشد

قصیدہ اس شعر پر ختم ہوتا ہے:

بدار ملک دولت جاودان می باش دشمن را
بدار ملک پر می کش کہ ملک او ہمان باشد

انوری نے اپنے قصیدہ کو اس شعر پر ختم کیا ہے،

درجہان ملک جاودانت باد
خود چنین ملک جاودان باشد

ظہیر فاریابی کا ایک قصیدہ ابو بکر بن محمد کی شان مین ہے جس کا مطلع یہ ہے،

دریں ہوس کہ من افتادہ ام بنا دانی
مرا بجان خطر ست از غم تو تا دانی

کمال اسمٰعیل نے بھی اسی قافیہ مین ایک قصیدہ کہا ہے، اس کا مطلع یہ ہے،

بگویم ونہ کند رخنہ در مسلمانی
توئی کہ نیست ترا در ہمہ جہان ثانی

ان ہی دونون ارباب کمال کے قصیدہ ون کو سامنے رکھ کر خسرو نے شہزادہ محمد سلطان کی شان مین ایک قصیدہ کہا جس کی تشبیب کے بعض اشعار ملاحظہ ہون،

چون زلف غالیہ گون بر عذار بنشانی
نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی

نشانہ زخم زبان گرچہ می کشد زلفت
نمی کند سر موئے کم از پریشانی

خراب کرد جہان چشم کافرت افسوس
کہ نیست ہیچ کسے را غم مسلمانی

حدیث روئے تو از دم صبا بہ شنید
بہ بست لعل لبت از سپید دندانی

برون کشید سر از آب روشن آن سبزہ
کہ داشت جوئے لبت زیر آب پنہانی

کمال اسمٰعیل کا ایک قصیدہ حسب ذیل مطلع کے ساتھ ہے،

زہے ز سنبل تر کردہ لالہ را پردہ
بر آسمان زدہ عکس رخت سراپردہ

اس ردیف، قافیہ اور وزن مین بھی خسرو نے شہزادہ کی شان مین ایک قصیدہ کہا ہے، جس کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہین:

نکش بگرد رخ از خط دل ربا پردہ — کہ کس زشب نکند آفتاب را پردہ

ز بیم آن کہ رسد چشم آفتاب بتو — ببند و ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ

کند بپیش خطت پردہ پوشی سبزہ — چو گل بباغ کشد بر سر گیا پردہ

نواے صیت تو کاہنگ او بنہ پردہ است — بساختہ فلک از بہر او نوا پردہ

نسیم خلق تو روزی خلق را چون گل — کشاد از پس ہر پردۂ جدا پردہ

لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ خسرو نے صرف پرانے استاذوں ہی کی خوشہ چینی کرکے شہزادے کی مدح کی بلکہ اپنے خاص رنگ میں بھی قصیدہ کہکر اپنا زور کلام دکھایا ہے، مثلاً حسب ذیل مدح میں بہاریہ تشبیب کا جو بہتر سے بہتر نمونہ ہو سکتا ہے، وہ پیش کرتے ہیں، ابر نیسانی سے بلبل کی شور انگیزی، گل و نرگس کی زرفشانی سے روئے زمین کی طلاکاری، مرغان چمن کی نغمہ سرائی، باد نسیم کی عنبر بیزی، غنچہ کی کجکلاہی، بند قبا کی چستی، باد صبا کی مستانہ خرامی، لالہ کی خون افشانی، چشم نرگس کی افسون خوانی، سرو و سوسن کی سرکشی، بنفشہ کی تواضع و فروتنی، ابر کی سیارہ افشانی کی مصوری کرکے بہار کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ دی ہے،

وقت آن آمد کہ بر بالاے گردون بر شود — ابر نیسانی گزو آواز بلبل تر شود

از زر افشانِ گل و نرگس ہمہ روئے زمین — شد چنانکہ از خاک را در مشت گیری زر شود

صبح دم مرغان ببانگ آیند و ز باد نسیم — خاک زیر پر مرغان بیضۂ عنبر شود

گر قبا را چست بندد گر کلہ را کژ نہد — غنچہ را آن دم کہ بر خود خواب اندر سر شود

آب را باد صبا زنجیر در گردن کند — دست بید انجیر را چون بید پا خنجر شود

ہر زمان دریا و نیلوفر سپہر بر روے آب — بفگند تا از حبابش قبۂ اسپہر شود

آب را بینی کہ از تندی چہ گنبد ہا کند — چون زبار ان آبلہ در پاے نیلوفر شود

نوبہار از لالہ بلبل را بطشت خون نشاند — تاچرا عاشق بروئے لالۂ احمر شود
بر زمین گنبد ناگون قطرہا افتد زابر — سالک مروارید تر در گوش سیمبر شود
زلف سنبل دام چشم نرگس افسون خوان شدہ است — تاگر بلبل بدان افسون بدام اندر شود
سرو و سوسن را بنفشہ زان تواضع می کند — تامگر در خدمت آزادگان در خور شود

اب اس بہاریہ تشبیب کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

کار دور اکنون شود گردان و در ہر مجلسے — ساقیا را دست مطلق پرے دساغر شود
باغ می گوید کہ من در وجہ ساقی می نہم — ہر زر و سیمی کہ گل را جمع در دفتر شود
غنچۂ نوخیزی خواہد زبستان بر کند — تا بسوئے مجلس شہزادہ کشور شود
شہ نصیر دولت و دین کز نسیم دولتش — بارہ زرین شاہان را بلند افسر شود
رائے او از یک نظر در خانۂ چرخ افگند — ماہ را بینی کہ اندر خانۂ دیگر شود

شہزادہ محمد سلطان کی تمنا — اسی ادب وفن کی فضا میں شہزادہ محمد سلطان کی تمنا اور خواہش ہوئی کہ ملتان ہر قسم کے علوم وفنون کا مرکز ہو جائے، چنانچہ شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صاحب دل بھی تھے، ملتان تشریف لائے تو شہزادہ نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، نذرانے اور ہدیے پیش کیے، اور ان سے بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں، لیکن انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا،[1]

خسرو اور سعدی — اسی طرح شیخ سعدی کی خدمت میں شیراز دو بار قاصد بھیج کر ان سے ملتان آنے کی التجا کی، زاد راہ بھیجا، اور ملتان میں ان کے لیے ایک خانقاہ اور اس کے مصارف کے لیے گاؤں وقف کر دینے کا وعدہ بھی کیا، لیکن شیخ سعدی نے دونوں مرتبہ اپنی پیری کا عذر کیا،

[1] برنی ص ۶۷

اور ہر مرتبہ دست خاص سے اپنی بیاض میں سے کچھ اشعار لکھ کر شہزادہ کو تحفہ بھیجا، فرشتہ کی روایت ہے کہ اس تحفہ کے ساتھ شیخ سعدی نے شہزادہ سے خسرو کی سفارش بھی کی[1]، یعنی اس سے ہندستان کے اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنے کو لکھا، میخانہ کے مولف عبد النبی خان جواہر الاسرار مولفہ شیخ آذری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ سعدی ہندوستان آئے اور امیر خسرو کی صحبت میں رہے، اور ان کی تعریف یہ شعر کہکر کی ہے:

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت　　　شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

ایک اور موقع پر خسرو کے لیے یہ بھی کہا

جلد سخنم دارد شیرازۂ شیرازی

شیخ آذری کی اس روایت کو بعض تذکرہ نویسوں نے غلط بتایا ہے۔ اس لیے مولف میخانہ نے لکھا ہے:

"اما چون تو ان گفت کہ شیخ آذری غلط کردہ است زیرا کہ او یکے از اکابر است واین قسم بزرگان سہو نمی فرمایند ولیکن انچہ بخاطر مؤلف کتاب میخانہ عبد النبی خان فخر الزمانی می رسانیست کہ حضرت مصلح الدین در اول جوانی در ایام سیاحت وقتے کہ خسرو در صغر سن بوخود رابدو رسانده و با او صحبت داشتہ" (ص ۶۳)

لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ شیخ سعدی جوانی ہی میں خسرو سے ملے۔ شیخ سعدی کی ولادت ۵۸۹ھ بتائی جاتی ہے، اور خسرو ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے، یعنی ان کی پیدائش کے وقت سعدی ۶۲ سال کے تھے، تو پھر یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ وہ اپنی جوانی میں خسرو سے آکر ملے، مولانا شبلی شعر العجم جلد دوم (ص ۱۴۲) میں رقمطراز ہیں کہ آذری نے جواہر الاسرار میں لکھا ہے کہ

[1] فرشتہ ج ۱ ص ۶۹

شیخ سعدی شیرازی خسرو سے ملنے کے لیے شیراز سے دہلی آئے، اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہیں اور اور بعض تذکرہ نویسوں نے صراحتہً اس واقعہ سے انکار کیا ہے، تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہوتا ہے کہ آذری کے نزدیک خسرو اس پایہ کے شخص تھے کہ سعدی کا ان سے ملاقات کے لیے سفر کرنا ممکن تھا، میخانہ کے مؤلف نے تذکرہ مخزن اخبار کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں شیخ سعدی اور خسرو کی ملاقات کا ذکر نہیں ہے، البتہ اس میں یہ ضرور ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کے بھیجے ہوئے تحفے اور امیر خسرو کے اشعار شیخ سعدی کے پاس پہنچے تو انھوں نے نقد وجنس تو فقراء ومساکین میں تقسیم کردی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھ کر ان کی تعریف کی۔

"اشعار امیر خسرو را مطالعہ می فرمود وتحسین بسیار نمودہ"۔

**شہزادہ محمد سلطان کی شہادت**

افسوس کہ اس علم دوست، علم پرور اور باکمال شہزادہ کی عمر نے وفا نہ کی، ۶۸۳ھ میں چنگیز خانیوں نے ایتمر خان کی قیادت میں ہندوستان پر حملہ کیا، تو انھوں نے لاہور اور دیبالپور کی غارت گری کرتے ہوئے ملتان کا رخ کیا، شہزادہ محمد سلطان ملتان سے نکلا اور لاہور کے پاس دریا کے کنارے ایتمر خان کا مقابلہ کیا، اور اس کو شکست دی شہزادے کے لشکری مغلوں کے تعاقب میں آگے بڑھ گئے، شہزادہ محمد نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، دریا کے کنارے پانچ سو لشکریوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ یکایک دو ہزار مغل کمین گاہ سے نکل کر شہزادہ پر حملہ آور ہوئے، شہزادے نے نماز سے فارغ ہو کر بڑی دلیری اور جانبازی سے ان کا دیر تک مقابلہ کیا، اور قریب تھا کہ مغل شکست کھا کر فرار ہو جائیں کہ اچانک ایک تیر شاہزادہ کو آکر ایسا لگا کہ اس کے زخم سے جانبر نہ ہو سکا، اور اس کی شہادت ہندوستان کی تاریخ کا ایک بڑا ہی المناک واقعہ ہے، اس کی علم دوستی کا حال یہ تھا کہ اس میدان جنگ میں بھی خسرو اور حسن دہلوی اس کے ہمرکاب تھے، شہزادے کی شہادت کے بعد مغل ان دونوں کو گرفتار

کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ خسرو نے اسی گرفتاری اور اسیری مین اپنے مربی کی شہادت پر دو نہایت ہی درد انگیز اور غمناک مرثیے لکھے، جو "منظوم سحر حلال" کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک مدت تک لوگ گھر گھر ان مرثیون کے اشعار پڑھتے تھے اور اپنے مقتول عزیزوں پر نوحہ کرتے تھے[1]، پہلا مرثیہ سعدی شیرازی کے مرثیۂ بغداد کی بحر رمل مثمن ومقصور میں ہے، اس میں گیارہ بند ہیں، ہر بند مین بارہ اشعار ہین، پہلے بند میں شہزادہ کی شہادت کے جانگداز سانحہ پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے لکھتے ہیں،

| | |
|---|---|
| واقعہ است این یا بلا کز آسمان آمد پدید | آفت ست این یا قیامت کز جہان آمد پدید |
| رخنۂ کامسال در ہندوستان آمد پدید | راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را |

بہت ہی رنج وقلق کے ساتھ کہتے ہین کہ شہزادہ کی موت سے مجلس یاران درہم برہم ہو گئی اور اپنے اضطراب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

| | |
|---|---|
| مجلس یاراں پریشان شد چون برگ گل زباد | برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید |
| ہر مژہ بے دیدن یاران سنانے شد بہ چشم | تیر بالا چون ز نوک ہر سناں آمد پدید |
| دل نہ پیچد چوں ز نامہ رشتۂ صحبت گسست | دُر نہ ریزد چوں خلل در ریسماں آمد پدید |

بڑی حسرت سے اسی مجلس یاران کے دوبارہ اجتماع کی تمنا کرتے ہیں، لیکن پھر یاس بھرے لہجے میں کہتے ہین کہ مجلس کے بچھڑے ہوئے دوست بنات النعش (سات ستارے جو قطب کے ستارون کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں) ہو کر رہ گئے ہیں، پھر یہ بنات النعش پروین واپس میں

---

[1] منتخب التواریخ میں ہے "دو مرثیۂ ترکیب بند کہ در دیوان غرۃ الکمال مسطور است بنظم در دہ در دہلی فرستاد و تا یک ماہ و بیش آن ترکیب بند ہا را مردم می خواندند و برکشتگان خویش خانہ بخانہ نوحہ می کردند" یہ دونوں مرثیے میری نظر سے وسط الحیوٰۃ میں گذرے ہیں،

ملے ہوئے ستارے) کیسے بن سکتی ہے، یعنی اب بچھڑون کا جمع ہونا ممکن نہین۔

من نخواہم جز بہاں جمعیت واین کے شود　　خود خیال ست این بنات النعش پروین کے شود

دوسرے بند مین ملتان سے لاہور تک شہزادہ کی فوج کشی، جان بازی اور شمشیر زنی کا ذکر ہے، جس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ شہزادہ کی پامردی اور جوانمردی کام نہ آئی، اور اس کی ساری تدبیریں تقدیر کے سامنے بیکار ہو کے رہ گئیں،

او درین تدبیر آگہ ز تقدیر فلک　　صفحۂ تدبیر را خطِ مشیت درکشید

تیسرے بند سے آٹھوین بند تک مغلوں سے خونریز لڑائی کا ذکر ہے، کہتے ہیں کہ لڑائی کیا تھی، قیامت تھی،

نے فزع بود آں قیامت را معین دیدہ ام　　گر قیامت را نشان این است بس من دیدہ ام

شہزادہ کی موت سے مسلمانون کی فوج کو جو نقصان پہنچا اس کا ذکر کر کے اپنے کو تسکین دیتے ہین کہ اس کی شہادت کوئی عیب نہیں، نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو دار پر چڑھایا، اسی طرح شہزادہ دین کی خاطر کافرون کے ہاتھ شہید ہوا لیکن اس تسکین و تسلّی کے باوجود خسرو اپنے اندوہ و غم کو ضبط نہیں کر سکے ہیں، شہزادہ کی موت پر ہر طرف جو آہ و بکا ہوئی اس کی تصویر آٹھویں بند میں کھینچتے ہوئے پہلے تو شاعرانہ انداز میں کہتے ہیں کہ اس موت پر آفتاب رویا، ماہتاب رویا، دریا مین مچھلیاں روئیں، ہوا میں پرندے روئے، ستارون کے آنسو شبنم کی صورت میں ہے، پھر ملتان کے لوگوں پر کیا گزری، اسکو بیان کرتے ہین:

خلقِ ملتان مرد و زن گریہ کنان دمو کنان　　کو بکوی و سو بسوی و جا بجا بگریستند

از خروشِ گریہ و بانگِ دہل کس می نخفت　　بسکہ در ہر خانۂ اہلِ عزا بگریستند

ہم بآب چشم خود کردند ترتیب وضو | مغفرت جویان کہ در وقتِ دعا بگریستند
دیدہ خون افشاند بر گل چون گلوے کشتگان | بسکہ ہر کس کشتگانِ خویش را بگریستند

نویں بند میں ایک دوسرے پیرایہ میں شدتِ غم کا اظہار ہے جس کا آخری شعر یہ ہے

موے سر تا چند ازین غم زار و گریان بہ کنم | این تنِ چوں موئے بارے از سر جان ابہ کنم

پھر دسویں بند میں دوستوں کی جدائی کا بڑا ہی درد انگیز ماتم ہے، شہزادہ کی بزم کے دوستوں کو یاد کرکے نوحہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں

حیف باشد مردمان در چشم ما از چشم دور | دیگران را چون توان دیدن بجائے دوستان
دوستان رفتند غیرے را چہ گیرم در کنار | چون کشم بر قامت ہر کس قباے دوستان

آخری بند میں دوستوں اور شہزادہ کے لیے دعا کرتے ہیں جس کا پہلا شعر یہ ہے

یارب از خورشید رحمت نور در جان بادشان | جان ز فیض نور چون خورشید تابان بادشان

آخر میں برسم تعزیت سلطان بلبن کو تسکین دیتے ہیں، اور اس کے بقیہ دونوں شہزادوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں،

چون محمد رفت شہ را عاقبت محمود باد | کیقبادش اسعد و کیخسروش مسعود باد

یہ مرثیہ شروع سے آخر تک کچھ ایسا درد انگیز اور المناک ہے کہ اس کو پڑھ کر آج بھی اس ہر دل عزیز شہزادہ کی موت کا غم تازہ ہو جاتا ہے، دوسرے مرثیہ کا مطلع یہ ہے:

اے دل بغم نشین کہ ز شادی نشان نماند | اے دیدہ خون گری کہ طرب در جہان نماند

اس مرثیہ کا بھی ہر شعر غم والم سے بھرا ہوا ہے، خسرو مغلوں کی قید سے چھوٹ کر دہلی آئے تو شہزادے کی موت پر جو مراثی لکھے تھے، غیاث الدین بلبن کے دربار میں جا کر پڑھے، دربار میں کہرام مچ گیا، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا، سلطان بلبن اس قدر رویا کہ اس کو

بخار آگیا[1]، وہ شہزادہ کی شہادت کے بعد لب گور ہوتا چلا گیا، برنی کا بیان ہے کہ شہزادہ کی موت کے بعد وہ ملکی مصالح کی بنا پر دربار میں تو پورے وقار و تمکنت کے ساتھ آتا لیکن رات کو اپنے محبوب فرزند کی یاد میں زار و قطار روتا، کپڑے پھاڑ لیتا، اور سر پر خاک ڈال لیتا[2] یہاں تک کہ اسی غم میں ایک روز عالم جاودانی کو سدھارا،

مرثیۂ حسن سجزی

خسرو نے اپنے مذکورۂ بالا مراثی میں اندوہ و غم، کرب و الم اور سوز و گداز کی جو مصوری کی ہے، اس سے زیادہ موثر اور دردانگیز مرقع کھینچنا ممکن نہ تھا، اسی لیے شہزادہ کے دوسرے ہم جلیس اور اس کے عہد کے دوسرے بے مثل اور قادر الکلام شاعر حسن سجزی نے اس دردناک حادثہ کا مرثیہ نظم کے بجائے نثر میں لکھا، جو خسرو کے مراثی ہی کی طرح بہت مقبول ہوا، بڑا طویل مرثیہ ہے لیکن ہر زمانہ میں ذوق و شوق سے پڑھا گیا، حتیٰ کہ تیموری دور کے مورخوں میں نظام الدین بخشی مؤلف طبقات اکبری اور ملا عبد القادر بدایونی مؤلف منتخب التواریخ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس طویل مرثیہ کو نقل کرکے گویا اس کی داد دی ہے، اس کے کچھ ٹکڑے ہم ناظرین کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں، تاکہ شہزادہ کی موت پر حسن سجزی کے جذبات میں جو تلاطم پیدا ہوا اس کا اندازہ ہو، اور ان کی نثر نگاری کا نمونہ بھی سامنے آجائے، گو یہ اسلوب بیان انھوں نے اپنی مشہور و معروف تالیف فوائد الفواد میں اختیار نہیں کیا،

اس مرثیہ میں ایک فاضلانہ تمہید کے بعد میدان جنگ کا نقشہ ہے، پھر شہزادہ کی نبرد آزمائی کا ذکر کرکے اس کی ناگہانی شہادت کی تصویر کھینچتے ہیں کہ یکایک ایک تیر قضا شہزادہ کو آکر لگا اور اس کے زخم سے اس کی روح اس کے قالب سے نکل کر روضۂ رضوان کی طرف منتقل ہوگئی اور معلوم ہوا کہ اسی وقت دین محمدی کی پشت غمزدہ یتیموں کے دل کی طرح ٹوٹ گئی اور ملت محمدیہ کی دیواریں گھر بربادوں کی طرح پست ہوگئی، ملک کی قوت کھو گئی، اسلام کا سہارا جاتا رہا،

[1] شعر العجم ج ۲ ص ۱۵۰، [2] برنی ص ۱۱۰،

"ہم درعین این عنا واثنائے این آشوب وبلا ناگاہ تیرے از شست قضا بہ بال
آں شہباز فضائے غزا رسید ومرغ روح از قفس قالب آنحضرت بجانب گلشن روضۂ
رضوان نقل کرد، انا للہ وانا الیہ راجعون، ہمان زمان پشت دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
چون دل یتیمان زار بشکست وسہ ملت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم چوں گور غریباں پست
بیفتاد واعتقادی کہ بازوی ملک را بود از دست بہ شد واعتمادے کہ بیضۂ اسلام
داشت از جائے برفت"

غروب آفتاب کے وقت شہزادہ کی روح عالم بالا میں پرواز ہوئی، آسمان سوگوار ہوکر نیلگوں ہوگیا، سیارے اشکبار ہوگئے، زحل نے اہل ہند کی تعزیت میں سیاہ لباس پہن لیا، مشتری نے شہزادہ کے خون آلود کپڑے دیکھ کر اپنا لباس چاک کرلیا، مریخ رنج اور تاسف میں اس طرح تڑپنے لگا جیسے حوت (مچھلی) آفتاب کے سامنے اور حمل (بھیڑ) قصاب کے سامنے تڑپتی ہو، آفتاب اس شرم سے کہ اس حادثہ کو ہونے سے کیوں نہ روک دیا، زمین میں ڈوب گیا، زہرہ نے یہ دیکھکر کہ اجرام فلکی کس مصیبت میں آگئے ہیں، طنبورہ کو زور سے اور دف کو دوسرے دھن میں بجانا شروع کیا، اور نیا راگ الاپنے لگی، اور شہزادہ کی وفات پر رونے لگی عطارد نے جو لڑائی اور فتح کا حال لکھا کرتا ہے، دوات کی سیاہی سے اپنا منہ سیاہ کرلیا اور غم میں کاغذ سے اپنے کو لپیٹ لیا، ہلال بھی افق میں سر پیٹ کر سوگوار بنا ہوا تھا، اب فارسی عبارت ملاحظہ ہو

راست وقت غروب آفتاب عمر آن شاہ کہ آفتابش زرد شدہ بود بمغرب فنا فرو
رفت، وگردون برشعار سوگواران جامہ در نیل زد واشک سیارہ بر اطراف رخسارہ
روان گردیدن گرفت، زحل بر وقت قضائے وفاء شرط عزا کسوت سیاہ گردانید و، ز

مرگ او بر اہل ہندوستان نوحہ می کرد، ومشتری بر دریغ آن اندام گرد اندود قبائے خون آلود وراعہ چاک می کرد، ودستار بر خاک می زد ومریخ کہ دست قوت او چون چشم ترکان وردی معیشت او چون جعد زنگیان تنگ وتاریک ہا واز تاسف آن خار خار کہ در دل خون انگیخت چون حوت در پیش آفتاب وچون حمل در قبضۂ قصاب می طپید، وآفتاب از شرم آنکہ چرا در دفع این حادثہ وقمع این واقعہ نکوشید بر نیامد و درنہ مین فرو شد. وزہرہ چون دید کہ اجرام از چنگ ایام چہ زحمت یافتند زاد نی الطنبور نغمہ دف را ورق بگردانید وسماع در پردۂ دیگر آغاز کرد وبرفات آن شاہ بندہ نواز خود بجائے ساز نالیدن گرفت، وعطارد کہ در غزوات وفتوحات بہ موافقت کاتب فتحنامہا در قلم می آورد وران نظم از سواد دوات خود روی سیاہ می کرد واز اوراق دفتر خویش پیراہن کاغذین می دوخت وما حالے در صورت ہلالے با قامت منحنی ودان قیامت زمین سر بر دیوار ودر افق می زد۔"

اس کے بعد شہزادہ کے ایصال ثواب کے لیے دعائیں ہیں،

خسرو اور حسن سجزی کے مراثی کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر شہزادہ سلطان محمد کی زندگی دفا کرتی تو ہندوستان کی علمی تاریخ کا رخ کچھ اور ہی ہوتا، شہزادگی ہی کے زمانہ مین تو اس کا دربار علم وفن کا گہوارہ بن چکا تھا، جب وہ تخت نشین ہوتا تو معلوم نہیں شعراء وفضلاء کی سرپرستی کس کس طرح کرتا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین کہ

"مین نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا، اور بلبنی تخت پر متمکن ہوتا، اور ہم اور تمام ارباب ہنر روپیوں مین غرق ہو جاتے، لیکن ارباب فضل وکمال کی قسمت کھوٹی تھی، زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں

دیکھا، اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت واستطاعت دیکھ سکتا ہے، غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان، ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا۔" (ص ۶۸-۶۹)

شہزادہ بغراخان | بلبن کے دوسرے لڑکے ناصر الدین محمود المعروف بہ بغرا خان کی بھی تعلیم و تربیت شہزادہ محمد سلطان ہی کی طرح ہوئی، اس نے بھی خطاطی، زبان اور تاریخ کی تعلیم خاص طور پر پائی، لکھنوتی سے اودھ آکر اس نے اپنے لڑکے کیقباد کو آداب السلاطین کے حوالے سے جو رموز حکمرانی بتائے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے آداب السلاطین کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا۔[1] مگر شہزادہ محمد سلطان اور اس کے طبائع میں فرق تھا، اس لیے محمد سلطان کو جو محبوبیت حاصل ہوئی وہ اس کو حاصل نہ ہوئی لیکن وہ بھی علم دوست، ہنر پرور اور خصوصاً ماہرین فنون لطیفہ اور ارباب نشاط کا دلدادہ رہا، فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دربار رقصہ گویوں، سازندوں، گویوں، اور ظریفوں سے بھرا رہتا تھا۔[2] لیکن امیر خسرو کے دیباچۂ غرۃ الکمال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہزادہ بھی شعر و شاعری سے ذوق رکھتا تھا، اور شعراء کو اپنی زرپاشیوں سے سیراب کرتا رہتا تھا، ایک بار سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے اور اس کے دربار کے ممتاز زرین خان کشلی خان کی قیام گاہ پر شعراء کا اجتماع ہوا، اس میں بغرا خان بھی شریک تھا، شعراء نے اپنے اپنے کلام کشلی خان اور بغرا خان دونوں کو مخاطب کرکے سنائے، شعراء میں شمس دبیر، قاضی اثیر کے علاوہ خسرو بھی تھے، خسرو کی زمزمہ سنجی سے بغرا خان اتنا متاثر ہوا کہ صلہ کے طور پر ان کو ایک لگن بھر کر روپیے دیے، یہ بات کشلی خان کو ناگوار ہوئی، خسرو اسی کے دربار سے وابستہ تھے، اس کی ناگواری کے بوجہ اس کے دربار سے علیحدہ ہو کر بغرا خان کے یہاں سامانہ

[1] برنی ص ۱۴۲، [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۸۵،

چلے گئے، جس نے ان کو ندیم خاص بنا کر بڑی قدر و عزت کی، وہ خود لکھتے ہیں:

"بندہ بندیمی خاص مخصوص گشتم، و بر قاعدہ خدمت قیام نمودم، روز بروز کار براوج می شد۔" (دیباچہ عزۃ الکمال)

خسرو نے اس قدر شناسی سے متاثر ہو کر اس کی شان میں کئی قصیدے کہے جن میں ایک کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

چون بخت روشن من سر بہ آسمان آورد　　مرا بہ حضرت شہزادۂ جہان آورد
خدائگان سلاطین عصر نصرت دین　　کہ بخت بر در او سر بہ آستان آورد
بلند مرتبہ محمود شاہ بن سلطان　　کہ عزم او کرۂ چرخ زیر ران آورد
عنان باو بہ یک بارگی برفت از دست　　ازان کمیت کہ با دبا دہم عنان آورد
برای ضبط جہان آفتاب تیغت را　　قضا زمادر ایام تو امان آورد
حدیث چشمۂ خورشید بر فلک می رفت　　فلک حکایت آن تیغ در میان آورد
نسیم بزم تو چون بزم بوستان بگرفت　　بہ پردہ داری گل را بہ بوستان آورد
بہ تیغ سایۂ گل راہی برد سوسن　　کہ او بہ مجلس تو یاد گلستان آورد
حدیث جود تو باران بگوش ماہی گفت　　صدف زگفت تو آتش آب در دہان آورد
بیاد بزم تو دل غنچہ گشت نرگس را　　زباد لرزہ چو در شخص ناتوان آورد
چو بخت دید کہ دستم کسے نمی گیرد　　گرفت دست من و بر خدائگان آورد

۶۷۸ھ میں بغرا خان اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی کی مہم پر گیا، تو اس کے درباری شعراء شمس دبیر اور قاضی اثیر کے علاوہ خسرو اور حسن سجزی بھی اس کے ہم رکاب تھے، لکھنوتی پہنچکر خسرو کو دہلی کی یاد زیادہ ستانے لگی، مولانا شمس دبیر کی خواہش تھی کہ خسرو ان کے آقا کی مجلس ہی کو

پر رونق بنائے رکھیں، لیکن امیر خسرو نے بنگال کے معاوضہ میں دہلی دینا پسند نہیں کیا، اسلیے وہ دہلی واپس آگئے،

جن شعراء نے بغرا خان کی مناومت آخر وقت تک کی، ان میں دو کے نام نمایاں ہیں، مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر،

شمس دبیر | مولانا شمس دبیر کا پورا نام شمس الدین تھا، دہلی کے ملوک، سلاطین کے دربار سے وابستہ ہوئے، تو دبیر (سکریٹری) کے فرائض انجام دیتے رہے، اس لیے ان کے نام کا جزء دبیر ہوگیا، تذکرون، تاریخون اور خواجگان چشت کے ملفوظات مین ان کا ذکر عام طور سے شمس دبیر ہی کے نام سے ہے، سنام وطن تھا، تاریخ فرشتہ مین ہے،

"شمس الدین نام شاعرے کہ ساکن قصبہ سنام بود ......" (جلد دوم ص ۳۸۹)

خواجہ امیر حسن سجزی مرتب فوائد الفواد نے ان کو اپنا قریبی عزیز اور ہم قوم بتایا ہی، خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی مجلس مین ایک بار مولانا شمس دبیر کا ذکر فرمایا تو امیر حسن سجزی نے کہا

"بندہ را باد نسبت قرابتے ہست ...... خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ ہم قوم بود، بندہ گفت آرے"[1]

مولانا شمس دبیر کی ابتدائی تعلیم کا حال تو معلوم نہین ہوسکا لیکن ان کی علمی استعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے علوم کی تعلیم پائی تھی، مولانا عبد الحیٔ نے ان کا شمار علماء مین بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ممتاز علماء اور شعراء مین تھے،[2]

شمس دبیر اور بابا گنج شکر | فوائد الفوائد کی ایک روایت سے اتنا معلوم ہوسکا کہ انھوں نے علم سلوک پر قاضی حمید الدین ناگوری کی کتاب لوائح بابا فرید الدین گنج شکر سے پڑھی تھی،[3] اس لحاظ سے بابا صاحب

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۸ و ۱۶۲ [2] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۵ [3] فوائد الفود ص ۲۰ و سیر العارفین اردو ترجمہ ج ا ص ۸۹، ۸۸، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۸۹

ان کے استاد تھے، اور غالباً ان سے بیعت بھی کی تھی[1]، کیونکہ باباصاحب کے مجموعۂ ملفوظات راحت القلوب[2] میں ان کی مجلس کے شرکا میں ان کا بھی کئی بار ذکر آیا ہے، ۲۷ رشعبان ۶۵۵ھ میں ان الفاظ میں ذکر ہے،

"شیخ بدر الدین غزنوی نے عرض کی کہ اہل سماع کی بیہوشی کہاں سے آئی، شیخ الاسلام نے فرمایا، اس روز سے کہ جب انھوں نے "الست بربکم" کی ندا سنی اور بیہوش ہو گئے، وہ بیہوشی ابتک ان میں سرایت کی ہوئی ہے، اس لیے جب بھی یہ سماع سنتے ہیں بیہوشی ان میں اثر کرتی ہے، اور وہ بیہوش ہو جاتے ہیں، اس وقت شمس دبیر نے زمین کی طرف رخ کرکے کہا اس روز جب کہ الست بربکم کی ندا آئی تو کیا سب روحیں ایک تھیں، فرمایا "ہاں"۔

۲۵ رشوال ۶۵۵ھ کی مجلس میں ان کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ ایک موقع پر انھوں نے بابا فرید الدین گنج شکر کی شان میں ایک طویل قصیدہ کہا، اور ان کی اجازت سے ان کو سنانا شروع کیا، باباصاحب اس قصیدہ کو سنتے جاتے اور جابجا ان کی اصلاح فرماتے جاتے، مولانا شمس الدین دبیر اس سے خوش ہوئے، اس کے بعد باباصاحب نے فرمایا کہ کیا صلہ چاہتے ہو، شمس دبیر نے کہا کہ ایک بوڑھی ماں کی خبرگیری کرتا ہوں، لیکن تنگیٔ معاش سے پریشان ہوں، باباصاحب نے فرمایا جاؤ شکرانہ لے آؤ، مولانا شمس دبیر نے پچاس جیتل (یا جیتل) لاکر پیش کیے، باباصاحب نے اپنے دست مبارک سے اسی وقت مجلس کے حاضرین میں تمام جیتل تقسیم کر دیے، جن میں چار حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بھی ملے، پھر باباصاحب نے فاتحہ پڑھی، اسی کے بعد شمس دبیر کی مالی پریشانی جاتی رہی، یہ روایت فوائد الفواد (ص ۱۲۸ - ۱۲۷) سیر العارفین (اردو ترجمہ ۸۹) اور تاریخ فرشتہ (ج ۲ ص ۳۸۹) میں بھی ہے، لیکن راحت القلوب میں ہے کہ باباصاحب کی دعاؤں کے چند روز بعد مولانا شمس دبیر

---

[1] نزہتہ الخواطر میں ان کے بارہ میں ہے و اخذ الطریقۃ عن الشیخ فرید الدین مسعود الاجودھنی [2] راحت القلوب ص ۳۱

سلطان غیاث الدین کے دبیر ہو گئے، فوائد الفواد اور سیر العارفین میں ہے کہ غیاث الدین کے لڑکے کے دبیر ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ شمس الدین التتمش کے لڑکے کے وزیر ہوئے،

**شمس دبیر اور بغرا خان** ملا عبد القادر بدایونی نے ان کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں کیا ہے اور ان کو عہد ناصری کا ملک الکلام بتایا ہے[1] اور ان کا ایک قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ملا صاحب کے خیال کے مطابق سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا تھا، گو آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

"سلطان غیاث الدین بلبن در آخر حال او را منشی مملکت بنگالہ کا مرد و ساختہ در ملازمت پسر بزرگ خویش نصیر الدین بغرا گذاشتہ بود" (ج اص ۹۴)

لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے شمس دبیر کے متعلق جتنی باتیں لکھی ہیں، ان میں زیادہ تر تسامحات ہیں، مثلاً اوپر کے اقتباس میں بلبن کے بڑے لڑکے کا نام نصیر الدین بغرا بتایا گیا ہے، جو صحیح نہیں، اس کا نام محمد سلطان تھا، البتہ اس کے چھوٹے لڑکے کا نام ناصر الدین (نصیر الدین نہیں) محمود بغرا خان تھا، جو لکھنوتی کا ایک آزاد حکمران تھا، اور اسی کے مناو مدت میں مولانا شمس دبیر برابر رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، ملا عبد القادر بدایونی کو دہلی کے سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن کے لڑکے ناصر الدین محمود (والی لکھنوتی) کا دھوکا ہوا، اسی لیے انھوں نے شمس دبیر کو عہد ناصری کا شاعر بتایا ہے، اور جو قصیدہ لکھنوتی کے والی ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا ہے، وہ دہلی کے سلطان ناصر الدین کی طرف منسوب کر دیا، اور شاید ان ہی کے بیان کو سامنے رکھکر فرشتہ نے

---

[1] ملا عبد القادر کی عبارت یہ ہے کہ

"از جمعے کہ در عہد ناصری کوس نواختہ بمرتبۂ ملک العلامی رسیدہ بودند شمس الدین دبیر است"

منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم نے ملک العلامی کے بجائے ملک الکلام لکھا ہے، اور اس کا ترجمہ Lord of Eloquence کیا ہے۔ (انگریزی ترجمہ جلد اول ص ۲۳۱)

لکھ دیا ہے کہ

"زودی شمس الدین وزیر پسر شمس الدین التمش شدہ (ج ۲ ص ۹۰)

تذکرہ نویسوں میں مظفر حسن اور مولانا عبدالحئی نے بھی غالباً ملا عبدالقادر ہی کے بیان پر بھروسہ کیا ہے، مظفر حسن نے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اپنے تذکرہ روز روشن میں لکھا ہے،

"شمس الدین دبیر بتوجہ ناصر الدین غازی منشی ممالک گردید"

نزہتہ الخواطر میں بھی ہے:

"وہ سلطان ناصر الدین محمود بن التمش کے عہد میں دیوان انشا کے متولی تھے، اور اسی کے شان میں بڑے پرزور قصائد کہے"

لیکن درحقیقت شمس دبیر جیسا کہ فوائد الفواد میں ہے، حضرت بابا گنج شکر کی دعاؤں کی بدولت سلطان غیاث الدین کے لڑکے یعنی ناصر الدین محمود بغرا خان کے دبیر ہوئے، اس کی تصدیق امیر خسرو کے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ سے بھی ہوتی ہے، اس دیباچہ میں وہ مولانا شمس کے نام کے ساتھ برابر دبیر لکھتے ہیں، اور ان کو شہزادہ بغرا خان کے ندیم ہی کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"روزے شہزادہ خورد بغرا خان بزرگی فرمود و در خانۂ خان معظم کشلو خان کہ ابن عم او بود مہمان آمد، بدان سبب کہ از عشرت ایشان مدام دور بسلطان می رسید از حرفاء خلوتے چند برابر دارند تا شمس الدین دبیر و قاضی اثیر برابر اثر دران قرآن السعدین واجتماع نیرین ......"

بلبن کے ابتدائی دور میں مولانا شمس الدین اور زیادہ معزز اور مقتدر امیر ہو گئے، جیسا کہ امیر خسرو کے اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے اپنی صغر سنی میں اس وقت لکھا جب وہ دربار کے مختلف امراء کی مدح میں قصائد لکھ کر اپنے شاعرانہ کمال کا سکہ جمانے اور دربار میں رسوخ

حاصل کرنے کی بھی پوری کوشش کر رہے تھے، چند اشعار یہ ہیں:

وہند زردل و دیدہ نرگس و سمنش | کند چو باد صبا وصفِ غنچۂ دہنش
بکوہ لالہ گرفتیست سنگ تر دامن | کہ تا بسینہ زند پیش سیمگون سمنش
چرا بہ بحر معلق شدہ ست چون ہاروت | اگر نہ خندہ کند رہ نمائی سمنش
سپہر عز و علا شمس دین و دول کہ گشت | میان سنبلہ فضلی بسر وداہ حسنش
بچرخ آئینہ وش عکس رائے روشن او ست | کہ کردہ اند خطاب آفتاب تیغ زنش
چو نوک خامۂ او در رہِ خطا برود | چرا ز پیش او باز نافہ ختنش؟

اور جب بغرا خان دہلی سے سامانہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، تو مولانا شمس بھی اس کی معیت میں گئے، سامانہ میں ان کی حیثیت اور بھی زیادہ ممتاز ہو گئی، چنانچہ امیر خسرو سامانہ بغرا خان کے یہان پہنچے، تو وہان کے قیام کے زمانہ مین مولانا شمس دبیر کی شان مین بھی قصائد کہے، ان مین سے ایک قصیدہ کے بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہین،[1]

ناگہش مست ز گلزار برون آوردند | وزتہ مقنعۂ رخسار برون آوردند
باز کردند گریبانش کہ گرہ مازدہ بود | سینہ چو گل و گلنار برون آوردند
بلبلان ریختنی کعفِ پاش از دل گل | اے بسا زر کہ بمنقار برون آوردند
گل کہ در خاک بغلطید ز رشک اندامش | پارہ پارہ شدہ از خار برون آوردند
چون غم سوختہ گشتند روان آب حیات | از خط صدر جہاندار برون آوردند
شمس دین مردمک چشم خرد کز دل او | فضل را قیمت و مقدار برون آوردند
از پے کشتن دشمن دو زبانِ قلمش | گوئی خود از دہن مار برون آوردند

[1] یہ قصیدہ کے منتخب اشعار ہیں پورا قصیدہ نقل نہیں کیا گیا ہے،

در پناہِ قلمش جان بر داز تیر خدنگ | شرزہ شیرے کہ زنے زار بروں آوردند
اے دبیرے کہ بہ پروانۂ نوک قلمت | تیغ خورشید ز زنگار بروں آوردند
زاں ولایت کہ در آں خامۂ تو تیرہ بزد | عَلَم فتنہ نگوں سار بروں آوردند
گرہ کلک ترا اہل سخن بکشادند | زاں ہمہ لولوے شہوار بروں آوردند
نافۂ مشک ز خلق تو بکہسار رخ زید | مو گرفتند ز کہسار بروں آوردند

اجودھن کی حاضری | مگر اس دنیاوی اعزاز کے باوجود مولانا شمس دبیر نے بابا گنج شکرؒ کے یہاں کی حاضری نہیں چھوڑی، کبھی کبھی اجودھن میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کا بھی ساتھ ہو جاتا تھا، چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں:

"میں شمس دبیر شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمہ ایک ہی وقت شیخ کے یہاں سے واپس ہوئے چند منزل ہم لوگ ساتھ رہے، پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے دو راستے ہو جاتے تھے، انھوں نے (یعنی شمس دبیر نے) سام کی راہ لی، اور ہم لوگ سرستی کی جانب روانہ ہوئے جب ہم لوگ ان سے رخصت ہوئے تو شیخ جمال الدین نے شمس کی طرف منہ کر کے یہ مصرع پڑھا، ع

اے یار قدیم راست آمی روی

اس وقت اس مصرع نے عجیب کیفیت پیدا کر دی[1]"

سیر الاولیاء میں بھی ایک روایت ہے جو معلوم نہیں مذکورۂ بالا روایت ہی کو تصرف کر کے لکھی گئی ہے، یا کوئی علحدہ روایت ہے، بہر حال یہ بھی پڑھنے کے لائق ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا۔

"شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ شمس الدین دبیر اور دوسرے یاروں اور

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۸

عزیزوں کو ایک ساتھ (شیخ کے یہاں سے) مراجعت کا اتفاق ہوا، شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے وداع کے وقت شیخ جمال الدین نے کچھ وصیت کرنے کو کہا، اہل ارادت کے آداب مین یہ ہے کہ سفر پہ روانہ اور شیخ سے جدا ہوتے وقت وہ وصیت چاہتے ہیں، اگر شیخ درخواست کرنے سے پہلے ہی وصیت کر دے تو بہت اچھا ہوتا ہے، ورنہ مرید اس کے لیے درخواست کرتے ہیں، شیخ شیوخ العالم نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا، میری وصیت یہ ہے کہ سفر میں ان کو (یعنی میری طرف اشارہ کیا) خوش رکھو۔

ع مقصود توئی دگر بہانہ است

شیخ جمال الدین اس حکم کے مطابق بڑے لطف سے پیش آئے، خواجہ شمس الدین دبیر بھی جو معدنِ لطافت اور کانِ ظرافت تھے بڑی تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے رہے۔۔۔۔۔" (ص ۱۷۹)

حضرت بابا گنج شکرؒ کے وصال کے موقع پر (۶۶۴ھ مین) مولانا شمس دبیر و پیر و مرشد کے پاس ہی تھے، وفات سے کچھ روز پہلے انھون نے نظامی کی مندرجۂ ذیل مثنوی سنائی:-

جہان چیست بگذر ز نیرنگ او — رہائی بجنگ آر از چنگ او
مقیمے نہ بینی درین باغ کس — تماشا کند ہر یکے یک نفس
درین چار سو، ہیچ بیگانہ نیست — کہ کیسہ بر مرد خود کامہ نیست
در دہر دمے نو برے می رسد — یکے می رود دیگرے می رسد
جہان گرچہ آرامگاہے خوش است — شتابندہ را نعل در آتش است
دو در دارد این باغ آراستہ — در و بند این ہر دو برخاستہ
در آ از در باغ بنگر تمام — ز دیگر در باغ بیرون خرام
اگر زیرکی با گلے خو بگیر — کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر

درین دم کہ داری بہ شادی بسیچ | کہ آیندہ در زیر پیچیت و بہ پیچ
یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز | دگر را زہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک باش یاران شدند | تو ماندی بہ غم غمگساران شدند

بابا گنج شکر نے یہ مثنوی سنی تو متاثر ہوکر بیہوش ہوگئے، اور جب ہوش آیا تو مولانا شمس دبیر کو اپنی بارانی عطا فرمائی،[۱]

حضرت نظام الدین اولیاءؒ، مولانا شمس کے حسن طبع اور اخلاق کے مداح تھے، مگر ان کو ان سے ایک ہلکی سی شکایت یہ تھی کہ انھون نے دنیاوی اعزاز بابا گنج شکر ہی کی دعاؤن کے ذریعہ حاصل کیے، مگر بابا صاحب کے وصال کے بعد ان کے خاندان والون کے ساتھ انھون نے کوئی حسن سلوک نہین کیا، حضرت نظام الدین اولیاء کے الفاظ یہ ہین:

"اما در آنچہ روزگار او بساخت، اگرچہ خدمت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نقل فرمودہ بود در حق فرزندان او اہل بیت شیخ چندان توفیق خدمت نیافت یا ندانست یا کسے او را نگفت"[۲]

لکھنوتی مین قیام | طغرل کی بغاوت اور سرکشی فرو کرنے کے لیے ۶۷۸ھ مین جب سلطان غیاث الدین لکھنوتی کی مہم پر جانے لگا تو اس نے سامانہ سے بغرا خان کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا، بغرا خان اپنے خلوت و جلوت کے تمام ہمراہیون کی معیت مین باپ کے ساتھ روانہ ہوا، مولانا شمس دبیر اور خسرو بھی اس کے جلو مین تھے، فوائد الفواد مین امیر حسن سجزی خود روایت کرتے ہین کہ اس سفر مین مولانا شمس دبیر کے ہمراہ وہ بھی تھے۔

"در آنکہ سلطان غیاث الدین بہ لکھنوتی رفت در ان لشکر بندہ داد (یعنی مولانا شمس دبیر)

---

[۱] راحت القلوب ص ۶۸ [۲،۳] فوائد الفواد ص ۱۲۸ یہ ملفوظ ۷۱۴ھ کا ہے۔

ہم در اثنائے راہ چہ در کشتی و چہ در خشکی یکے می شدیم"۔ (ص ۱۲۸)

سلطان غیاث الدین طغرل کی بغاوت فرو کر کے لکھنوتی سے دہلی واپس آنے لگا تو بغرا خان کو لکھنوتی کی اقلیم عطا کی، اور اس کے ساتھ چتر، دورباش اور دوسرے لوازم شاہی بھی دیے، اور نصیحتیں بھی کیں، جن کو مولانا شمس الدین ہی نے قلمبند کیا، ضیاء الدین برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان بلبن کے دو دبیر تھے، عمدۃ الملک خواجہ علا اور ملک قوام الدین۔ موخر الذکر لکھنوتی کی مہم میں ساتھ تھا، اور اسی نے لکھنوتی سے فتحنامہ لکھکر دہلی بھیجا تھا[1]، مولانا ضیاء الدین برنی اس مہم میں مولانا شمس الدین کا بغرا خان کے دبیر کی حیثیت سے تعارف کراتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ سلطان بلبن نے بغرا کو نصیحت کرتے وقت اپنی خلوت میں پہلے تجربہ کار بوڑھے امراء کو بلایا، پھر بغرا خان سے کہا کہ اپنے دبیر شمس کو دوات، قلم اور کاغذ میرے پاس لانے کو کہو، تاکہ میں تمہارے لیے ان سے کچھ نصیحتیں لکھوا دوں، بغرا خان نے شمس دبیر کو سلطان کے سامنے پیش کیا، سلطان نے بغرا خان اور شمس دبیر دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا، اس کے بعد سیاست وحکمرانی کے اصول ورموز سے متعلق جو قیمتی نصیحتیں کیں، ان کو مولانا شمس الدین لکھتے رہے، یہ نصیحتیں تاریخ فیروز شاہی کے ۱۲ صفحوں (۱۰۶ - ۹۵) میں درج ہیں،

**شمس دبیر اور خسرو** جب سلطان غیاث الدین بلبن لکھنوتی سے رخصت ہوا، تو خسرو بھی اس کے ساتھ ہو گئے، مولانا شمس دبیر کو یہ گوارا نہ تھا کہ خسرو جیسے دوست اور شاعر کی صحبت سے محروم ہو جائیں، اور اپنے آقا بغرا خان کی منادمت کے لیے بھی ان کو پسند کرتے تھے، لیکن خسرو کو بنگال جیسی جگہ پسند نہ تھی، اور ان کو اپنے عزیزوں کی جدائی بھی شاق تھی، اس لیے مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر کے اصرار کے باوجود سلطان بلبن کے ساتھ دہلی واپس ہو گئے، وہ خود غرۃ الکمال کے دیباچہ

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۹۱،

مین رقمطراز ہیں:

"ملک شمس الدین دبیر و قاضی اثیر خواستند کہ بہ لباسائم دامن گیری کنند، اما فراق عزیزانم گریبان گیر بود وضرورت یوسف وار از زندان چاہ زندان سوے مصر جامع روان گشتم در سایۂ علم ظل الٰہی در شہر پیوستم"۔

سلطان بلبن کی وفات کے بعد بغرا خان لکھنوتی مین بنگالہ کا حکمران بن بیٹھا، اور اس کے لڑکے کیقباد نے دہلی کے تخت پر اپنا قبضہ جمایا اور اس طرح باپ بیٹے کی دو متوازی حکومتین قائم ہوگئیں، لیکن کیقباد بہت جلد اپنے درباریون کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بن گیا، اور سلطنت دہلی کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی، بغرا خان نے پہلے تو بیٹے کو نصیحت آمیز خطوط لکھ کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو خود فوج لے کر بہار کی سرحدون تک بڑھ آیا، امرائے دہلی بھی پوری جنگی تیاری کے ساتھ کیقباد کو اودھ لے آئے، اور گھاگرا اور سرو (شاید سرجو مراد ہو) کے درمیان باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی، بغرا خان کی معیت مین شمس دبیر بھی تھے، اور باپ بیٹے کی اس ملاقات کے مراحل طے کرانے مین پیش پیش رہے، خسرو نے اس تاریخی ملاقات کو اپنی مشہور و معروف مثنوی قرآن السعدین مین نظم کیا ہے، اس مین مولانا شمس دبیر کا ذکر اس طرح کیا ہے:

جست رسولے کہ گذارد پیام ۔۔۔ ہرچہ بگوئید بگوید تمام
گر سخن از صلح بود یا نبرد ۔۔۔ کم نکند ہیچ ز نیروے مرد
دید کہ کس نیست ز برنا و پیر ۔۔۔ در خور این کار چو شمس دبیر[1]

اس موقع پر خسرو کی بھی ملاقات مولانا شمس دبیر سے ہوئی، اور ایک دوسرے سے بڑے والہانہ انداز سے ملے، امیر خسرو اپنے بچھڑے ہوئے مربی اور سرپرست کو دیکھ کر رونے لگے،

---

[1] قرآن السعدین ص ۱۰۲-۱۰۱ علی گڈھ اڈیشن

ایک رقعہ مین رقمطراز ہین:

"ناگاہ ذات منور شمس الدین دبیر نور اللہ الیٰ یوم الدین چون آفتاب قیامت بر سر اینا ذرہ آمد طلعت الشمس کشمس الطلعۃ از گرمی آن مہر بر خود بسوختم و خونم از حرارت درونی برونی جوشید از غایت احتراق طاقت آن نداشتم کہ سوئے او توانم دید معہذا چشم بجانبش تیز کردم آب چشم من بگذشت۔"

آب در چشم بگردد چو ببینی خورشید      خاصہ خورشید کش خانہ بود اندر چشم

مولانا شمس کے نام کی رعایت سے آفتاب، طلعت الشمس کشمس الطلعۃ، مہر، خورشید وغیرہ کے الفاظ بار بار لائے ہین، ان کی صحبت مین امیر خسرو تین دن تک رہے، قاضی اثیر بھی مولانا شمس کے ساتھ تھے، اس صحبت کا ذکر امیر خسرو مذکورۂ بالا رقعہ مین بڑے لطف و لذت سے کرتے ہین اور جب مولانا شمس رخصت ہونے لگے تو انھون نے امیر خسرو کو اپنا ایک دیوان عطا کیا، چنانچہ امیر خسرو لکھتے ہیں:

"بعد از سلطان بسیار بندہ را وداع کرد و آیت العود خیر بخواند و دیوان خاص کہ نظمش از نثرہ و شعرے سخن می گوید یادگار بکاتب سپرد و خود و بمقر دولت خرامید۔"

خسرو ان سے بڑے کرب و بے چینی سے جدا ہوئے، چنانچہ لکھتے ہین:-

"و نادیدن آن عزیز را بر نقد بر خدائے علیم حوالہ کرد۔"

مولانا شمس دبیر اپنے آقا بغرا کے ساتھ ۶۸۶ھ مین لکھنوتی واپس گئے، اور غالباً وہین

لہ اعجاز خسروی رسالہ خامسہ کے ص ۵۲ کے حاشیہ پر یہ درج ہے:

"شمس الدین نام یکے از مریدان حضرت نظام الدین اولیا بود و بساتین الانس از تصنیفات اوست"

یہ تو غلط ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ بساتین الانس ان ہی کی تصنیف ہے۔

عالم جاودانی کو سدھارے، روز روشن میں ان کی تاریخ وفات ۷۰۶ھ لکھی ہے (ص ۴۰۳)

امیر خسرو مولانا شمس دبیر کی سخن سنجی و سخن فہمی کے برابر معترف رہے، ایک بار دہلی میں کشلو خان کے یہاں شعر و شاعری کی مجلس ہوئی، اس میں شہزادہ بغرا خان کے ساتھ مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر بھی شریک ہوئے، امیر خسرو بھی جو اس وقت محض ایک نوخیز شاعر تھے، اس بزم میں حاضر تھے، لیکن وہ خود لکھتے ہیں کہ ان دونوں کی حیثیت بڑے سیاروں یعنی زہرہ اور مشتری کی تھی، اور وہ محض عطارد (کاتب فلک) کی طرح وہاں موجود تھے، پھر ان کی سخن سنجی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی نظم سیاروں (نثرہ اور شعری) سے ہم کلامی کرتی ہے، ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ شاعر شمس الدین دبیر کے فضائل و کمالات بیان سے باہر اور تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں، انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر خسرو اپنے اشعار کے اچھے ہونے کا معیار ان ہی کی پسندیدگی پر رکھتے تھے، اور اس پر وہ فخر کرتے تھے، مگر تعجب ہے کہ ملا صاحب نے اس سلسلہ میں یہ کیسے لکھ دیا:

"در دیباچہ غرۃ الکمال و در آخر ہشت بہشت کلام خود را بذکر محامد و نشر مناقب او زیور تمام بخشیدہ" (ج اص ۹۴)

غرۃ الکمال کے دیباچہ میں تو شمس دبیر کی مدح ضرور ہے، لیکن ہشت بہشت کے آخر میں شمس دبیر کا نہیں، بلکہ مولانا شہاب الدین مہمرہ کا ذکر ہے، جیسا کہ پہلے دکھایا جا چکا ہے،

حال کے تذکروں میں مولانا شمس کا ذکر روز روشن اور نزہۃ الخواطر میں ہے، روز روشن میں ہے:

"طبعش از اقسام شعر بسوے قصیدہ بسیار مائل بود" (ص ۳۵۴)

نزہۃ الخواطر میں ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہیں نہیں ملتا،

"کان شاعراً بلیغاً مجید الشعراء" (ج ۲ ص ۵۵)

**شمس دبیر کے کلام کی نایابی** لیکن افسوس ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہین نہین ملتا، ملا عبد القادر بدایونی نے ان کا جو قصیدہ نقل کیا ہے وہی ان کی کل کائنات ہے جو ہم تک پہنچی ہے، یہ قصیدہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، مولانا شمس نے اپنے آقا و ولی نعمت ناصر الدین محمود بغرا خان کی شان مین کہا ہے، قصیدہ مین ناصر الدین بغرا خان کے نام کے بجائے محمود لکھا گیا ہے، کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور تھا۔

قصیدہ ملاحظہ ہو:-

| | |
|---|---|
| این ہمہ کار دلم از تو بسا دانی خام | دادۂ دوش مرا وعدۂ مہمانی خام |
| پختہ کردم ہمہ شب چشم ندانستم کان | طمعے بود از آن گونہ کہ می دانی خام |
| پختہ دارم دل از اندیشۂ رویت کہ چرا ست | رنگ تو پختہ ہمین نقرۂ پیشانی خام |
| سست می دارم وہر چند قوی می کندم | ریسمانی است زمن تابہ پریشانی خام |
| لکن از عیش خورم پختہ چو مہمان توام | کہ ثوابے است قوی دادن قربانی خام |
| گفتیم ہیچ مسلمان نہ خورد خام ببین | غم تو می خوردم اینست مسلمانی خام |
| خام می خواہم از سینۂ خود بہ شگافم | پختہ بنمایم اندک کہ تو می خوانی خام |
| بس کہ در حسن تو در فر ملک حیرانم | کار نا پختہ من ماندہ ز حیرانی خام |
| چو ملک خسرو ثانی است نماند ہرگز | کارم از دولت خسرو ملک ثانی خام |
| ناخبر دنیا و دین آنکہ بہ پیش ملکش | شد ز شاہان ہوس ملک سلیمانی خام |
| شاہ محمود شہ آن سلطان کز فر پدر | دیگ در آرزویش نیست ز سلطانی خام |
| آفتاب کرمش گر سوے بستان تابد | تابد از شاخ برون میوۂ بستانی خام |
| چہ کند چرخ اگر بار و تارت نکشد | چہ کشد بار گران مرکب پالانی خام |

دشمنت لائق آنست کہ در خام کشی | بہ کہ در کالبد خام چہ پیشانی خام
عسل خصم است بجون جائے زرہ پیراہن | در گلومی کشدش ہر دم زندانی خام
ہمہ کار تو ز زر پختہ و بد خواہ ترا | کار بر ہرزہ و مصداق پشیمانی خام
خصمت آن غول برہنہ است کہ از گل جہان | پوستے دارد و آن نیز چوب ستانی خام
خلق را گر نکشی ماندہ ہر روز دو وقت | دانہ خانید چو دست اس زبے نانی خام
خصم اگر گرد و پر باد چہ باک است ازچہ | گرد چون شیر علم حملہ ز کشخانی خام
سحر فرعون چہ آرد چہ فرو خواہد برد | اژدہائے علمی از دم ثعبانی خام
خسرو اشمس دبیرست قوی پختہ سخن | نیست چون دفتریان سوختہ دیوانی خام
ہست آو پختہ شعرش چو زر پختہ و نیست | غش چون سخن پختہ خاقانی خام
پختہ گر دست فلک بہر تو مملکت یارب | پختہ اُو بجرم باز مگر دانی خام[1]

اسی قصیدہ کے کچھ اشعار روز روشن اور نزہۃ الخواطر مین بھی نقل کئے گئے ہین، ان کے علاوہ اور اشعار میری نظر سے کسی اور تذکرہ مین نہین گذرے، حالانکہ انھون نے اپنا ایک دیوان مرتب کرکے خسرو کو دیا تھا، ہندوستان کے خزانۂ ادب کا یہ قیمتی سرمایہ شاید زمانہ کے دست برد کی نذر ہوگیا، سیر الاولیا رمین ان کا ایک حسب ذیل شعر منقول ہے، جو محبت الٰہی کے سلسلہ مین درج کیا گیا ہے،

آہ سربستہ من اشک مرا در دل گفت | خیز بارے تو برون رو کہ گذر یافتہ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اشعار اہل دل کی مجلسون مین بھی پڑھے اور نقل کیے جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان پر گمنامی کا پردہ پڑ گیا،

[1] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۱۹۲ - ۹۴

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے (اردو جنوری ۳۳ء ص ۹۵) ایک مضمون میں لکھا تھا کہ شمس نظام الدین اولیاؒ کا استاد بھی ہے، انھوں نے مقامات حمیدی (شاید مقامات حریری مراد ہو) اس سے پڑھی، اور علم حدیث حاصل کیا، بلبن شمس کو اپنے فرزند بغرا خان کا مستوفی بتاتا ہے، تاج ریزہ مبارکباد میں کہتا ہے،

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی　　　مستوفی ممالک ہندوستان شدی

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کو شمس کے نام سے غلط فہمی ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے استاد مولانا شمس الدین خوارزمی تھے، جو شمس دبیر سے ایک علحدہ شخصیت تھی، اسی قسم کی غلط فہمی امیر خسرو کے سوانح نگار جناب محمد سعید احمد مارہروی کو بھی ہوئی ہے، وہ تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ امیر خسرو کی استادی کا فخر خواجہ شمس الدین خوارزمی کو بھی اس لحاظ سے حاصل ہے کہ انھوں نے آپ کی مشہور تصنیف پنج گنج کی اصلاح فرمائی ہے، دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ اور پنج گنج کے آخری گنج یعنی مثنوی ہشت بہشت میں حضرت امیر خسرو نے آپ کے علم و فضل کی بہت کچھ تعریف کی ہے، اور ان کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے، جناب سعید احمد مارہروی نے وہ قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ہم شمس دبیر کے نام سے گذشتہ اوراق میں نقل کر چکے ہیں جناب سعید احمد مارہروی نے نہ صرف شمس دبیر اور مولانا شمس الدین بلکہ شہاب مہمرہ کو بھی خلط ملط کر دیا ہے، کیونکہ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہشت بہشت کی اصلاح مولانا شہاب مہمرہ نے کی، اور امیر خسرو کو ان ہی کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی،

**قاضی اثیر** افسوس ہے کہ مولانا شمس دبیر کے دوست اور اس زمانہ کے بلند پایہ شاعر قاضی اثیر کے حالات یا ان کے اشعار کے نمونے ہم کو کہیں سے نہیں مل سکے، اس لیے ان کے متعلق کچھ لکھنے سے ہم سر دست قاصر ہیں،

**امراء** بلبنی دربار کا گل سرسبد علاء الدین کشلی خان تھا، جو بلبن کا بھتیجا اور اسکی حکومت

کا باربک تھا، مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ وہ سخاوت مین اپنے وقت کا حاتم طائی تھا، بلکہ وہ یہ بھی لکھتے ہین کہ مین نے معتبر لوگون خصوصاً امیر خسرو سے یہ سنا کہ عطا و بخشش کے علاوہ چوگان اور شکار کھیلنے مین اس کی طرح کسی مان نے کوئی فرزند پیدا نہین کیا[1]۔ تاریخ فرشتہ مین ہے کہ مصر، شام، روم، بغداد، خراسان، ترکستان اور ماوراء النہر وغیرہ مشہور مقامات سے فضلاء و شعراء اس کی بخشش کا شہرہ سن کر اس کے یہان آتے، اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس جاتے۔ وہ اپنی بخشش اور سخاوت کی وجہ سے ہر شہر اور ہر ملک مین مشہور تھا[2]، اس کی غیر معمولی فیاضی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین برنی رقمطراز ہین کہ ایک بار خواجہ شمس معین نے اس کی شان مین ایک مدح کہی، برنی نے خواجہ شمس معین کا تعارف محض ملک قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص کی حیثیت سے کرایا ہے، جنھون نے اپنے مربی کے محاسن مین کئی جلدین لکھین، لیکن فرشتہ نے ان کا نام خواجہ معین الدینؒ کے صاحبزادے کی حیثیت سے کیا ہے، بہر حال انھون نے اپنی نظم جشن نوروز کے موقع پر شاہی دربار مین بلبن کے سامنے مطربون کو گانے کے لیے دی، اس تقریب مین دستور یہ تھا کہ دربار کے خان اور ملک سلطان کی خدمت میں پیش کیے جاتے، اور ان مین سے ہر ایک کے کارنامے بیان کیے جاتے اور اسی موقع پر شاہی مطربون نے کشلی خان کی شان مین وہ مذکورہ مدح پڑھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:

شہ علاء الدین الغ قتلغ معظم باربک ۔۔۔ بو رکشلی خان معظم خسرو روے زمین

کشلی خان نے یہ مدح سنی تو مجلس ختم ہونے کے بعد خواجہ شمس معین کو اپنی پائیگاہ کے تمام گھوڑے انعام مین عطا کیے، اور مطربون کو دس ہزار ٹنکے دیے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ

---

[1] برنی ص ۱۳ [2] تاریخ فرشتہ ص ۸۰

مجلس ختم ہوئی تو کشلی خان نے خواجہ شمس الدین کو اپنے یہاں بلا کر مجلس نوروزی کے تمام پر تکلف اور قیمتی سامان ان کو دیدیئے، اس کے علاوہ مطربوں کو دس ہزار تنکے دیے، برنی اور فرشتہ دونوں رقمطراز ہیں کہ بارہا ایسا ہوا کہ یہ عالی ہمت امیر نقد، اسباب، سامان سب کچھ انعام واکرام میں لٹا دیتا، یہانتک کہ اس کے پاس جسم کے کپڑے کے سوا کچھ نہ رہتا[۱]، ہلاکو خان نے اس کی خوبیاں سن کر اس کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، اور عراق کا نصف حصہ اسکے حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا، لیکن کشلی خان نے اپنی شوکت وحشمت سے اس کے دربار کی رونق بڑھانے کے بجائے دہلی ہی کے دربار کی زینت بن کر رہنا پسند کیا،

دربار کے امراء میں خسرو سب سے پہلے کشلی خان ہی کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور دو سال تک اس کے دربار میں رہے، اور جیسا کہ خود لکھتے ہیں، اس کی بوستان مجلس کو اپنی سوسنِ زبان کی نسیم سے تازہ اور شگفتہ رکھا، اس کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے، ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

صبا امروز پیغامِ گل آورد ست سوے من      کہ یادت می دہم وقتِ شراب وموسم گلشن

یہ قصیدہ خسرو نے اس زمانہ میں کہا جب ان پر خاقانی کا رنگ غالب تھا، چنانچہ یہ قصیدہ خاقانی کے اُس قصیدہ کی تقلید میں کہا گیا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

ضمان دار سلامت شد دلِ من      کہ دار عزلتش دادند مسکن

گو اس کی بحر مختلف ہے، خاقانی کا قصیدہ بحر ہزج مسدس میں ہے اور خسرو کا قصیدہ بحر ہزج مثمن سالم میں ہے، پھر بھی ایک ہی قافیہ میں دونوں کے کچھ اشعار بھی ناظرین ملاحظہ فرمائیں

---

[۱] برنی ص ۱۱۴-۱۱۳، فرشتہ ج ۱ ص ۸۰،

| خاقانی | خسرو |
| --- | --- |
| بوحدت رستم از غرق آب وخشت | بجنگ از بیندش رستم بلرزد ہم چو تیغ خود |
| برستم رستہ گشت از چاہ بیژن | زسر تا پائے گردد آب افتد در چہ بیژن |
| دلم آبستن غرسندی آمد | شہنشہ اختیار الدین محمد شاہ کشلی خان |
| اگر شد مادر گیتی سترون | کہ گشت از زادن ہمتاے او ہفت اختر استرون |
| اگر ناہید در عشرت گہ چرخ | فلک برنا چو در مجلس نشینی شاد در دولت |
| سراید شعر من در ساز ارغن | شراب ارغوانی در کشی با نغمت ارغن |
| ازین نورند غافل چند اعمی | ہنم امروز در صحن باغ و بازی کردنے با گل |
| وزین فطقند منکر چند الکن | کہ بلبل از چہ گویا گشت وسوسن از چہ شد الکن |
| مراد کاف ونون طاہا ویاسین | ترا اقبال خواہد داد دولت بازتا دایم |
| کہ عین رحمتست از فضل ذوالمن | نخواہد از کسے یاری مگر از ایزد ذوالمن |

کشلی خان کی شان مین خسرو کا مندرجۂ ذیل قصیدہ بھی خاقانی ہی کے رنگ میں کہا گیا ہے، خاقانی کے ایک قصیدہ کا مطلع ہے

صبح ست کمانکش اختران را — آتش زدہ آب پیکران را

اس کی بحر بدل کر خسرو کہتے ہیں:

مبارک باد در دولت رسیدن شاہ گیہان را — پناہ لشکر اسلام پشت دین یزدان را
شہنشہ اختیار الدین چراغ چشم کشلی خان — کہ روشن کرد عکس جبہتش درگاہ سلطان را
عدو شیطان ست در فعل ودو شاخی یا سیخ تیرش — ہمانے لاے لاحول ست بہر دفع شیطان را
گر از خون عدو بے آب گیرد نوک پیکانش — کند ہم خون شیطان آب وبدہد نوک پیکان را

خراسان گیر شد صیت حسام ہندیت آری | بہندستان کشیدی تیغ و بگرفتی خراسان را
عدو بند اہمان بندہ است احسان ترا خسرو | کہ دایم بود خود بندہ شود کے خسرو احسان را

کشلی خان کی شان میں ایک اور قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں، اس کی تشبیب بہت ہی رنگین اور سامعہ نواز ہے،

بیا کہ وقت مے لعل دل نواز آمد | نیاز بر ہمہ خوبان کہ وقت ناز آمد
پیالہ بر کف من نہ لبالب از مے لعل | پیالہ کہ چو لعل تو دل نواز آمد
کرشمہ کہ کند نرگس تو مگزارش | کہ آن شگافتن پردہائے راز آمد
مدار ثابتہ چرخ قطب دولت و دین | کہ قطب زآمدن او در اہتزاز آمد
سپہر مرتبہ محمود شاہ کشلی خان | کہ بخت بردر او بندہ چون ایاز آمد
نشانہ نظر و سائبان دولت بخت | کہ فتح بر علم نصرتش طراز آمد

کشلی خان کی قیام گاہ پر اکثر بزم مشاعرہ منعقد ہوتی، اس کی ایک بزم کا ذکر امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ میں بھی کیا ہے، جس مین شعراء کے علاوہ شہزادے اور دوسرے معززین بھی شریک تھے، امیر خسرو نے شہزادون میں بغرا خان اور شعراء میں شمس دبیر اور قاضی اثیر کے نام خاص طور پر لیے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ اس بزم میں شمس دبیر اور قاضی اثیر نے اپنی سخنوری کا سکہ خوب جمایا، وہ خود بھی اپنے کمالات کے اظہار مین ان دونون سے کم نہیں رہے، اس سخن آرائی سے شہزادے اور ان کے ندماء بے حد محظوظ ہوئے، اور سونے اور چاندی کے سکے گلاب کی پنکھڑیون کی طرح مجلس مین بکھرے ہوئے تھے، بغرا خان کو خسرو کی شیرینی کلام مین کچھ ایسی لذت محسوس ہوئی کہ اس نے ایک لگن (طبق) بھر کر روپے خسرو کو دیے، یہ خسرو کی تو بڑی قدر دانی تھی لیکن کشلی خان کی غیرت نے اس کو پسند نہ کیا کہ

بقول مولانا شبلی مرحوم کہ اس کا وابستۂ دولت دوسرے دربار کا احسان اٹھائے، اس کے چہرہ سے ملال کے آثار ظاہر ہوئے، خسرو نے اس کے بعد بار بار مختلف موقعوں پر اس کی تلافی کرنی چاہی، لیکن کشلی خان کے دل سے وہ پھانس نہ نکلی، اس لیے خسرو نے اس کے دربار سے جدا ہو کر بغرا خان کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی،

**امیر علی سرجاندار** اس عہد کا ایک دوسرا فیاض اور علم دوست ملک امیر علی سرجاندار تھا، سرجاندار (بادشاہ کے دستۂ محافظ کا سردار) تو اس کا فوجی عہدہ تھا، اختیار الدین شاید خطاب ہو، باپ کا نام ایبک تھا، اسی لیے بعض جگہ اس کا نام اختیار الدین علی بن ایبک بھی آتا ہے، لوگ اس کے جود و سخا و بخشش و فیاضی کی وجہ سے اس کو حاتم خان، اور "شاہ عہد" بھی کہتے تھے[1]، وہ جب کسی کے ساتھ کچھ حسن سلوک کرتا تو ہزاروں روپے دے ڈالتا، اس کی کوئی بخشش سو ٹنکے سے کم نہ ہوتی، کسی کو گھوڑے اور خلعت دیتا تو چاندی کے سامان کے بغیر نہ دیتا، فقیروں کو خیرات میں سونے اور چاندی کے ٹنکے تقسیم کرتا، جیتل کا نام زبان پر لانا ننگ سمجھتا، سلطان بلبن کو اس کی فیاضی معلوم ہوتی تو وہ خوش ہو کر کہتا کہ شکر ہے کہ میرا مولازادہ ایسا سخی اور جواد ہے، اور اس کے انعام اور جاگیر میں اضافہ کرتا رہتا، ایک روز بلبن نے اس سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم سرمستی کی حالت میں اتنی بخشش کرتے ہو، اگر نشہ میں نہ رہ کر ایسی سخاوت کرو تو میں تم کو فیاض اور سخی سمجھوں، اسی روز سے اس نے شراب چھوڑ دی، اور اس کی سخاوت اور بھی زیادہ بڑھ گئی[2]،

---

[1] برنی نے لکھا ہے کہ وہ سلطان بلبن کا مولازادہ یعنی غلام کا لڑکا تھا، (ص ۱۱۸) ڈاکٹر وحید مرزا نے معلوم نہیں کس سند پر اس کو سلطان بلبن کا Cousin (ابن عم) بتایا ہے، (ص ۴۰) [2] برنی ص ۱۱۹ - ۱۱۸

شہزادہ محمد سلطان کی وفات کے بعد خسرو نے اسی ملک کے یہان ملازمت کر لی تھی، جو اس زمانہ مین اودھ مین کسی عہدہ پر مامور تھا، ناصر الدین بغرا خان اور کیقباد کی جو ملاقات اودھ مین ہوئی تو اس موقع پر امیر علی کیقباد کے جلو مین تھا، اور اس کے ساتھ خسرو بھی تھے، کیقباد باپ سے مل کر دہلی واپس جانے لگا تو اس نے امیر علی کو اقطاع اودھ کی حکومت عطا کی اور خان جہان کا خطاب دیا، خسرو اپنے اس محسن کے ساتھ اودھ مین دو سال رہے اور اس کے بے پایان لطف و کرم کا اظہار اس کی شان مین کئی قصیدے لکھ کر کیا ہے، غرۃ الکمال مین اس کی مدح مین دو قصیدے منقول ہین، ایک قصیدہ کی سرخی مین لکھتے ہین کہ علی کا عین عید کے عین اور ماہ نو سے مشابہ ہے، اسی مناسبت سے قصیدہ کی پوری تشبیب ہلال ہی پر ہے، کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ہلال عید جہان را ز نور خویش آراست | شراب چو شفق و جام چون ہلال کجاست |
| گر شراب شفق خورد شب ز جام ہلال | کہ ہر گہر در وبود جملہ در صحراست |
| بہ نیم دائرہ ماند ہلال در گردش | ہزار نقطہ ز نقش ستارگان پیداست |
| چو ہست بر صفت نون عین ولام ہلال | تو نعل توسن شاہ ارخوانیش خطاست |

گریز کے ساتھ مدح کے دو تین شعر ملاحظہ ہوں،

| | |
|---|---|
| نہ بلکہ شیشۂ مے زان شدست حلقہ نمای | کہ خان ز نیزہ بہ بازی عید حلقہ رباست |
| سماک نیزہ ملک اختیار دولت و دین | کہ ہر نیزہ او ماہ عید حلقہ نماست |
| ستودہ حیدر ثانی علی بن ایبک | کہ ہمچو شیر خدا روز رزم بے ہمتاست |

آگے چل کر اپنے ممدوح کے جود و کرم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| بہ بحر گفتم مانی بدست خان زکرم | روان بہ لرزہ در آمد کہ آن محل نہ مراست |

کہ سخاوردیا قوت بخشش کف اوست | کہ عطا خس وخاشاک مایۂ کف ماست
--- | ---

دیباچہ غرۃ الکمال میں خسرو لکھتے ہیں کہ حاتم خان نے اپنے کف در موج سے ان کو طشت بھر بھر کے اتنے روپیے دیے کہ اگر وہ اس دولت کو محفوظ رکھتے تو ان کے اہل وعیال تمام عمر عزت وخوش حالی سے زندگی بسر کرتے رہتے، اسی جذبۂ احسان شناسی میں انھوں نے اس کی شان میں ایک اور مدح کہی جس کی سرخی میں لکھتے ہیں کہ "احسان وجود بیش از مبالغہ شد"۔ چنانچہ اس مدح کے شروع میں کہتے ہیں،

| | |
|---|---|
| خجستہ باد خداوند را ولایت نو | فراز چرخ کشیدن طراز رایت نو |
| ستودہ خان معظم گزیدہ حاتم خان | کہ شد خطاب نوین زینت ولایت نو |
| ز ملوک جہان اختیار دولت کرد | زمانہ از کرمش ہر زمان روایت نو |
| علی بن ایبک کز ذوالفقار تیغ کند | ہمہ ضلالت ہندوستان ہدایت نو |

آخر میں پھر فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| چو زندہ گشت زنامت حکایت حاتم | ہذلیست حاتم طائی بدیں حکایت نو |
| ز بہر جود تو آرند رشتہ در گردن | زکان اگرچہ بود لعل در حمایت نو |

خسرو نے حاتم خان کے محل پر بھی ایک نظم لکھی ہے، اس نے ان کو ایک گھوڑا بھی دیا تھا یہ گھوڑا ان کو پسند نہ آیا، اس پر ایک دلچسپ مثنوی لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کی، اور اس سے یہ گھوڑا واپس لے کر دوسرے گھوڑے کی فرمایش اس طرح کی،

| | |
|---|---|
| اے ز تو عالمے در آسایش | کار تو بخشش است و بخشایش |
| از من خستہ از چہ رنجیدی | کہ نہ بخشیدی و بخشیدی |
| گرچہ دانم کہ از پشیمانی | دادہ خویش باز نستانی |

اسپ دیگر بدہ مرا بستان | لیک زین ظالم برآر دستان
اسپ فرما و آنچہ اسپ خورد | ورنہ زآن پایگاہ جان نبرد
اسپ بے کہ مدہ اگر خواہی | کہ نمیرد چو من ز بے کاہی
نکشید آنچہ من کشیدم ازو | بخشد ہرچہ من چشیدم ازو
من خود اینک بیک نفس کردم | خبر آن جہان ہمی شنوم
می زدم تا تہی کنم یک راہ | غلہ وان قیامت از جو دکاہ
دل بدادم زہر جان دادن | ایستادم زہر افتادن
زیم من چنین کہ دارم حال | تو بحال نکو بمان صدسال
باد اسپ مرادت اندر زین | این دعا مستجاب باد امین

خسرو کو اودھ مین رہتے دو سال کی طویل مدت گذر گئی تو ان کو اپنی ماں کی یاد ستانے لگی، بالآخر اپنے محسن سے اجازت لے کر دہلی واپس آئے، حاتم خان نے خسرو کو رخصت کرتے وقت دو طشت اشرفیان بطور زادِ راہ عنایت کیں،[1]

ملک الامرا فخر الدین | بلبنی دربار کا ایک اور علم نواز امیر ملک الامرا فخر الدین تھا، وہ دہلی کا کوتوال بھی تھا، اس کے نیک کامون مین صدقہ و خیرات کی بڑی شہرت تھی، اس کے یہان بارہ ہزار وظیفہ خوار کلام پاک پڑھنے کے لیے تھے، جو ہر روز ایک ہزار بار کلام پاک ختم کرتے یہ امیر ہر روز نئے کپڑے پہنتا، اور جو اتارتا وہ محتاجوں کو دیدیتا، اس کا پلنگ اور بستر بھی بدلا جاتا، اور وہ یتیمون اور مستحق لوگوں کے لیے رکھ دیے جاتے، ہر سال ایک ہزار غریب لڑکیوں کے لیے جہیز کے بھی سامان فراہم کرتا،[2]

[1] قران السعدین، علی گڈھ اڈیشن ص ۲۲۲ [2] برنی ص ۱۱۷

شعراء | بلبن اور اس کے شہزادون کے درباری شعراء کا ذکر جابجا اتنا آگیا ہے کہ بظاہر ان کے لیے اب ایک علحدہ سرخی قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ہے، لیکن ان کے کچھ حالات ایسے بھی ہین، جن کو اگر یہان پر بیان نہیں کیا گیا تو بڑی کمی محسوس ہوگی، اس سلسلہ مین اگر بعض واقعات کے تکرار سے ناظرین کو کچھ تکدر پیدا ہو جائے تو ہم ان سے پہلے ہی معذرت کے خواہان ہیں،

یہان پر جن شعراء کا ذکر خاص طور پر ہم کرنا چاہتے ہین، ان مین سب سے نمایان نام امیر خسرو کا ہے،

خسرو | خسرو اپنے دور کی فارسی شاعری کے پیغمبر تھے، اس وقت سے اب تک ان کے متعلق اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے بارہ مین کوئی نئی بات لکھنا مشکل ہے، لیکن اس کتاب مین ان کا ذکر اتنا آیا ہے کہ ان کی سخن وری اور سخن سنجی کے ساتھ ان کے حالات مختصر طور پر بیان کرنا بھی ضروری ہے،

خاندان | خسرو ترک النسل تھے، ان کا خاندان لاچین کے قبیلۂ ہزارہ سے تعلق رکھتا تھا، لاچین غالباً قبیلہ کے سردار کا نام تھا جس سے یہ قبیلہ موسوم ہوا، یہ قبیلہ کش مین آباد تھا، جو ماوراء النہر مین واقع ہے، یہ کش سے قرشی اور وہان سے بلخ آیا، خسرو کے آبا و اجداد تیرھوین صدی مین دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان داخل ہوئے، اور کچھ عرصہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں رہے، پھر اسکے بعض افراد شمس الدین التمش کے عہد مین دہلی آئے، اور اس کے دربار میں ملازم ہوئے، ان ہی مین خسرو کے والد بزرگوار سیف الدین محمود بھی تھے، یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ سیف الدین محمود شمس الدین التمش کے دربار مین کس عہدہ پر مامور تھے، لیکن یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے دربار کے معزز امیر تھے، خسرو نے دیباچہ غرۃ الکمال مین ان کے نام کے ساتھ

"امیر" اور "سیف شمسی" لکھا ہے، برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بارہ ہزار تنکے سالانہ وظیفہ ملتا تھا،[1] وہ اپنی بہادری اور نبرد آزمائی کے لیے مشہور تھے، جیسا کہ دیباچہ غرۃ الکمال میں امیر خسرو لکھتے ہیں:

"پدرم سیف شمسی کہ از نور پیشانی تیغ آفتاب بود و نصف شکنی اشتہار یافتہ"

ان کی امارت کے ساتھ ان کی خدا ترسی کی بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ

"ہم از طریق دنیا امیر بود و ہم از جانب عقبیٰ صاحب ولایت با آنکہ امی بود ......"

غالباً ان کو مومن پور المعروف بہ پٹیالی[2] میں کوئی جاگیر ملی تھی، اور یہیں وہ سکونت پذیر ہو گئے تھے. ان کی شادی عماد الملک کی لڑکی سے ہوئی، جن کا شمار شاہی دربار کے معزز امراء میں ہوتا تھا، اس شادی سے ان کے تین فرزند ہوئے، اعز الدین علی شاہ، ابوالحسن یمین الدین خسرو، اور حسام الدین قتلغ.

**وطن و تعلیم**

خسرو مومن پور یعنی پٹیالی ہی میں سنہ ۶۵۱ھ (مطابق سنہ ۱۲۵۳ء) میں پیدا ہوئے،[3] سیر الاولیاء میں ہے کہ خسرو کی پیدائش کے وقت ان کے والد بزرگوار ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے محلہ کے ایک مجذوب اور صاحب نعمت بزرگ کے پاس لے گئے، انھوں نے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۹۷، [2] پٹیالی ضلع ایٹہ، یو۔پی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، [3] قران السعدین میں خسرو لکھتے ہیں:

آنچہ بتاریخ ز ہجرت گذشت — بود سنہ شش صد و ہشتاد و ہشت

سال من امروز اگر بررسی — راست بگویم ہمہ شش بود و سی

یعنی ۶۸۸ھ میں ان کی عمر ۳۶ سال کی تھی، اس لحاظ سے وہ ۶۵۲ھ میں پیدا ہوئے، لیکن وسط الحیوٰۃ میں فرماتے ہیں:

کنوں کز شش صد و ہشتاد و چار شد تاریخ — مرا بسی و سہ آمد نوید سی و چہار

اس شعر کے مطابق ان کا سنہ ولادت آغاز ۶۵۱ھ ہوتا ہے۔

بچہ کو دیکھتے ہی فرمایا،

"آوردے کسے راکہ دو قدم از خاقانی پیش خواہد بود۔" (ص ۳۰۱)

ہوش سنبھالا تو تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھائے گئے۔ ان کے والد نے خود تو تعلیم نہیں پائی تھی، کیونکہ ان کے خاندان میں سپہگری کا پیشہ تھا، لیکن انھوں نے اپنے لڑکوں کو شوق سے تعلیم دلانی شروع کی۔ خسرو اپنے دیوان تحفۃ الصغر میں لکھتے ہیں کہ ان کے استاد خواجہ سعد الدین ان کو خوش نویسی سکھانے میں ان کی پیٹھ پر دُرّے لگاتے۔ لیکن ان کے سر میں زلف پیچاں کا سودا ایسا سمایا ہوا تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے کی طرف کم مائل رہے، اور شعر گوئی کی دھن میں جو کچھ موزون ناموزون کہہ سکتے تھے، اسی کی مشق وصلیوں پر کیا کرتے تھے۔ اس کم عمری میں اپنی شعر گوئی کا ایک واقعہ تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے استاد خواجہ سعد الدین کے ساتھ خواجہ اصیل نائب کوتوال کے یہاں گیا، وہاں ایک صاحب علم اور "دریائے سخن کے شناور" خواجہ عزالدین نظر بند تھے، جب ہم دونوں وہاں پہنچے تو خواجہ موصوف کے ہاتھ میں ایک بیاض تھی، وہ اس کا مطالعہ کر رہے تھے، انھوں نے گفتگو شروع کی، تو ان کے منہ سے موتی جھڑنے لگے، میرے استاد نے ان سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کمسن لڑکا میرا شاگرد ہے، شعر و شاعری میں بھی بلند پروازی کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کو کچھ اشعار پڑھنے کے لیے دیکر دیکھیں کہ کس طرح پڑھتا ہے، انھوں نے بیاض مجھکو دیدی، اور میں نے اس میں سے اشعار پڑھنے شروع کیے، میری خوش الحانی سے سب کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے، اور سب متحیر رہے، میرے استاد نے خواجہ موصوف سے پھر کہا کہ شعر پڑھنا تو آسان ہے، لیکن اس کا امتحان لیجیے کہ وہ شعر کہہ بھی سکتا ہے کہ نہیں، انھوں نے چار بے جوڑ چیزوں ان مو، بیضہ، تیر، خربزہ کے نام لیے کہ ان کو ملا کر شعر کہو، میں نے برجستہ

یہ اشعار موزون کیے،

بر موئے کہ در دو زلف آن صنم است　　صد بیضۂ عنبرین بر آن موئے صنم است

چون تیر مدان راست دلش را زیرا کہ　　چو خربزہ دندانش میان شکم است[1]

جب میں نے یہ رباعی پڑھی تو خواجہ عزالدین کو بڑی حیرت ہوئی، انھوں نے بہت داد دی اور میرا نام پوچھا، میں نے کہا خسرو، والد بزرگوار کا نام پوچھا، مین نے اصل نام کے بجائے قبیلہ کا نام بتایا، یعنی لاچین، خواجہ صاحب نے ظرافت سے کہا، لاچین یعنی چین نہین، پھر کہا ترک خطا است، یعنی ان کو ترک کہنا خطا ہے، میں نے اسی کو الٹ کر کہا بے خطا ترک است یعنی قطعاً وہ ترک ہے، دریافت کیا کہ تم درم خریدۂ ناصری ہو، عرض کی سلطانی شمسی کا ہون[2]، خواجہ صاحب نے کہا کہ تمھاری نسبت سلطانی ہے، اس لیے اپنا تخلص سلطانی رکھو،[3]

مشق سخن | خسرو نے اس نصیحت پر عمل کیا، تحفۃ الصغر کی اکثر غزلون مین یہی تخلص ہے، اسی کم عمری میں خسرو نے شاعری شروع کی، وہ خود لکھتے ہیں کہ جب میرے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے تھے، تو میں نے شعر گوئی کی ابتدا کی،[4] لیکن جب وہ آٹھ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار ایک معرکہ میں شہید ہوگئے، آگے چل کر خسرو نے باپ کی یاد میں ایک مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے

سیف از سرم گذشت و دل من دو نیم شد　　دریائے خون روا شد و در یتیم شد

---

[1] مولانا شبلی نے شعر العجم (ج ۲ ص ۱۰۵) میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے،

چون تیر بدان راست دلش را زیرا کہ　　چون خربزہ دندانش درون شکم است

[2] سلطانی اشرفی کو کہتے ہیں، درم کی رعایت سے یہ لفظ لائے تھے، [3] یہ روایت تحفۃ الصغر کا محض خلاصہ ہے، [4] دیباچۂ غرۃ الکمال میں ہے "دران صغر سن کہ دندان می افتاد، سخن می گفتم و گوہر از دہانم فرو می ریخت۔"

بظاہر خسرو پر بڑی مصیبت آگئی ، لیکن اس میں بھی مصلحت خداوندی پوشیدہ تھی ، والد کی شہادت کے بعد اپنے نانا عماد الملک کی نگرانی اور سرپرستی میں آ گئے ، اور یہ سرپرستی ان کے لیے بڑی نعمت ثابت ہوئی ، اس کا اعتراف وہ خود بھی کرتے ہیں :

"جدمن برسرمن بود ، آن جد نبود ، بلکہ دولتے بود ، وصاحب دولتے ....(دیباچہ عزۃ الکمال)[1]

**عماد الملک کی سرپرستی**

عماد الملک بڑے طنطنہ کے امرا میں سے تھے شمس الدین التمش کے عہد سے بلبنی عہد تک عرض ممالک کے عہدہ پر فائز رہے ، دبدبہ وحشمت کا یہ حال تھا کہ دو سو ترک غلام ، دو ہزار ہندو ، اور دو ہزار سوار برابر ان کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے[2] ، اپنے دفتر کے کام کرنے والوں کو اپنے پاس بلاتے ، مہمان رکھتے ، خلعت دیتے ، اور ان کو بیس بیس ہزار ٹنکے اپنی تنخواہ میں سے دیدیتے . دسترخوان بچھتا تو انواع واقسام کے کھانوں کے پچاس ساٹھ خوان آتے ، امرا و ملوک کے علاوہ جو بھی موجود ہوتا ، کھانے میں شریک ہوتا ، اگر کھانا بچ جاتا تو غربا میں تقسیم کر دیا جاتا ، کوئی دسترخوان پر شریک ہونے سے معذور رہتا تو اس کے گھر کھانا بھجوا دیا جاتا ، عماد الملک خاص قسم کا پان کھایا کرتے تھے ، جو اپنی لذت اور لطافت کے لیے بہت پسند کیا جاتا ، ان کی مجلس میں پچاس ساٹھ غلام ہی پان برابر تقسیم کرتے رہتے تھے ، ان کے دربار کے تمام آداب بڑے بڑے خوانین و ملوک ہی کی مجلسوں کی طرح تھے ، مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ نیک کاموں میں انھوں نے اتنے گاؤں وقف کیے تھے ، کہ ان کے زمانے یعنی فیروز شاہی عہد تک لوگ ان کے اوقاف سے گذر اوقات کرتے ہیں اور عماد الملک کے ایصال ثواب کے لیے کلام پاک پڑھتے رہتے ہیں[3] ، عہد بلبنی میں عماد الملک کا شمار سلطنت کے چار ستونوں میں ہوتا تھا ،

---

[1] دیباچہ عزۃ الکمال [2] تاریخ فیروز شاہی ، برنی ص ۱۱۰ - ۱۱۵

تحصیل علم | اسی امارت و ثروت بھرے ماحول مین خسرو نے پرورش پائی، عمادالملک کی مجلس مین علماء، شعراء اور ارباب نشاط سب ہی شریک ہوتے تھے، ظاہر ہے کہ خسرو کو اپنے نانا کی مجلسون مین علم و ادب اور موسیقی کے ذوق کے نشو و نما مین کس قدر مدد ملی ہوگی، ان کے درسی علوم و فنون کی تحصیل کی تو تفصیل معلوم نہ ہوسکی، لیکن تحفۃ الصغر کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سال کی عمر مین ان مین اتنی غیر معمولی قابلیت پیدا ہوگئی تھی کہ فارسی شاعری کے اساتذہ مثلاً انوری اور سنائی وغیرہ کے کلام کا مطالعہ کرسکتے تھے، اور پھر اسی صغر سنی مین ان اساتذۂ فن کے تتبع مین اشعار کہنے بھی شروع کر دیے تھے، اپنی ابتدائی زندگی مین تو انھون نے غالباً مختلف علوم و فنون پڑھنے کی کوشش نہین کی لیکن آگے چل کر ان مین جو علمی استعداد پیدا ہوئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف زبانون کے جاننے کے علاوہ مذہب، فقہ، نجوم، ہیئت، صرف و نحو پر غیر معمولی درک رکھتے تھے،

مختلف زبانوں سے واقفیت کا اظہار وہ خود اپنی مثنوی نہ سپہر کے ان اشعار مین کرتے ہیں،

من بہ با ہناے کسان بیشترے | کردہ ام از طبع شناسا گذرے
دانم و دریافتہ و گفتہ ہم | جستہ و روشن شدہ زان بیش و کم[1]

ان زبانون مین ترکی و فارسی تو گویا ان کی فطری مادری زبانین تھی، دیباچۂ غرۃ الکمال مین ہندی کے متعلق کہتے ہین

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب | شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

پھر اسی دیباچہ مین ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہین کہ وہ میٹھی ہندی بول سکتے ہیں،

چو من طوطی ہندم راست پرسی | ز من ہندوی پرس تا نغز گویم

[1] نہ سپہر، مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا، مطبوعہ کلکتہ ص ۱۷۲

پھر عزۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ انھون نے ہندی مین نظمین لکھ کر دوستون مین تقسیم کیں،

"جزوی چند نظم ہندی نیز نذر دوستاں کردہ شدہ است، این جا ہم بذکرے پسندہ کردم"

خسرو کے نام سے بہت سے ہندی گیت، دوہے، مکرنی، مخمس، چوپائیان مشہور ہیں، ایک ہندی تصنیف خالق باری بھی ان ہی کی بتائی جاتی ہے، آیا یہ سب واقعی ان ہی کی ہین یا ان کے نام سے منسوب ہو گئی ہین، اس پر بحث ابتک جاری ہے، ہم ان مباحث سے گریز کرتے ہین لیکن یہ حقیقت ہے کہ خسرو ہندی کے بھی بہت بڑے شاعر تھے،

مذکورۂ بالا شعر کے اس مصرع

شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

سے یہ گمان ہوتا ہے کہ خسرو عربی نہیں جانتے تھے لیکن مولانا شبلی رقمطراز ہین کہ امیر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی کی تحصیل تمام تھی، اعجاز خسروی مین ان کے بعض خطوط عربی مین بھی ہین[1]، عزۃ الکمال کے دیباچہ مین انھون نے اپنے عربی اشعار کے کچھ نمونے بھی دیے ہین، شاید اسی قسم کے نمونون کو دیکھ کر مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ وہ عربی مین ادبائے عرب کے ہمسر ہین، عزۃ الکمال کے دیباچہ مین فارسی اور عربی شاعری کا جو موازنہ کیا ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عربی ادب پر ان کی نظر گہری تھی،

اس سلسلہ مین انھون نے فارسی، عربی، ترکی اور ہندی زبانون کے مختلف پہلوؤن پر جو بحث کی ہے، اس کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ وہ فن زباندانی کے حقائق و دقائق سے

[1] اعجاز خسروی نولکشور پریس. رسالہ ثانیہ ص ۱۲۳، ۱۴۸

اچھی طرح واقف تھے، اور صرف و نحو پر پوری دسترس رکھتے تھے، کچھ دنوں عربی زبان کی طرح فارسی زبان کی صرف و نحو مرتب کرنے کی فکر میں رہے، لیکن پھر فارسی زبان کی عام مقبولیت اور شہرت کا خیال کرتے ہوئے اس کام کو سعی لا حاصل سمجھا، مثنوی نہ سپہر میں رقمطراز ہیں

از عربی کردہ ہمہ کس شرفے | واہل عرب رانہ شرف در طرفے
لیک بہ شیریں سخن پارسیان | ضابطۂ نہہا دکسے از اہل بیان
من بتوانم چو زدل خواست کنم | گر پئے این ہمہ روشے راست کنم
لیک چو محتاج نہ اند اہل زبان | وانیست کشادے زپئے بستہ زبان
چون بد کے بستہ نہ بیسنم لب کس | بیہدہ ورہ حیلہ چہ مانم بہوس

اسی مثنوی نہ سپہر میں فلکیات سے متعلق جا بجا ایسی باتیں لکھی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ نجوم و ہیئت میں بھی بڑا درخور تھا، لیکن انھوں نے یہ تمام علوم و فنون کسی استاد سے حاصل کرنے کے بجائے، اپنی غیر معمولی ذہانت اور طباعی سے خود ہی حاصل کئے تھے،

**اساتذۂ فن کی تقلید** سولہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے خسرو نے سخن سنجی میں اچھی خاصی مہارت پیدا کر لی، اور اس زمانہ میں بھی ان کے اشعار کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ گوئیے مجلسوں میں گانے لگے جن کو سن کر بڑے بوڑھے وجد کرتے تھے، ذہن رسا نے اس کمسنی میں بھی کسی شاعر کے آگے زانوے تلمذ تہ کرنے پر آمادہ نہیں کیا، بلکہ فطری ذوق ہی کو اپنا استاد تسلیم کرتے رہے، اساتذۂ فن کے کلام پڑھتے اور ان ہی کے رنگ میں کہنے کی کوشش کرتے، شروع میں انوری سے متاثر تھے، تحفۃ الصغر میں ان کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

باز بلبل در غزل خوانی شدہ ست | عاشق سرو گلستانی شدہ ست

لہ نہ سپہر ص ۱۷۳-۱۷۴

اسی مین انوری کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہتے ہین :

خہ کہ در عہد تو سلطان سخن | خسرو لاچین سلطانی شدہ ست
تا کشتہ گردون بہ چشم انوری | خاک من کحل سپاہانی شدہ ست

اسی زمانہ مین خاقانی کے رنگ کی بھی تقلید شروع کی، مثلاً خاقانی کا ایک مشہور نعتیہ قصیدہ ہے، جس کا مطلع یہ ہے :

ہر صبح سر ز گلشن سودا برآورم | وز صور آہ بر فلک اوا برآورم

اسی کی تقلید مین خسرو نے غیاث الدین بلبن کی شان مین ایک قصیدہ کہا، جسکا مطلع یہ ہے،

صبح از کمین چو رخ بہ تماشا برآورد | چرخ آتشین حجاب بر اعضا برآورد

اسی قصیدہ مین آگے چل کر کہتے ہیں :

خاقانی ار ز خاک برآید بہ صد زبان | انصاف این قصیدہ غرا برآورد

اسی طرح خاقانی کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

گرد خزان تاختن بر صف خیل بہار | باد وزان بر رزان گشت بدل کینہ وار

خاقانی نے اس قصیدہ مین تقریباً ۵۴ اشعار کہے ہین، خسرو نے بھی اسی قافیہ مین دو مسلسل قصیدے کہے ہیں، جن مین تقریباً ۸۰ ابیات ہین، ان کے قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

قلب خزان راشکست تاختن نو بہار | قالب آفاق کرد جوشن سبز آشکار

خسرو نے خاقانی کے حسب ذیل قصیدہ

ما فتنہ بر تو ایم و تو فتنہ بر آئینہ | ما را نگاہ در تو ترا اندر آئینہ

کے جواب مین ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے :

اے ماہ بستہ روئے تو مہر اندر آئینہ | مو بیت ز شانہ ریختہ عنبر بر آئینہ

لیکن خسرو نے اپنے دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں اعتراف کیا ہے کہ وہ اس عمر میں خاقانی کے تتبع مین ناکامیاب رہے، لکھتے ہین کہ اگرچہ خاقانی کے مغلق اشعار حل کر لیتا تھا لیکن کم عمری کے سبب ان کے کلام کے دقائق واضح نہ ہوتے تھے، میری ہمت بلند تھی پھر بھی ان کا کلام اتنا بلند تھا کہ میرے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی تھی، ان کے اصلی الفاظ ملاحظہ ہوں'

"چندگاہے فتراک دولت خاقانی را بدوال گیری دست آویزی نمودم وانچہ تعلق بلفظ داشت تعلیق کردم اگرچہ ابیات مغلق در می یافتم اما در آمد و بیرون شد ارکان آن میانی و ابواب آن معانی جا بجا ہنگام بر ست کشادہ نمی شد کہ کلید زبان ابسبب صغر سنی ہنوز دندانہا خورد بود و برہ دل فتوری نیافت و بہ بینت آب و گل قصوری داشت اگرچہ از ہمت عالی با آسمان سخن می گفتم و سختم بر زمین نمی افتاد و اما علو سخن استاد بالا تر از ان بود کہ دست ہمت من بدان پایہ رسد"

ترتیب دیوان تحفۃ الصغر

لیکن اس ناکامیابی کے اعتراف کے باوجود خسرو خاقانی اور دوسرے اساتذہ کی تقلید مین قصائد لکھ کر اور جدت پسندی اور ذہن رسا سے کام لے کر اپنی صغرسنی مین اپنے شاندار مستقبل کا پتہ خود ہی دے رہے تھے، اور جب ابھی ۲۰ سال ہی کے تھے، تو اپنا ایک دیوان تحفۃ الصغر کے نام سے مرتب کر لیا جس مین تقریباً ۳۵ قصیدے، پانچ ترکیب بند، کچھ متفرقات اور ایک مثنوی ہے، قصیدے غیاث الدین بلبن، شہزادہ سلطان محمد، اور بلبنی دربار کے امرا، امیر علی حاتم خان، اختیار الدین کشلی خان، شمس الدین قوام الملک اور عزیز الدین وغیرہ کی شان مین ہین، ایک ترکیب بند مین اپنے نانا عماد الملک کی وفات پر مرثیہ لکھا ہے، مثنوی مین قلعۂ پٹیالی کے بد تہذیب اور وحشی افغانون کی ہجو ہے،

خسرو اور سلطان المشائخ | تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ خسرو کے کلام میں روز بروز لطافت، حلاوت اور شوکت ان کے مرشد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی دعا اور کرامت کی بدولت پیدا ہوتی گئی۔ ان کا پورا گھر حضرت سلطان المشائخؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھا۔ ان کے نانا اور والد بزرگوار دونوں ان کے مرید تھے[۱]، ظاہر ہے کہ خسرو کو بچپن ہی سے ان کے فیوض و برکات حاصل کرنے کا موقع ملا، وہ خود بھی اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، اپنے مرشد کی شان میں ایک قصیدہ کہتے ہوئے رقمطراز ہیں،

خوش اندم کہ من ز اعتقاد ضمیر | گرفتم بحق دست آن دست گیر
بہ نہ بحر از آن جانبم راہ شد | چو کشتی مرا دست آن شاہ شد
من از دوے لعاب دہان یافتم | کہ زین گونہ آب دہان یافتم[۲]

سیر الاولیاء میں ہے کہ خسرو کے نانا کے دولتکدہ کے پاس ہی سلطان المشائخ کی قیامگاہ تھی، خسرو نے اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا تھا، وہ جو بھی نظم کہتے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے کہا کہ اصفہان کے شعراء کے طرز میں کہا کرو، یعنی کلام عشق انگیز ہو، خسرو نے اسی پر عمل کرنا شروع کیا، اور اس کو انتہائے کمال تک پہنچا دیا، ایک بار انھوں نے سلطان المشائخ کی مدح کہی، اور جب اس کو آکر سنایا تو سلطان المشائخ نے پوچھا کیا صلہ چاہتے ہو، خسرو نے جواب دیا، کلام میں شیرینی، اس وقت چارپائی کے نیچے طشت میں شکر رکھی تھی، سلطان المشائخ نے حکم دیا کہ لاؤ، اور اپنے سر کے اوپر چھڑک لو اور

---

[۱] سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ عماد الملک بڑے اولیا کرام میں سے تھے، (اردو ترجمہ ص ۱۲۴)

[۲] مثنوی نہ سپہر، مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا ص ۲،

ور کچھ کہا بھی ہو، اسی کے بعد ان کے کلام میں بڑی شیرینی پیدا ہو گئی، امیر خسرو آخر عمر میں پچھتایا کرتے کہ کوئی اور بہتر صلہ مانگتے تو وہی ملتا، امیر خسرو جب کوئی کتاب لکھتے تو پہلے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے، وہ اس کو ہاتھ میں لے کر اس پر فاتحہ (یعنی فاتحۃ الکتاب) پڑھتے،

امیر خسرو میں کمال اسی وجہ سے پیدا ہوتا گیا، سلطان المشائخ کو یہ بھی خیال رہا کہ کہیں امیر خسرو شعر و شاعری میں پڑ کر اسی میں الجھے نہ رہیں، اس لیے ان کو بہتر کام میں بھی لگایا، اور ان کی ہدایت کے مطابق تہجد کے وقت کلام پاک کے سات پارے پڑھا کرتے تھے، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے پوچھا ترک! تمہارا کیا حال ہے، امیر خسرو نے جواب دیا، اب رات کے آخر حصہ میں گریہ طاری رہتا ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا

"الحمد للہ اندکے ظاہر شدن گرفت"[۱]

سلطان المشائخ کو خسرو سے ایسا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کے حضور میں جانے کی جب کسی کی بھی ہمت نہ ہوتی، تو اس وقت خسرو ہی ان کے پاس بھیجے جاتے، کیونکہ وہ غایت شفقت میں فرمایا کرتے کہ میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں، حتیٰ کہ اپنے سر سے بھی تنگ آ جاتا ہوں لیکن خسرو سے کبھی تنگ نہیں آتا،[۲]

سلطان المشائخ کی صحبت میں رہتے رہتے امیر خسرو نے جس عشق مجازی کا راگ اپنی شاعری میں الاپنا شروع کیا تھا، وہ عشق الٰہی سے بدل گیا، رفتہ رفتہ ان میں عشق الٰہی کی ایسی سوزش پیدا ہو گئی کہ سلطان المشائخ فرمایا کرتے کہ قیامت کے روز مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کیا لائے تو میں کہوں گا کہ یہ ترک اللہ کا سوز سینہ،[۳] وہ ان کو محبت میں ترک بچہ کہا کرتے تھے، آخر میں ترک اللہ

[۱] سیر الاولیاء، ص ۳۰۲ [۲] سیر الاولیاء، ص ۳۰۲۔

[۳] سفینۃ الاولیاء، ص ۱۶۰

کہنے لگے تھے[۱]، از راہ لطف و کرم یہ بھی فرماتے کہ بہشت میں امیر خسرو کے بغیر نہ داخل ہوں گا[۲]،

سلطان المشائخ نے اپنے مرید کی شاعری کی بھی بڑی قدر کی، سیرالاولیا، میں ہے کہ ایک بار امیر خسرو ان کے سامنے اپنی ایک غزل گانے لگے، جب اس شعر پر پہنچے

رخ جملہ رانمودہ و مرا گفت تو مبین ‌ ‌ ‌ زین ذوق مست و بے خبرم کین سخن چہ بود

تو سلطان المشائخ نے نگاہ محبت سے امیر خسرو کو دیکھا اور بے خود ہو گئے۔ اسی تذکرہ میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک روز امیر خسرو کے صاحبزادے امیر حاجی نے ان کی ایک غزل حضرت سلطان المشائخ کے سامنے شروع کی اور جب یہ شعر سنایا،

خسرو تو کیستی کہ در آئی درین شمار ‌ ‌ ‌ کین عشق تیغ بر سر مردان دین زدہ است!

تو سلطان المشائخ پر وجد طاری ہو گیا، اور جب امیر حاجی نے اس کو بار بار دہرایا تو سلطان المشائخ نے اسی وجد و کیف میں اپنی ایک دستار امیر حاجی اور ایک امیر خسرو کو دیدی[۳]۔

سلطان المشائخ نے اپنے محبوب مرید کی شاعری پر یہ اشعار کہہ کر اپنی شفقت کا اظہار کیا ہے،

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ‌ ‌ ‌ ملکیت ملک سخن آن خسرو راست

آن خسرو ماست ناصر خسرو نیست ‌ ‌ ‌ زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست[۴]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی کے قصے آج تک مجلسوں میں دہرائے جاتے ہیں، ان کو ہر قسم کا دنیاوی اعزاز حاصل ہوا لیکن اس کے باوجود بھی مرشد کی خدمت ہی کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے، کبھی خلوت میں ان کے

---

[۱] حضرت شیخ المشائخ کی شان میں ایک قصیدہ کہتے ہیں۔

برزبانت چو خطابہ بندہ ترک اللہ رفت ‌ ‌ ‌ دست ترک اللہ گیر و ہم بہ اللّٰہش سپار

[۲] سیرالاولیا ص ۳۰۳ [۳] ایضاً ص ۵۱۶ - ۵۱۵ [۴] ایضاً ص ۳۰۴

ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں ان کو اپنی غزلیں سناتے اور جو شعر ان کو پسند آجاتا اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے،

**خسرو کی جامعیت** قدرت نے خسرو کی آواز میں بھی بڑا درد اور سوز عطا کیا تھا جس وقت وہ خوش گلوئی کے ساتھ اپنا کلام سناتے تو اس میں عجیب کیفیت اور تاثیر پیدا ہو جاتی، آگے چل کر وہ موسیقی کے بھی اساتذۂ فن میں شمار کیے جانے لگے، اور انھوں نے بہت سے نئے راگ بھی ایجاد کیے جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے، غرضیکہ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان کے ذہن، ان کے دل اور ان کی آواز میں کونسی چیز قابلِ ترجیح تھی، مولانا شبلی نے بجا طور پر کہا ہے کہ ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کیے ہوں گے،[1]

**خسرو اور علاء الدین کشلی خان** خسرو کی عمر ۲۰ سال کی ہوئی تو ان کے نانا عماد الملک کا انتقال ہو گیا، نانا کی وفات کے بعد فکر معاش ہوئی، وہ سلطان غیاث الدین بلبن، اس کے شہزادوں اور امراء کے دربار میں اپنے قصیدوں کی وجہ سے متعارف ہو چکے تھے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ سلطان بلبن کو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، پھر خسرو ابھی بہت ہی کمسن شاعر تھے، اس لیے بلبن ان کی طرف خاص طور پر مائل نہیں ہوا، گو خود انھوں نے اس کی شان میں بہت سے قصائد کہے ہیں، لیکن شہزادوں اور امراء کی نظریں خسرو کی طرف اٹھی ہوئی تھیں، ایک دل آویز شخصیت کے لیے جتنے اوصاف ضروری ہو سکتے ہیں وہ سب خسرو میں موجود تھے، دینداری، سخن آرائی، بذلہ سنجی اور خوش الحانی، ان ہی چیزوں کو شہزادے اور امراء اپنے ندیم خاص کے لیے پسند کرتے تھے، خسرو

---

[1] شعر العجم جلد ۲ ص ۱۳۲

میں یہ ساری چیزیں موجود تھیں، ان کو کسی شہزادہ یا امیر کے دربار میں رسائی حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، پھر امرا کا یہ عجیب و غریب دور تھا، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ شمسی، ناصری اور بڑی حد تک بلبنی دور میں بھی خوانین و ملوک میں رشک و حسد اس پر ہوتا تھا کہ کون زیادہ فیاضی کرتا ہے، اگر کوئی خان یا ملک یہ سن لیتا کہ فلاں خان یا ملک کے دسترخوان پر پانچ سو آدمی کھاتے ہیں تو اس کو غیرت آجاتی، اور وہ یہ کوشش کرتا کہ اس کے دسترخوان پر ایک ہزار آدمی شریک رہیں، اگر ان میں سے کسی کو یہ خبر ملتی کہ فلاں ملک نے اپنی سواری کے موقع پر دو سو ٹنکے صدقے کیے ہیں، تو وہ چار سو ٹنکے صدقے میں دیتا، اسی طرح اگر ایک کو معلوم ہوتا کہ کسی نے پچاس گھوڑے اور دو سو آدمیوں کو کپڑے دیے ہیں تو وہ غایت رشک میں سو گھوڑے اور پانچ سو آدمیوں کو کپڑے عطا کرتا[1]، غرضیکہ ان امراء کے جود و سخا کی کوئی انتہا نہ تھی، ایسے ماحول میں تمام امرا خسرو کو اپنے دربار کی زینت و آرائش بنانے کے لیے چشم براہ تھے، لیکن خود انھوں نے سلطان بلبن کے بھتیجے اور اس کے دربار کے باربک علاء الدین کشلی خان (عرف ملک چھجو) کے دامن دولت سے وابستہ ہونا پسند کیا، اور دو سال تک اپنی سخن سنجی اور نغمہ سرائی سے اس کو محظوظ کرتے رہے،

**خسرو اور بغرا خان** پہلے کہا جا چکا ہے کہ ایک روز کشلی خان کے یہاں شعراء کا اجتماع ہوا جس میں شہزادہ بغرا خان بھی شریک ہوا، اس مجلس میں خسرو نے بھی اپنا کلام سنایا، شہزادہ بغرا خان کو ان کا کلام کچھ ایسا پسند آیا کہ اس نے ایک طشت بھر کر خسرو کو روپے انعام دیے، یہ بات کشلی خان کو ناگوار ہوئی کہ اس کا وابستۂ دولت دوسرے کا ممنون ہو، یہ ناگواری اس حد تک بڑھ گئی کہ خسرو اس کے دربار سے علحدہ ہو گئے، اور بغرا خان کے یہاں سامانہ چلے گئے۔ اس کا ذکر بھی آچکا ہے کہ بغرا خان نے

---

[1] برنی ۲ - ۱۰۱

ان کو ندیم خاص بنا کر ان کی بڑی عزت کی، احسان شناسی میں انھون نے اس کی شان مین بھی اچھے اچھے قصیدے کہے ہیں، ۶۷۸ھ مین بغرا خان باپ کے ساتھ لکھنوتی گیا تو اس کی معیت مین وہ بھی تھے، لکھنوتی پہنچے تو یہ جگہ ان کو پسند نہ آئی، بغرا خان نے اپنے خاص درباریوں کے ذریعہ انکو روکنا چاہا، لیکن انھون نے وہاں رکنا پسند نہ کیا، اور بلبن کے ساتھ دہلی واپس چلے آئے،

**خسرو اور شہزادہ محمد سلطان**

لکھنوتی کی مہم مین بلبن کو جو فتح و کامرانی حاصل ہوئی، اس کا جشن دہلی مین دھوم دھام سے منایا گیا، اس موقع پر باپ کی خدمت مین مبارکباد پیش کرنے کے لیے شہزادہ محمد سلطان قیمتی تحائف لے کر ملتان سے دہلی آیا، یہ علم نواز اور ہنر پرور شہزادہ خسرو کا کلام پہلے ہی سن چکا تھا، دہلی کے قیام کے دوران مین اس نے ان کو اپنے یہان بلا کر اور ان کا کلام سننے کا اشتیاق ظاہر کیا، ان کے پاس جو کچھ اس وقت نیا کلام موجود تھا، انھون نے جا کر سنایا، شہزادہ سن کر بے حد محظوظ ہوا، خلعت اور انعام و اکرام عطا کیا،[۱] اور اپنا ندیم خاص بنا لیا، اور جب ملتان جانے لگا تو ان کو ساتھ لیتا گیا، حسن دہلوی بھی شہزادہ کے ساتھ گئے، فرشتہ کا بیان ہے کہ خسرو شہزادہ کے مصحف دار اور حسن دوات دار مقرر ہوئے،[۲] پانچ سال تک ان دونون جلیل القدر شاعرون نے شہزادہ کی بزم کو اپنی سخن آرائی سے بہت ہی پر رونق بنائے رکھا،

خسرو خود ہی غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین:

"پنج سال دیگر پنج آب ملتان را از بحر لطائف خانی آب دادم"[۳]

شہزادہ محمد سلطان بھی خسرو کو ہر طرح کی عنایات سے نوازتا تھا، لیکن خسرو کو دہلی کی یاد برابر ستاتی رہی، دہلی ان کے خیال مین ایک جنت تھی، اس کو قبۂ اسلام کے نام سے یاد کرتے تھے، اس کی سر بفلک عمارتون، محل سراؤن، اس کے تالابون، مرغزارون، اور باغون کی خوشبوؤن کو

۱ دیباچہ غرۃ الکمال ۲ فرشتہ ج ۱ ص ۲۰۸ ۳ اس عبارت میں تجنیس لفظی بھی ملاحظہ ہو،

یاد کر کے ملتان میں بے چین ہو جاتے تھے، وہ سال میں شہزادہ کے ساتھ ایک بار دہلی آتے، ڈاکٹر وحید مرزا کا خیال ہے کہ اسی اثنا میں ان کی شادی بھی ہو گئی تھی[۱]، اور جب وہ اپنی والدہ اور بیوی سے رخصت ہوتے تو ان کو انتہائی شاق ہوتا، لیکن ان کی زندگی کا یہ دور مسرتوں سے معمور رہا، اب وہ ایک نومشق شاعر نہیں رہے تھے، بلکہ ان کی شہرت ہندوستان سے باہر ایران تک پہنچ گئی تھی، اور جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ جب شہزادہ محمد سلطان نے سعدی شیرازی کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تو انھوں نے اپنی ضعیفی کے سبب خود تو آنے سے معذوری کا اظہار کیا، لیکن ہندوستان کے شعراء میں خسرو کے اشعار کی تعریف کی، اور اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنے کو لکھا، لیکن خسرو کو شہزادہ محمد سلطان کی سرپرستی سے جلد ہی محروم ہونا پڑا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ ۶۸۳ھ میں چنگیز خانیوں نے ہندوستان پر یورش کی، تو شہزادہ محمد سلطان نے ملتان سے نکل کر لاہور کے پاس ان کو روکا، لیکن ان سے لڑتا ہوا شہید ہوا، خسرو اس کے ساتھ تھے، شہزادے کی شہادت کے بعد چنگیز خانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، اس گرفتاری کا حال انھوں نے اپنے قصیدہ حکم الحکم میں بہت ہی پر درد طریقہ پر لکھا ہے، اس میں تقریباً دوسو اشعار ہیں، جو رضی نیشاپوری کے ایک قصیدہ کے ہم وزن اور ہم ردیف ہیں، اس کی ابتدا فقر و تصوف اور مواعظ و حکم سے کی گئی ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد اس کے سپاہی خاک و خون میں آلودہ ہو گئے، مغلوں نے ان کے سر کاٹ کر فتراک میں لٹکا دیے، خود خسرو قید کر لیے گئے، ایک بدشکل چوڑے منہ، گندہ دہن اور کچی داڑھی مونچھ والے مغل کے حوالے کر دیے گئے، جو خود تو گھوڑے پر سوار رہا، اور خسرو کو پیاسا اور برہنہ جسم رکھ کر بے دردی سے پاپیادہ گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے چلا، ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے،

---

[۱] دیکھو دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو از ڈاکٹر وحید مرزا، لکھنؤ یونیورسٹی،

ضعف سے لاغر ہو گئے، ان کی آنکھون سے برابر اشک جاری تھے، خود فرماتے ہین،

اسیر گشتم و از بیم آن کہ خون ریزد ۔۔۔ نمی نماند ز خون در تن نحیف و نزار

چو آب بے سر و پا می دویدم و چو حباب ۔۔۔ ہزار آبلہ در پا ز رفتن بسیار

ز پا بپہائے من از آبلہ جدا شدہ پوست ۔۔۔ چنان کہ باز شود در زہائے پا افزار

ز رنج سخت شدہ جان چو قبضۂ شمشیر ۔۔۔ ز ضعف چوب شدہ تن چو دستہ جفّار

دمے نماند نیایم ز بودہ رہ تشنہ ۔۔۔ دمے شدہ شکم من ز ماندۂ ناہار

برہنہ ماندہ تن چون درخت گاہ خزان ۔۔۔ ہزار بارہ چو گل از خراش خار آزار

بگریہ مردمک دیدہ قطرہا می ریخت ۔۔۔ چنان کہ نگسلد از گردن عروسی ہار

فرو جہ کہ مرا پیش کردہ رہ می رفت ۔۔۔ نشستہ بر فرسے چون پلنگ در کہسار

کشادہ از دہنش نکہتے چو بوئے بغل ۔۔۔ فتادہ بر زنخش سبلتے چو موئے زہار

ز ماندگی قدمے گر بماند می بستوہ ۔۔۔ گہے طغانہ کشیدے خشم گہ تکمار

اسی سفر مین ملعون نے ان کے سر پر توبرہ چڑھا دیا تھا، ایک دوسرے موقع پر کہتے ہین

من کہ بر سر نمی نہادم گل ۔۔۔ توبرہ بر سر نہاد و گفت اجل

اسیری سے رہا ہوئے تو خوش نہ تھے، مقتول اور بچھڑے ہوئے دوستون کی یاد مین بیچین رہے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انھون نے اپنے مربی شہزادہ محمد سلطان (خان شہید) کی شہادت پر بڑے دل گداز اور المناک مرثیے لکھے، جو ایک عرصہ تک گھر گھر پڑھے جاتے تھے، ان کو ہم پہلے نقل کر چکے ہین،

اسیری سے رہائی کے بعد خسرو دہلی آئے، مان کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے، مان بھی بیٹے کے فراق مین نیم جان ہو رہی تھین، اس لیے ان کی مسرتون کی بھی کوئی انتہا نہ تھی، خسرو دہلی کو

قبۃ الاسلام سمجھتے تھے، اور ماں کے قدم کے نیچے بہشت دیکھی[1]، اس لیے شہزادوں اور امراء کے درباروں سے الگ رہ کر قبۃ الاسلام کی بہشت ہی میں کچھ دنوں رہنا پسند کیا، پھر دہلی سے مومن پور عرف پٹیالی آگئے، جہاں گنگا کے کنارے مقیم رہے،

**ترتیب دیوان وسط الحیٰوۃ**

اسی زمانہ میں انھوں نے اپنا دوسرا دیوان وسط الحیٰوۃ مرتب کیا، جس میں تقریباً ۵۸ قصائد، ۲ ترجیعات، ۴۲ قطعات، دو مثنویاں، ۱۵۷ رباعیات اور ۳۰۰ غزلیں ہیں[2] ان ہی کے بیان کے مطابق دیوان میں کل اشعار کی تعداد آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہے[3]، اس دیوان کی ترتیب کے وقت ان کی عمر ۳۴ سال کی تھی، علی گڈھ میں یہ زیور طباعت سے آراستہ تو ضرور ہوا، لیکن غالباً اس کی عام اشاعت نہ ہوسکی، اسی لیے صرف محدود حلقہ میں یہ پہنچ سکا، اس کے شروع میں جناب فضل احمد حافظ صاحب کا ۱۵۶ صفحے کا بڑا ہی پرمغز اور فاضلانہ مقدمہ ہے، جس سے

---

[1] غرۃ الکمال میں لکھتے ہیں "چون خدا ے رشتہ عمرم دراز دادہ بود، خلاص یافتم و آن شہر دہ پا الاقدام و تماشا قبۃ الاسلام آمدم و زیر قدم مادر بہشتی شدم"۔ [2] دیکھو مقدمہ وسط الحیٰوۃ نوشتہ فضل احمد حافظ ص ۳۳، [3] یہ تعداد حسب ذیل اشعار میں بتائی ہے،

این کتاب از چنین خجستہ خطاب — واسطہ ست از پے حیات ابد
ہشت ابر آمدست ہر یک آب — در شمردن ز بیتہاے ترش
ما بیک بارہ دیدہ ایم صواب — غنیم یعنی کر ہشت بار بخوان
ہمہ بیت اند جمل کشادہ نقاب — چار صد چل یکے ست و ہشت ہزار
ہیچ کس را درو محل جواب — این شمارست وضع بندہ کہ نیست

غنیم کے اعداد ۱۰۵۰، کو آٹھ گنا کیا جائے تو ۱۰۵۰ × ۸ = ۸۴۰۰ ہوئے، بیت میں ما کے اعداد ۴۱ اور ملا لیے جائیں تو کل آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہوئے، اس صنعت میں اشعار لکھنے پر خسرو فخر کرتے ہیں،

راقم نے کافی استفادہ کیا ہے،

خسرو وسط الحیوٰۃ کے دیباچہ میں خود تحریر کرتے ہیں کہ ان کا یہ دیوان بحیثیت زمانی ہر دیوان سے بہتر ہے، کیونکہ یہ عالم شباب میں مرتب ہوا، جب کہ اس میں بچپن کا تکلف، تصنع اور آوردہ ختم ہو کر باریک بینی، موشگافی، روانی، پختگی، جودت اور متانت آگئی تھی، اور وفور جذبات کا ظہور بدرجۂ کمال تک پہنچ گیا تھا، وہ اپنے زمانہ کہولت کے کلام کو بھی عہد شباب کے کلام پر ترجیح دینا پسند نہیں کرتے، ان کا خیال تھا کہ

درجوانی سخن جوان باشد. سخن پیر ناتوان باشد

گو ان کا کلام ان کی پیری میں بھی جوان رہا،

یہ دیوان مذہبی، روحانی، علمی، ادبی اور تاریخی حقایق کا ایک عجیب وغریب مجموعہ ہے، حمد میں ربوبیت، احکم الحاکمین کی غیر متناہی وسعت، اس کی شان رزاقی اور کمال رحمت کا ذکر ہے، ایک حمدیہ قصیدہ کی خاص بات یہ ہے کہ ہر دعوی کو آیت قرآنی سے ثابت کیا ہے، یہ صنعت ان کی خاص ایجاد ہے، مختلف نعتیہ قصائد میں مواعظ وحکم کے علاوہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو طبیب روحانی، معلم اول، اور محرم راز ثابت کر کے تمام کائنات کو ان کے خوان ہستی پر ذرہ وار عدم بتایا ہے، پھر اپنے محبوب مرشد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی منقبت میں بے ثباتی عالم، زہد وطاعت، نفس کشی پر معارف وحقایق بیان کر کے مرشد کی نظر کیمیا اثر، ان کی شب بیداری اور روشن ضمیری وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اسی دیوان میں خاقانی کے طرز پر عالم العلم کے نام سے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس میں اپنی قوت تخیل سے پورا کام لے کر خاص خاص علوم وفنون مثلاً کیمیا، سیمیا، طبیعیات، نحو، منطق، فلسفہ، کلام اور نجوم کے رموز بتائے ہیں،

وسط الحیوٰۃ کے قصائد میں دو صنعتوں کا ذکر خود خسرو اپنے دیباچہ میں خاص طور پر کرتے ہیں،

ایک تو یہ کہ اس مین زیادہ تر کلام ذو معنین ہے، اس کی مثالین بکثرت ہین، دوسرے یہ کہ ممدوح کی مدح مین ایک بیت مین اسکا لقب اور دوسری مین اس کا نام لائے ہین، تاکہ ممدوح کے نام کو بھی بقا حاصل ہو، اس کی کئی مثالین خود ہی دی ہین، مثلاً

اگر ز لطف برین بندہ مہربان نبود — ہنوز تا چہ کند کہ غمزہ ہائے نیزہ ورت

کہ خبر بدولت از محمدت نشان نبود — ستودہ نصرت دنیا محمد سلطان

اس صنعت کا نام انھون نے خود تخلص حامل موقوف رکھا ہے، یہ صنعت آگے چل کر بہت عام ہوگئی، تاریخی حیثیت سے نہ صرف وہ قصاید اہم ہین جو خسرو نے اپنے مربیون مثلاً شہزادہ محمد سلطان، بلبن، کیقباد، بغراخان، اختیار الدین کشلی خان، شمس الدین دبیر، تاج الدین الپ وغیرہ کی مدح مین لکھے ہین، بلکہ ان کی ترجیعات بھی زیادہ تر تاریخی واقعات پر مشتمل ہین، پہلی ترجیع مین جو پانچ بندون کی ہے، شہزادہ محمد کی ستایش ہے کہ اس نے مغلون کے فتنہ کو کس طرح دبایا، دوسری ترجیع کا نام عین المعانی ہے، اس مین مغلون کو حدود ملتان سے بخارا کی طرف بھگانے کا بیان ہے، تیسری ترجیع نشاط عید، اور مغلون کی مزید شکست پر ہے، چوتھی ترجیع مین معز الدین کیقباد کی مدح اور "تہنیت تاج پوشی" ہے، پانچوین ترجیع نو روز الورود اور چھٹی ترجیع حدیقۃ الحدقات اختیار الدین کشلی خان کی تعریف و تحسین مین ہے، ساتوین ترجیع "نعت الغزا فی نعت الغزا" شہزادہ محمد کی شہادت اور مغلون کے مظالم پر ہے، آٹھوین ترجیع مین شہزادہ محمد کا مرثیہ ہے، جو ہر زمانہ مین بہت ہی مقبول رہا، ان ترجیعات کے علاوہ مثنویون سے بھی اس عہد کے مستند تاریخی واقعات معلوم ہوتے ہین، ایک رزمیہ مثنوی مین سلطان بلبن نے طغرل کے خلاف لکھنوتی مین جو لشکر کشی کی تھی، اس کی پوری تفصیل لکھی ہے، اسی مثنوی مین شہزادہ محمد کی فتح دمریلہ و نگرکوٹ وغیرہ کا بھی ذکر ہے، ان فتوحات کے بعد ۶۸۲ھ مین شہزادہ نے مغلوں سے معرکہ آرائی کی،

جس میں ان کا سردار خلجک اور اس کے بڑے بڑے ساتھی مارے گئے، اس میں ان جانبازوں کے نام بھی ہیں جنھوں نے بڑی پامردی اور دلیری سے جنگ کر کے مغلوں کو شکست دی، پھر مغلوں کے حلیہ و شباہت کا بھی بیان ہے، جس کے ذکر میں خسرو کے قلم میں غیر معمولی روانی پیدا ہو جایا کرتی تھی، خسرو کی دوسری مثنوی میں بھی شہزادہ محمد سلطان اور مغلوں کی ایک اور جنگ کی تصویر کھینچی گئی ہے، پھر متعدد قصائد، ترجیعات، قطعات میں بھی مغلوں کی پسپائی اور ہزیمت کا ذکر ہے، بقول جناب فضل احمد حافظ صاحب (مرتب وسط الحیوٰۃ) مغلوں کی شکست کے موقع پر امیر کا قلم رقاصہ کی طرح طرب انگیز ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ان کو شہزادہ محمد سے بڑی شیفتگی تھی، کیونکہ وہ نہ صرف علم دوست اور علم نواز تھا، بلکہ اپنی نبرد آزمائی، لشکر شکنی، شمشیر زنی اور قادر اندازی میں اپنی مثال آپ تھا، اس نے جس دلیری اور پامردی سے مغلوں کی سرکوبی کی وہ ہندوستان کی تاریخ کا واقعی ایک بڑا کارنامہ ہے، خسرو اپنے ممدوح کے اس کارنامہ کا ذکر مختلف پیرایوں میں کر کے نہ صرف اپنے زور قلم اور قوت بیان کا ثبوت دیتے رہے، بلکہ اپنے محبوب مربی اور سرپرست کے جوہر کو بھی اس عہد کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے، اور آج یہی قصائد، ترجیعات اور قطعات وغیرہ تاریخی لٹریچر کی حیثیت سے بڑے ہی مفید اور اہم ہو گئے ہیں،

**خسرو اور خاقانی** پہلے کہا جا چکا ہے کہ خسرو کے شباب کی تیزی فکر، بلندی ہمت اور روانی طبع نے ان کے قلم کو جادو رقم بنا دیا تھا، اس لیے ان کے کلام میں جودت طبع کے ساتھ عذوبت، فصاحت اور بلاغت بھی پیدا ہونے لگی، ان کو خود فخر ہے کہ ان کے دریائے سخن کی موجوں سے لوگوں کے دامن گہر آبدار سے بھرنے لگے،

چون ز دریائے سخن موج سخائے می زنم　　　دامن از بار گہر صد بارہ بینی خلق را

اور اسی تیزی فکر اور بلندی ہمت میں اپنے کلام کو پرانے اساتذہ کے کلام کے ہم پلہ بنانے کی کوشش کی،

تحفۃ الصغر میں تو اپنے عجز بیان کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمت آسمان پیما رکھنے کے باوجود وہ خاقانی کی تقلید میں ناکام رہے، لیکن وسط الحیوٰۃ کے دیباچہ میں ان کا خود دعویٰ ہے کہ خاقانی کی تقلید کامیابی کے ساتھ کی، لکھتے ہیں:

"...... بعد از و (یعنی خاقانی) ہیچ صاحب سخن را دین قوت و قدرت نبود کہ این صناعت را متابعت کند مگر بندہ خسرو کہ بعض اشعار خود را ہم بطرز استاد خاقانی نام شعرا در شارع ابیات راندہ است ...... (ص ۵۰)

وسط الحیوٰۃ میں ایسے کئی قصائد ہیں جو خاقانی کے رنگ میں کہے گئے ہیں، کچھ تو ہم گذشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں، کچھ اور مثالیں بھی ملاحظہ ہوں، خاقانی نے بحر مضارع مثمن مکفوف محذوف میں ایک نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

قحط وفاست در بنہ آخر الزمان　　　ہان اے حکیم پردۂ عزلت بساز ہان

خسرو نے بھی خاقانی کے اسی طرز میں ایک نعت کہی جو بحر مجتث مخبون مقصور میں ہے، اس میں تقریباً ۸۱ اشعار ہیں، اس کا مطلع یہ ہے،

رسید کوکبۂ آفتاب در سرطان　　　سحاب گشت روی زمین ستارہ فشان

پورے قصیدہ میں خاقانی ہی کی طرح الفاظ کی باہمی تقابلین کی سنگینی اور تلمیحات کی فراوانی ہے، جن کو سمجھنے کے لیے ذہن و شعور کو بیدار رکھنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں:

محمد ابن ذبیحین و صاحب قوسین　　　کہ زیب یافت از و دو کمان و دو قربان

نیامدست چنان فرخ اختری بشمار　　　حساب احسن تقویم را بہ ہیچ قران

از و چو مژدۂ لاتقنطوا رسید بما　　　ز فیض رحمت رحمٰن کرانست حرمان

کسے کہ سنگ رو دان کرد سوے گوہر او | ہر آئینہ گہرے داد ش از ین دندان
کونات ہمہ رو ندۂ عدم می داشت | بدان امید کہ قدرت اندہ زہستی خوان
معلم اوست با وراق علم الا سماء | خلیفہ آدم و ما طفلی از دبیرستان

اسی طرح خاقانی کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

عروس عاقیت آنگہ قبول کرد ما | کہ عمر بیش بہا دادش بشیر بہا

اس زمین مین بھی خسرو نے ایک طویل غیر نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جو انھون نے اس وقت کہا تھا جب وہ اختیار الدین کشلی خان کے لشکر کیساتھ دہلی سے باہر جا رہے تھے، شدید گرمی کا زمانہ تھا باد سموم چل رہی تھی، آسمان سے آگ برس رہی تھی، اور موسم کی سختی کے ساتھ اعزہ و اقربا کی مفارقت کا بھی غم تھا، ان ہی کیفیات کو خسرو نے خاقانی کے مذکورۂ بالا نعتیہ قصیدہ کی زمین مین منظوم کیا ہے اور اس کا نام مروۃ الروح رکھا ہے، جس مین تقریباً ۱۱۲ اشعار ہین، اس کی ابتدا اس طرح کی ہے

دو رویہ بست کمر آفتاب در جوزا | بہ پشت ہفت زمین آتشے فگند صبا
بباد خانہ درون رفت گرم کرد مزاج | کہ سوئے باد رود دہر کہست در گرما
چنان ز آتش خورشید صبح می بدمد | کہ نفت آن ز زمین می رود براوج سما
خود آفتاب ندیدہ ز صبح جز دم صدق | شود کہ گرم شود از دو روئی جوزا

خاقانی نے بحر خفیف مخبون محذوف مین ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع یہ ہے،

الصبوح الصبوح کامد کار | النثار النثار کامد یار

اسی بحر اور وزن مین خسرو نے بھی غیاث الدین بلبن کے لیے ایک قصیدہ کہا ہے، جس کو وہ اس طرح شروع کرتے ہین،

روئے بنمود صبح سیم عذار | ساقی صبح روئے بادہ بیار

جام دہ رو نما بہ صبح کہ باز — روئے بنمود صبح سیم عذار

شمع را سر آمد ست حیات — شربتے از قینہ بیروں آر

خسرو جب خاقانی کی تقلید کرتے ہین تو وہی انداز، وہی ترکیبیں اور وہی استعارے استعمال کرتے ہین لیکن خود خسرو وسط الحیٰوۃ کی قصائد نگاری کے زمانے ین اس سے زیادہ تعلی بھی نہیں کرتے، جیساکہ اوپر ایک اقتباس مین ظاہر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ انھون نے کسی دور مین بھی اپنے کو کسی طرز خاص کا موجد نہین بتایا ہے، البتہ اپنی سخن وری اور شہ زوری مین کہین کہین خاقانی سے زیادہ لطیف تر اور پر کیف اشعار کہہ گئے ہین، مثلاً دونون کے حسب ذیل اشعار ملاحظہ ہون۔

خاقانی۔ جام فرعونی اندر آکہ صبح — دست موسیٰ بر آرد از کہسار

خسرو۔ جام دہ رو نما بہ صبح کہ بار — روئے بنمود صبح سیم غدار

خاقانی۔ چرخ برکار و یار و ما بہ صبوح — می کند لعبتان دیدہ نثار

خسرو۔ شمع را بر سر آمد ست حیات — شربتے از قینۂ بیرون آر

خاقانی۔ در سفال خم آتشے ست کہ ہست — عقل حراق اود روح شرار

خسرو۔ آتش شرق از دمیدن صبح — می زند شعلہ بے دخان وشرار

خاقانی کے اشعار کے "جام فرعونی" اور "دست موسیٰ" کے مقابلہ مین خسرو کا "صبح سیم غدار" زیادہ لطیف تر معلوم ہوتا ہے، اسی طرح خاقانی نے ستارے کے لیے "لعبتان دیدہ" کا استعارہ استعمال کیا ہے، اور عقل کو "حراق" اور روح کو "شرار شراب" کہا ہے، لیکن خسرو کے استعارے زیادہ موزون اور برجستہ ہین، وہ کہنا چاہتے ہین کہ رات ختم ہونے کو ہے تو کہتے ہین،

شمع را بر سر آمد ست حیات

خسرو نے شراب کو آتش شرق اور اس کے جوش کو شعلۂ بے دخان وشرار کہہ کر اپنے

شعر کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور قریب الفہم بنایا ہے،[1]

خسرو نے اسی قصیدہ مین مقامی رنگ پیدا کرکے اس کو اپنے ناظرین کے لیے اور بھی زیادہ پرکیف بنا دیا ہے، مثلاً کہتے ہین:

خاک عودی بہ صندلی زمین | صندلے سودہ شد زباد بہار

می رود باد صبح و ہمی آید | زو مرا بوئے لالہ و گلنار

آب را لب پر از نبات شدہ است | از شکر خندہ گل و گلنار

باز پیغام گل بہ بلبل گفت | چشم نرگس بہ نوک غمزۂ خار

کوژ گشتہ بنفشہ می جوید | درگہ باران بہ خاک کرد نثار

از ہوا آب می خورد غنچہ | دست در پیش داشتہ چو چنار

خسرو اور کمال اسمٰعیل — خسرو نے خلاق المعانی کمال اسمٰعیل اصفہانی کے رنگ مین بھی قصائد لکھکر اپنے زور طبع کا ثبوت دیا ہے، مثلاً کمال اسمٰعیل کے قصیدہ کا ایک مطلع ہے،

بگویم و نہ کند رخنہ در مسلمانی | تو ئی کہ نیست ترا در ہمہ جہان ثانی

اسی زمین اور قافیہ مین خسرو کا مطلع ہے،

چو زلف غالیہ گون بر عذار بنشانی | نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی

اسی قصیدہ مین خسرو کے بعض اشعار کمال کے اشعار سے زیادہ بہتر ہو گئے ہین، کمال کے اس قصیدہ کا تیسرا شعر یہ ہے،

ز تاب چشم تو پیکا نہائے لعل شود | بہ چشم خصم تو در لعل ہائے پیکانی

اس شعر مین پیکا نہائے لعل اور لعل ہائے پیکان کے الٹ پھیر نے لذت ضرور پیدا کر دی ہے

[1] اسی طرح کی اور مثالون کے لیے دیکھو مقدمہ وسط الحیوٰۃ ص ۶۸-۷۴ مرتبہ فضل احمد خانصاحب علی گڑھ ایڈیشن،

لیکن خسرو کے قصیدہ کا تیسرا شعر اس شعر سے بلاشبہہ بلند ہے، وہ کہتے ہیں،

خراب کرد جہان چشم کافرت افسوس — کہ نیست ہیچ کسے را غم مسلمانی

کمال کی تاب چشم کو خسرو نے دوسرے رنگ میں پیش کیا ہے، چشم کافر کی غارتگری سے دنیا میں جو ویرانی پیدا ہوئی تو پھر فکر مذہب یعنی غم مسلمانی باقی نہ رہا، اس پر اظہار افسوس جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے خسرو کے شعر میں ندرت پیدا ہو گئی ہے،

دونوں اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف کرتے ہیں،

کمال۔ چو ابر جود تو باران جود بارانید — ہوا ز ابر بپوشد لباس بارانی

خسرو حدیث بخشش او باد اگر برابر برد — ہزار بار کند ابر تیرہ بارانی

خسرو نے "ہزار بار" کہہ کر اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف میں جو نکتہ پیدا کر دیا ہے وہ کمال کے شعر میں نہیں پایا جاتا،

اسی طرح ایک دوسرے ہم قافیہ اور ہم ردیف قصیدہ میں کمال کا قصیدہ ہے،

زہے سنبل تر کردہ لالہ را پردہ — بر آسمان زدہ عکس رخت سراپردہ

کمال کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ممدوح کے عکس رخ نے آسمان پر حسن کا ایک خیمہ بنا دیا ہے، اس لیے خط کو سنبل تر اور رخ کو لالہ قرار دیا ہے، اب خسرو کا مطلع ملاحظ ہو،

بکش بگرد رخ از خط دلربا پردہ — کہ کس ز شب نہ کند آفتاب را پردہ

خسرو نے خط دلربا کو شب اور چہرۂ تابان کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے، اور تعجب کے لہجے نے اس میں خاص ندرت اور بلاغت پیدا کر دی ہے،

اسی قصیدہ میں کمال کا ایک شعر ہے کہ

بیکے ز چہرہ برانداز پردہ تا خورشید — فرو گذارد بر چہرہ از حیا پردہ

یعنی آفتاب رخ یار کے بے نقاب ہونے سے شرمندہ ہو کر پردہ نشین ہو جاتا ہے، اس کے مقابلہ مین خسرو کے شعر کے اسلوب کی لطافت اور برجستگی ملاحظہ ہو،

زبیم آنکہ رسد چشم آفتاب بتو　　　　ببند د ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ

یعنی ایسا نہ ہو کہ آفتاب کی نظر بد رخِ ممدوح پر پڑ جائے، اس لیے ابر ہر وقت ہوا مین بادلون کا پردہ کیے ہوئے ہے،

وسط الحیوٰۃ کے فاضل مقدمہ نگار فضل احمد حافظ نے اپنے مقدمہ مین بہت سی مثالین دے کر کمال پر خسرو کی فوقیت ثابت کی ہے،[۱] ممکن ہو کہ فضل احمد حافظ صاحب کی رائے سے بعض ارباب نظر کو اتفاق نہ ہو، لیکن اس مین شک نہین کہ خسرو نے باکمال قصیدہ نگارون کی تقلید مین قصائد کہہ کر نہ صرف اپنی غیر معمولی قدرت کلام جزالت بیان، پرواز فکر اور رفعتِ تخیل کا ثبوت دیا، بلکہ وہ اس طرح آسمانِ شاعری کے نیر اعظم بننے کے لیے ہفت خوان بھی طے کرتے جا رہے تھے،

**خسرو کی غزل گوئی**

خسرو جس طرح باکمال قصیدہ نگارون کے تتبع مین قصائد کہہ کر اپنے شاعرانہ ذہن کو جلا دے رہے تھے، اسی طرح باکمال غزل گویون کے طرز مین غزلون پر غزلین کہہ کر اپنی سخنوری کے جوہر آبدار مین چمک دمک پیدا کرنے کی بھی کوشش کر رہے تھے،

وسط الحیوٰۃ کے مطبوعہ نسخہ کے مقدمہ مین جناب فضل احمد حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ اس مین تقریباً تین سو غزلیات ہین، اور پھر شروع مین ان غزلون پر پر مغز تبصرہ بھی کیا ہے، یہی مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر ہے، مگر اس مین ایک غزل بھی نہین، شاید طبع ہونے سے رہ گئی ہون، اس لیے ہم ان پر اپنا حقیر تبصرہ ہدیۂ ناظرین کرنے سے قاصر ہین، پھر بھی جناب فضل احمد حافظ صاحب نے اپنی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور لطافتِ ذوق سے جو تبصرہ کیا ہے اسی کی خوشہ چینی

---

[۱] دیکھو مقدمہ وسط الحیوٰۃ ص ۶۰ - ۵۵

کرتے ہوئے، یہان پر ہم بعض ضروری باتین درج کرتے ہین،

وسط الحیٰوۃ کی غزلین اس کے قصائد کی طرح خسرو نے اپنے عالم شباب یعنی ۲۰ سے ۴۳ سال تک کی عمر مین لکھی ہین، اس زمانہ مین شیخ سعدی کی غزل گوئی کا غلغلہ بلند تھا، خسرو زیادہ تر ان ہی کی سادگی، صفائی اور شیرینی سے متاثر ہوئے اور اپنی غزلون مین ان ہی کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا، البتہ بعض غزلون مین انکا فطری رنگ یعنی سوز و درد زیادہ نمایاں ہوگیا ہے، ان مین یہ سوز و درد فطرت کی طرف سے تو عطا ہوا ہی تھا حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی صحبت نے ان مین اور بھی زیادہ چنگاریان بھر دین، لیکن اس سوز و درد کے ساتھ مجموعی حیثیت سے شیخ سعدی ہی کے تبع رہے، وسط الحیٰوۃ مین ایسی بہت سی غزلین ملین گی جو سعدی کی تقلید مین کہی گئی ہین، یہاں پر ہم دونون کی بعض غزلونکے مطلعے ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

| | | |
|---|---|---|
| سعدی | گر درون سوختۂ با تو برآرد نفسے | چہ تفاوت کند اندر شکرستان مگسے |
| خسرو | من ترا دارم وجز لطف توام نیست کسے | در جہانم نبود غیر تو فریاد رسے |
| سعدی | فراق دوستانش باد و باران | کہ مارا دور کرد از دوستداران |
| خسرو | ہمی ریزی بنازی خون یاران | ہمی باشد سزائے دوستداران |
| سعدی | بسکہ در منظر تو حیرانم | صورتت را صفت نمی دانم |
| خسرو: | اے وجود تو دیدۂ جانم | جسم پیدا و جان پنہانم |
| سعدی: | من آن نیم کہ دل از مہر دوست بردارم | دگر ز غصۂ دشمن بجان رسد کارم |
| خسرو | بدیدۂ کہ ترا دیدہ ام نمی یارم | کہ آن نظر ز تو بر روئے دیگرے آرم |
| سعدی: | شکست عہد مودت نگار دلبندم | برید عہد وفا یار سست پیوندم |
| خسرو: | چو من ز دوست بداغ درونہ خرسندم | نہ دوستی بود از دل بہ مرہمے بندم |

سعدی: کس نگزشت در دلم تا تو بخاطر منی — یک نفس از درون جا خیمه برون نمی زنی

خسرو: اے زغبار خنگ تو یافته دیده روشنی — چند بشوخی و جفا قصد هلاک من کنی

اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حافظ شیرازی کی بعض غزلیں خسرو کے رنگ کی ہیں، اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ نے خسرو کی غزلیں سامنے رکھ کر غزلیں کہی ہیں، مثلاً

خسرو: بیا جاناں کہ جانت را بمیرم — دگر میرم بجان منت پذیرم

حافظ: بتیغم گر زند دستش نگیرم — وگر تیرم زند منت پذیرم

خسرو: نظر گفتند داری با فقیران — من مسکین نه آخر هم فقیرم

حافظ: نصاب حسن در حد کمال ست — زکاتم ده که مسکین و فقیرم

خسرو: نمی آید بگوشت نالهٔ من — که گوش چرخ کر گشت از نفیرم

حافظ: من آن مرغم که هر شام و سحرگاه — رسد تا سدره آواز نفیرم

خسرو: رحمے که بر در تو غریب افتاده ایم — وز خون دل ز دست تو چون جام باده ایم

حافظ: ما سرخوشان مست دل از دست داده ایم — هم راز عشق و هم نفس جام باده ایم

خسرو: آخر چه شد که چشم به بستی بروئے من — زینسان که ما بروئے تو ابرو گشاده ایم

حافظ: بر ما بسے کمان ملامت کشیده اند — تا کار خود ز ابروئے جانان گشاده ایم

خسرو: عزم آن دارم که از دل نقد جان بیرون کنم — آرمت در پیش و خود را از میان بیرون کنم

حافظ: دوش سودائے رخت گفتم ز سر بیرون کنم — گفت کو زنجیر تا تدبیر این مجنون کنم

خسرو: حال خود باز بر آئین دگر می بینم — باز کار دل خود زیر و زبر می بینم

حافظ: این چه شوریست که در دور قمر می بینم — همه آفاق پر از فتنه و شر می بینم

خسرو: می رسد از پے من رنج که من روز بروز — روزگارے دل شوریده بتر می بینم

حافظ: ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام — مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم

خسرو نے شان خسروی ہیں اپنے خاص رنگ مین بھی غزلین کہی ہین، مثلاً وہ یہ کہنا چاہتے ہین کہ سلوک کا اعلی درجہ وجود ننگ سے چھٹکارا کرکے ہی حاصل ہو سکتا ہے، تو وہ ایک اچھوتے انداز سے ایک مسلسل غزل مین کہتے ہین،

اگر اصحاب عشرت مے پرستند — بیا ساقی کہ من ساقی پرستم
مرا گویند درستی چہ دیدی — کہ می گوئی دل اندر بادہ بستم
تعالی اللہ ازین بہتر چہ باشد — کہ از ننگ وجود خویش رستم

معرفت کے سلسلہ میں کہنا چاہتے ہیں کہ جلوۂ الٰہی ہر جگہ نمایان ہے، لیکن اس حقیقت کا ادراک انسانی طاقت سے باہر ہے،

سخنت بسرو گویم خبرت زباد پرسم — تو درون دیدۂ دل زکسان چرات جویم
بدل و بدیدہ و جان ہمہ جا نہفتہ ہستی — چو نہ بینم آشکارا بکدام جات جویم
تو کہ بر در تو گم شد سر و تاج بادشاہان — چہ خیال فاسد ست این کہ من گدات جویم

یہ تو صوفیانہ رنگ کی غزلین ہین، عاشقانہ رنگ کی ایک غزل مین کہتے ہین،

ما دل شدگان بے قراریم — ما سوختگان خام کاریم
آتش زدگان سوز عشقیم — رسوا شدگان کوئے یاریم
بودیم خراب بادۂ دوش — امروز ہم اندران خماریم

سوز عشق کی مصوری کی ہے، اس طرح کہ آتش دل سے دو آدہ اور آخر مین طوفان دیدہ کی بدولت ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہین، بلندی عشق اور ہستی فانی کی تصویر کھینچتے ہوئے کہتے ہین،

ما کہ در راہ عشق قدم زدہ ایم — بر خط عافیت رقم زدہ ایم

تا بطوفان عشق غرقه شویم — بر سر لنه فلک علم زده ایم

چونکه اندر وجود نیست ثبات — دست در نامهٔ عدم زده ایم

هم چو خسرو ز نیستی اے دوست — هستی هر دو کون کم زده ایم

ہم اس کتاب مین خسرو کی یہی دو چار غزلون کے نمونے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، انشاء اللہ آیندہ جلد مین عزۃ الکمال اور بقیہ نقیہ کا مطالعہ کرتے وقت یہ دکھانے کی کوشش کرینگے کہ خسرو نے غزلون کی بحرون کی موزونی، تشبیہات و محاورات کی جدت کے ساتھ سوز و گداز، تشنگی و نیاز عشق کی ہنگامہ آرائی حسن کی دلربائی، واردات عشق کی بےخودی، دنیا کی بے وفائی اور حقایق و معارف کی نکتہ آرائی سے خمخانۂ سعدی کی شراب کو دوبارہ کھینچ کر کس طرح تیز کر دیا،

**حسن سجزی**

حسن سجزی خسرو کے قلبی دوست تھے، وہ اپنی شاعری کے لحاظ سے خسرو کے ہم پلہ تو نہین ہین لیکن اپنے عہد مین خسرو ہی کی طرح ممتاز اور جلیل القدر رہے،

ان کا اصل نام نجم الدین حسن تھا، بعض تذکرہ نویسون نے ان کا نام نجم الدین بن علا سجزی لکھا ہے، علاء ان کے والد بزرگوار کا نام تھا، اس لیے انھون نے شاید والد کے اسم گرامی کی مناسبت ہی سے فوائد الفواد کے دیباچہ مین اپنے آپ کو حسن علا سجزی لکھا ہے، سجزی کی نسبت سے ظاہر ہے کہ ان کے آبا و اجداد سجستان یا سیستان کے رہنے والے تھے، نسباً ہاشمی تھے، دیوان حسن سجزی دہلوی کے لایق و فاضل مرتب جناب مسعود علی محوی بی، اے (علیگ) نے اس کے دیباچہ مین حسن سجزی کے اس شعر سے

پروردهٔ فضل ایزدش ارشاد غیبی مرشدش — بوده بدایون مولدش دہلی است نشو و نماشتش

ان کا مولد بدایون بتایا ہے[1] لیکن ان کی نشو و نما دہلی مین ہوئی، اس لیے ان کے نام کے ساتھ دہلوی

[1] دیباچہ دیوان حسن دہلوی ص ۱۸، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدرآباد دکن، اس پر مغز عالمانہ دیباچہ مین حسن دہلوی سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کر دیے گئے ہین،

لکھا جاتا ہے، ان کا سنہ پیدائش ۶۵۲ھ ہے، یعنی خسرو سے ایک سال چھوٹے تھے،

تحصیل علم کی تفصیل تو معلوم نہیں، لیکن ان کے دیوان اور فوائدالفواد کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی پر انکو پورا عبور حاصل تھا، فارسی کے تو ایسے شاعر ہوئے کہ سعدی ہندوستان کے لقب سے مشہور ہوئے، عربی میں قواعدالنحو کے نام سے ایک کتاب لکھی جو بہت مشہور ہوئی،[1] ان کے پیر بھائی مولانا ضیاءالدین برنی نے لکھا ہے کہ سلاطین، اکابر اور دہلی کے اولیاء اللہ کے بارہ میں ان کا علم بڑا حاضر تھا،[2]

مولانا ضیاءالدین برنی کی وساطت سے خسرو اور حسن میں محبت و یگانگت پیدا ہوئی، جیسا کہ وہ خود اپنی تاریخ فیروزشاہی میں لکھتے ہیں

"واز محبت من میان ایشان ہر دو دوستی و قرابتے شد"[3]

خود برنی کے تعلقات ان دونوں ارباب کمال سے بڑے گہرے اور مشفقانہ رہے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ ان دونوں کو میرے بغیر اور مجھکو ان دونوں کے بغیر چین حاصل نہ ہوتا تھا،[4]

خسرو کی طرح حسن کی شاعری کی بھی شہرت ان کی کمسنی ہی میں ہر طرف پھیلی، یہ تو تمام تاریخوں اور تذکروں میں ہے کہ وہ خسرو کے ساتھ شہزادہ محمد سلطان کے دربار سے وابستہ ہوئے لیکن پہلے ہم فوائدالفواد کے حوالہ سے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ شہزادہ بغرا خان اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی کی مہم پر گیا تو اس سفر میں حسن اپنے عزیز مولانا شمس دبیر کے ساتھ تھے،[5] اسی مہم میں

---

[1] دیباچہ دیوان حسن دہلوی ص ۲۷ [2] تاریخ فیروزشاہی ص ۳۶۰ [3] تاریخ فیروزشاہی ص ۳۶۰۔ فرشتہ (جلد دوم ص ۴۰۲) نے حسن کے حسن و جمال اور خسرو کی شیفتگی کی جو روایت لکھی ہے، اسکی ناقدانہ تردید مسعود حسن محوی نے دیوان حسن سجزی دہلوی کے دیباچہ (ص ۲۹-۲۷) اور ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو (ص ۵۰-۴۷) میں کر دی ہے [4] تاریخ فیروزشاہی ص ۳۶۰ [5] فوائدالفواد ص ۱۲۸

خسرو بھی شہزادہ بغرا خان کی معیت مین لکھنوتی گئے، خیال ہوتا ہے کہ شاید حسن بھی خسرو کے ساتھ شہزادہ بغرا خان کے یہان سامانہ جاکر اس کے ندیم خاص ہو گئے ہون، اور اس کے جلو مین لکھنوتی گئے ہون، لیکن خسرو کی طرح وہ بھی لکھنوتی مین نہ ٹھہرے، اور دہلی آگئے، لکھنوتی کی فتح پر شہزادہ محمد سلطان باپ کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے ملتان سے دہلی آیا، اور جب پھر اپنے اقطاع پر واپس جانے لگا تو جوہر شناس شہزادہ خسرو کے ساتھ حسن کو بھی ساتھ لیتا گیا، اور ان کو اپنا دوات دار مقرر کیا[1]، اور ان دونون جلیل القدر شعرا کی وجہ سے شہزادہ کی بزم ادب مین پانچ سال تک بڑی گرما گرمی رہی، دونون نے اپنی کمسنی کے باوجود شہزادہ کی سرپرستی مین اپنی اپنی نظم و نثر کے کمال کا اچھی طرح اظہار کیا، شہزادہ نے بھی ان دونون کو اپنے جود و سخا سے خوب سیراب کیا، اور ان دونون سے زیادہ کسی اور کو اس سے تقرب حاصل نہین رہا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین:

"امیر خسرو اور امیر حسن اس کی (یعنی شہزادہ محمد سلطان کی) ملازمت مین تھے، اور پانچ سال تک ملتان مین اس کے ساتھ رہے، اور شہزادہ کے ندیم کی حیثیت سے اس سے وظیفہ اور انعام پاتے رہے، شہزادہ مین جو دانشمندی تھی، اس کی بنا پر اس نے اپنی چند مجلسون مین ان دونون شاعرون کے فضل و کمال عقل اور ہنر کا اندازہ کر لیا، اور اپنے تمام ندیمون مین سے ان کو خاص طور پر پسند کیا، اور ان دونون اساتذہ کی نظم و نثر نے اس کو خوش رکھا، اور اس نے بھی ان کو اپنے مخلصون مین شمار کیا، اور دوسرے ندیمون کے مقابلہ مین ان کے ساتھ زیادہ لطف کا اظہار کیا، اور ان کو زیادہ انعام اور زیادہ بہتر کپڑے دیے" (ص ۶۷)

لیکن پانچ سال کے بعد ان ارباب کمال کی بزم درہم برہم ہو گئی، پہلے کہا جا چکا ہے کہ

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ نو لکشور ص ۲۰۷

شہزادہ محمد سلطان چنگیز خانیون کے خلاف ایک معرکہ مین لڑتا ہوا شہید ہوا، مولانا شبلی شعر العجم (ج ۲ ص ۱۱۱) میں تحریر فرماتے ہیں کہ امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی اس معرکہ مین شریک تھے، چنانچہ تاتاری ان کو گرفتار کرکے بلخ لے گئے[1]۔ خسرو کی طرح حسن پر بھی شہزادہ کی شہادت کا بڑا گہرا اثر پڑا، اور انھون نے اپنے غم والم اور کرب و اضطراب کا اظہار ایک منثور مرثیہ مین کیا، جو خسرو کے منظوم مرثیہ کی طرح بے حد مقبول ہوا، ان دونون مراثی کو ہم پہلے نقل کرچکے ہین، شہزادہ کی شہادت کے بعد حسن دہلی آکر گوشہ نشین ہوگئے اور اپنے مربی اور سرپرست شہزادہ کی یاد مین گھلتے رہے، اور ایک مدت کے بعد شاہی دربار سے وابستہ ہوئے، جیسا کہ سلطان علاء الدین خلجی کے سلسلہ مین آئندہ جلد مین ان کا ذکر آئے گا۔

[1] جناب مسعود علی صاحب محوی لکھتے ہین کہ ہمیں اب تک کوئی ایسا مواد نہیں ملا جس کی بنا پر یہ کہہ سکیں کہ امیر حسن بھی قطعاً شریک معرکہ اور گرفتاری اور قید میں امیر خسرو کے ساتھ تھے، ہمارے مکرم استاد مولانا شبلی مرحوم نے حیات خسرو میں ایک فقرہ تحریر فرمایا ہے جس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ حسن کو بھی تاتاری گرفتار کرکے بلخ لے گئے تھے...... اگر مولانا مرحوم کا مقصد دونون حضرات کی گرفتاری سے ہے تو غالباً مولانا نے موصوف نے کسی سند کی بنیاد پر ایسا تحریر فرمایا ہوگا، جس سے ہم ناواقف ہین،

# معز الدین کیقباد

## ۶۸۶ھ - ۶۸۹ھ
## ۱۲۸۷ء - ۱۲۹۰ء

غیاث الدین بلبن کی وفات کے بعد ۶۸۶ھ میں دہلی کے تخت پر اس کے لڑکے نصیر الدین محمود بغرا خان کے بجائے اس کا پوتا یعنی بغرا خان کا لڑکا کیقباد بیٹھا، بغرا خان لکھنوتی میں خود مختار، آزاد حکمران بنا رہا، تخت نشینی کے وقت کیقباد کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی، اس نے اپنا لقب معز الدین اختیار کیا، شاہانہ حسن وجمال کے علاوہ شروع میں پاکیزہ عادت واخلاق کا بھی حامل تھا، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے،

"سلطان معز الدین بادشاہزادہ صاحب مکارم اخلاق بود وطبع نظم وخلقے پاکیزہ وجمالے وافر داشت" (ص ۱۲۷)

جب تک بلبن کے زیر سایہ رہا اس کو لہو ولعب سے باز رکھا گیا، حسین عورت اور شیشہ وپیمانہ پر اس کی نظر پڑنے نہ دی گئی، اس کے اتالیق اس کو شائستہ اور مہذب بنانے میں برابر مشغول رہے، اسکے اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے اور بولتے چالنے میں پورے آداب شاہی کا خیال رکھا گیا، شہزادہ کے لیے جو ضروری تعلیم ہونی چاہیے وہ سب اس کو دی گئی، فوجی تعلیم میں اس نے تیر مارنا، چوگان کھیلنا اور نیزہ چلانا خاص طور پر سیکھا، اس حربی تعلیم کے علاوہ اساتذہ اس کو علم وادب پڑھانے اور خطاطی سکھانے کے لیے برابر مامور رہے، اس کو شعر وشاعری کا ذوقی فطری طور پر ودیعت ہوا تھا[1]، لیکن مکتب سے

[1] برنی ص ۱۲۷، فرشتہ ج ۱ ص ۸۴،

اٹھا کر بگھا یک اس کو ایک عظیم الشان سلطنت کے تخت پر لا کر بٹھا دیا گیا، تو اس کا رنگ بالکل ہی بدل گیا، وہ شیشہ و ساغر، شاہد و ساقی اور طرب و نشاط میں ایسا مبتلا ہوا کہ بلبنی دربار کا سارا رعب و دبدبہ، اور جلال و وقار جاتا رہا، اس کمسنی میں وہ حکمرانی کیا کر سکتا تھا، اس کی رنگینیوں اور سرمستیوں کا سارا سامان فراہم کرکے ملک نظام الدین باربک سلطنت کا گویا مختار کل بن بیٹھا، بغرا خان کو بیٹے کی بے راہ روی کی خبریں موصول ہوئیں تو اس کو بڑا دکھ ہوا، پہلے تو اس کو شفقت آمیز خطوط لکھکر غفلت سے بیدار کرنا چاہا لیکن وہ بے غل و غش عیش کرنا چاہتا تھا، اس لیے باپ کے پند و نصائح کا خیال مطلق نہیں کیا،

باپ نے جب صورت حال زیادہ بگڑتے دیکھی تو بیٹے کو راہ راست پر لانے کی خاطر ایک لشکر لے کر لکھنوتی سے اودھ کی طرف چلا، اس کا مقصد لشکر کشی نہ تھا، لیکن ملک نظام الدین چوکنا ہوا، اور وہ بھی کیقباد کے جلو میں ایک بڑی فوج کے ساتھ دہلی سے اودھ کی سمت بڑھا، اس فوج کا پہلا پڑاؤ دہلی کے قریب قصبہ سیری میں ہوا، لشکر کے میمنہ یعنی دائیں بازو نے تلپٹ میں خیمے ڈالے جو دہلی سے پانچ چھ کوس پر اس وقت ایک مشہور پرگنہ تھا، اور اب متھرا جانے والی سڑک پر محض ایک گاؤں ہے، لشکر کے میسرہ یعنی بائیں بازو کا کیمپ اندپٹ میں نصب کیا گیا، یہ نواح دہلی میں ایک قصبہ تھا، جہاں بعد میں فیروز شاہ تغلق نے اپنا شاہی محل بنایا، لشکر کا قلب جس میں زیادہ تر ہاتھی تھے، اندپٹ اور تلپٹ کے درمیان مقیم ہوا، کیقباد با دل ناخواستہ اپنے عشرت کدہ سے نکل کر فوج کے ساتھ چلا، اور پہلی منزل تلپٹ اور افغان پور کے حدود میں کی، افغان پور اس مقام سے جو بعد میں تغلق آباد کہلایا تین کوس مشرق کی طرف واقع تھا، یہاں دو روز ٹھہر کر لشکر آگے بڑھا، اور دریائے جمنا کو پار کرکے بھید پنچا پہنچا، جو ضلع بلند شہر کے مضافات کا ایک قصبہ ہے،

---

۱؎ یہ تفصیل ہم قران السعدین سے اخذ کرکے لکھ رہے ہیں تاکہ آیندہ اس مثنوی کے سمجھنے میں ناظرین کو آسانی ہو۔

ملک نظام الدین باربک یہاں سے ہراول لشکر لے کر آگے بڑھ گیا، اور گنگا عبور کر کے دریائے سرجو کے قریب جا پہنچا، اور یہیں کڑہ اور اودھ کے اقطاع دار اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ اس سے آکر ملے، دریا کی دوسری جانب بغرا خان کی فوج تھی، اس نے نظام الدین باربک کا لشکر دیکھا تو اس کو غصہ اور اشتعال پیدا ہوا، لیکن صبر سے کام لے کر اپنے دبیر شمس الدین کو اس کے پاس اس پیام کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ لڑائی پر آمادہ ہے، تو وہ نمک حرامی کا ثبوت دینا چاہتا ہے، نظام الدین باربک نے کہلا بھیجا کہ وہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے لیکن حضور کو دور سے بھی دیکھوں گا تو از راہ تعظیم ہٹ جاؤں گا، یہ جواب سن کر بغرا خان کو کچھ اطمینان ہوا، اسی اثنا میں کیقباد بھی نظام الدین باربک کے پاس اودھ آپہونچا، اور اس کا خیمہ گھاگرہ اور سرجو ندی کے بیچ میں لگایا گیا، بغرا خان نے کیقباد کو سرجو کے کنارے سیر و تفریح کرتے دیکھا تو غایت محبت پدرانہ میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور ایک کشتی میں اپنے حاجب کو بھیجا کہ اس کی طرف سے بیٹے کو شوق ملاقات کا پیام دے، اور جب کشتی سرجو ندی کے بیچ میں پہنچی تو اس کو ہدف تیر بنا کر ڈبو دیا گیا، حاجب بمشکل تمام اپنی جان بچا کر بغرا خان کے پاس واپس آیا، کیقباد کے ہمراہی باپ بیٹے کی ملاقات پسند نہ کرتے تھے، اسی لیے یہ کشتی راستے میں غرقاب کر دی گئی، اس واقعہ سے بغرا خان کو بڑا دکھ ہوا، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، دوسرے دن پھر ایک پیامبر کو اس کے پاس بھیجا، اور باپ بیٹے کے پاس کئی بار پیامبروں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر دونوں میں ملاقات طے پائی، بغرا خان نے پہلے اپنے چھوٹے لڑکے کیکاؤس کو نادر تحفے، اسلحہ، اور ہاتھی دے کر کیقباد کے پاس بھیجا، جس نے اس کی خاطر و مدارات میں جشن منایا، پھر اس نے اپنے لڑکے کیومرث کو تحفے دے دلا کر باپ کی خدمت میں روانہ کیا، دادا نے اپنے پوتے کی بڑی آؤ بھگت کی، اور جب پوتا واپس جانے لگا تو دادا

نے اس کو بھی بہت سے تحائف دیے، دوسرے دن بغرا خان خود اپنے بیٹے کے یہان گیا، کیقباد نے باپ کی آمد مین اپنا دربار پورے تزک و احتشام سے آراستہ کیا، اور جب دونون ایک دوسرے سے ملے تو بغل گیر ہو کر دیر تک زار و قطار روتے رہے، اور جب دونون کے آنسو رکے تو باپ نے بیٹے کو اصرار کر کے تخت پر بٹھایا، اور دربار کی رسم کے مطابق خود دست بستہ تخت کے سامنے کھڑا ہوا، لیکن کیقباد تخت سے فوراً ہی اتر آیا، پھر امرا نے دونون بادشاہون پر لعل و گہر نچھاور کیے، اس کے بعد دربار ختم کر دیا گیا، اس رسمی اور درباری ملاقات کے بعد نجی ملاقاتین شروع ہوئین، جن مین دونون طرف سے تحفے بھیجے گئے، بیٹے نے باپ کی ایک دعوت بہت دھوم دھام سے کی جس مین رقص و سرود کا جشن بھی منایا گیا، اس موقع پر باپ نے ایک تاج، ایک تخت اور ایک ہاتھی بیٹے کو عطا کیا، اور بیٹے سے فرمایش کر کے بلبن کی یادگارون میں سے چتر سپید اور کلاہ سیاہ اپنے لیے لی، ایک اور رات پھر دونون مین ملاقات ہوئی جس مین باپ نے بیٹے کو اور وکو بہت سی نصیحتین کین، وداعی ملاقات کے موقع پر بھی باپ نے کچھ رموز حکمرانی بتائے، اور جب رخصت ہونے کا وقت آیا تو دونون کی آنکھون سے آنسو جاری تھے، اور کیقباد کی نظرون سے ناصر الدین بغرا خان اوجھل ہو گیا تو وہ دھاڑین مار مار کر رونے لگا، بغرا خان نے لکھنوتی کی طرف رخ کیا، اور کیقباد نے دہلی کی طرف مراجعت کی، اور جب وہ دہلی پہنچا تو کئی دن تک شاہانہ جشن ہوتا رہا، اور دہلی پہنچنے کے چھ مہینے بعد اس نے خسرو کو بلا کر اس تاریخی ملاقات کو منظوم کرنے کی فرمایش کی،

پہلے کہا جا چکا ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد خسرو دہلی اور پٹیالی میں آکر گوشہ نشین ہو گئے تھے، سلطان معز الدین کیقباد جب تخت نشین ہوا تو اس موقع پر انھون نے اس کی مدح مین ایک ترجیع کہا جس مین سات بند ہین، اس کا آخری بند یہ ہے،

بادا جہان ہمیشہ بکام تو شہریار | شاہان روزگار غلام تو شہریار
محمود چون بدی شدی اندر پناہ ملک | محمود از تو باد مقام تو شہریار
ہموارہ بام فضل تو از نہ فلک یکے | بانہ فلک یکے شدہ نام تو شہریار
آن ابلق زمانہ کہ کس ندہدش نشان | بربستۂ دوال ستام تو شہریار
تا صیت دولت تو برد شرق را بغرب | باد صبا اسیر بکام تو شہریار
تا ہر زمان نشستہ چہ خوش بامراد و کام | ہر دم مئے مراد بکام تو شہریار
از ہفت شیشۂ فلکی دور تو مدام | و آفاق مست دور مدام تو شہریار
خسرو ز جام جود تو سیراب گے کہ ہست | امید وار جرعۂ جام تو شہریار
بادا ہمیشہ سکۂ تو چون درم درست | بر روے سکہ خطبہ بنام تو شہریار
سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاہ | یک دیدہ و دو مردمک چار بادشاہ

چار بادشاہ سے مراد یہاں پر غیاث الدین بلبن، ناصر الدین محمود (داماد بلبن) سلطان التمش (ناصر الدین محمود کا باپ) اور قطب ایبک (خسر التمش) ہے، کیقباد ان ہی کا جانشین تھا،

تخت نشینی کے بعد خسرو کو اپنے دربار کی ملازمت کے لیے طلب کیا، لیکن نظام الدین باربک کا دل ان سے صاف نہ تھا، اس لیے معزی دربار سے منسلک ہونا پسند نہین کیا، اور حاتم خان خان جہان کی منادمت اختیار کر لی جس نے ان کو لطف و کرم اور مال و دولت ہر طرح سے نوازا، وہ اس کے ساتھ اودھ مین دو سال رہے، اور جب کیقباد اپنے باپ سے اودھ مین ملا ہے تو اس وقت اپنے آقا کے ساتھ خسرو بھی موجود تھے، اور جس طرح باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کر مسرور ہوئے، اسی طرح خسرو اپنے پرانے مربی اور دوست شمس دبیر اور قاضی اثیر سے مل کر بے انتہا خوش ہوئے، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، بغرا خان اور کیقباد کی

جب دوسری ملاقات ہوئی تو شعرا نے اپنے اپنے قصیدے سنائے، خسرو نے بھی اپنا قصیدہ سنایا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

زہے! ملک خوش چون دو سلطان یکے شد | زہے! عہد خوش چون دو پیمان یکے شد
دو چتر از دو سو سر بر آورد از در | زمین ز ان دو ابر دُر افشان یکے شد
پسر بادشاہ و پدر نیز سلطان | کنون ملک ہین چون دو سلطان یکے شد
ز بہر جہان داری و بادشاہی | جہان را دو شاہ جہانبان یکے شد
یکے ناصر عہد محمود سلطان | کہ فرمانش در چار ارکان یکے شد
دگر شہ معز جہان کیقباد ے | کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد
بہ دیو و پری گوے اے بادا ینک | دو وارث بملک سلیمان یکے شد[1]

کیقباد باپ سے مل کر دہلی واپس جانے لگا تو حاتم خان خان جہان کو اودھ کا اقطاع عطا کیا، خسرو بھی اپنے آقا کے ساتھ اودھ ہی مین ٹھہر گئے، لیکن کیقباد کے جانے کے چھ مہینے بعد ان کو وطن خصوصاً ماں کی یاد ستانے لگی، چنانچہ وہ خان جہان سے اجازت لے کر دہلی پہنچے، اور ماں سے مل کر آنکھوں سے محبت کے دریا بہائے، ان کا دہلی پہنچنا تھا کہ دور روز کے بعد کیقباد نے ان کو اپنے حاجب کے ذریعہ دربار مین طلب کیا، اور جب اس کے حضور مین حاضر ہوئے تو ایک قصیدہ خوش الحانی سے سنایا، جس کے کچھ اشعار یہ ہین،

منت ایزد کہ شہ بر تختِ سلطانی نشست | در دیار غ سلطنت باد سلیمانی نشست
معز الدین و الدنیا کہ از دیوان غیب | نام او بر نامۂ دولت بہ عنوانی نشست

[1] وسط الحیاۃ علی گڈھ اڈیشن ص ۱۴ ۔ مقدمہ مثنوی قران السعدین نوشتہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم میرٹھی، ص ۹ ۴ نیز دیکھو شعر العجم حصہ دوم ص ۱۱۱ ، منتخب التواریخ جلد اول ص ۶۰ :

کیقباد آن گوہر تاج کیان کز زخم تیغ
باج از ایران بستد و بر تخت تورانی نشست

بخت را بنمود کاین پیشانی دولت کراست؟
تاج زرینش کہ بر بالائے پیشانی نشست

قصۂ دریا گہر بر گوہر والاے خویش
تا بگستاخی چرا بر تاج سلطانی نشست

بر سرش چون سائبان شد چتر می گفت آسمان
سایہ را دیدی کہ با خورشید نورانی نشست

ابر صد بار آبروئے خویش را بر خاک ریخت
پیش ابر دست تو کاندر در افشانی نشست

بر در قصر چو فردوس تو رضوان بہشت
شاخ طوبی را عصا کرد و بدربانی نشست

دید قصر شاہ را با برج جوزا ہم کمر
بندۂ خسرو چو عطارد در ثنا خوانی نشست

چشم تو بیدار دولت باد تا از عون بخت
جملہ بیداران بخسپند و تو بتوانی نشست[1]

خسرو کا خود بیان ہے کہ بادشاہ نے جب یہ قصیدہ سنا تو خلعت اور دو تھیلے دینار مرحمت کیے،

شہ کہ دُر چیدۂ من دیدۂ تر
ہرہ بچید از ندمائے دگر

داد باحسان رہے بر درم
جائگی خاص و دو بدرہ درم[2]

اس کے بعد بادشاہ نے ان کو اپنا ندیم خاص بنا لیا، اور ان کا روزینہ بھی مقرر کر دیا، پھر اس نے ان کی سخن وری کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم میری اور میرے والد کی ملاقات کا حال اس سحر بیانی سے نقل کر دو کہ جب میں والد کو یاد کر کے پریشان ہو جاؤں تو وہ نظم پڑھ کر اپنے کو تسلّی دے لوں،

---

[1] یہ قصیدہ غرۃ الکمال میں درج ہے جس میں تقریباً ۲۳ اشعار ہیں، اسکے شروع میں لکھا ہے کہ ایں مدح کیقباد کہ از نام ہو نہاد۔ فرزانش نرجیب کیان داغ امتثال۔ جناب سید ہاشمی فرید آبادی اور مولانا اسمٰعیل میرٹھی دونوں کا خیال ہے کہ قصیدہ اس وقت پیش کیا گیا جب کیقباد نے خسرو کو اپنے دربار میں طلب کیا [2] قران السعدین ص ۲۲۳

گفت چنان بایدم اے سحر سنج | کز پے من روے نہ پیچی ز رنج
جسم سخن را بہ ہنر جان دہی | شرح ملاقاتِ دو سلطان دہی
نظم کنی جملہ بہ سحر زبان | قصۂ من با پدر مہربان
تا اگرم ہجر در آرد زپائے | آیدم از خواندن آں دل بجائے

اور ابھی خسرو نے کوئی جواب بھی نہین دیا تھا کہ بادشاہ نے خازن دولت کو اشارہ کیا کہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے جا کر اشرفیان اور خلعت شاہانہ عطا کرے،

این سخنم گفت و بگنجور جود | از نظر لطف اشارت نمود
برد مرا خازن دولت چو باد | مہر زر و خلعتِ شاہیم داد

خسرو اپنی آیندہ خدمت کا پیشگی صلہ پا کر بے حد متاثر ہوئے، اور گھر آ کر اس خدمت کی بجا آوری مین ہمہ تن مصروف ہو گئے،

ان کی عمر اس وقت ۳۶ سال کی تھی، تحفۃ الصغر اور وسط الحیٰوۃ مین اساتذہ کے رنگ مین قصیدے اور غزلین کہہ کر اپنا کمال دکھا چکے تھے، چھوٹی چھوٹی مثنویان بھی کہی تھین، لیکن اب تک کوئی طویل مثنوی لکھ کر اپنی جودت طبع کا اظہار نہین کیا تھا، نظامی گنجوی کی مثنوی نگاری کو پسند تو کرتے تھے لیکن اس سے مرعوب تھے، اس لیے اس فن کو ہاتھ لگانا بہت ہی مشکل کام سمجھتے تھے، خود کہتے ہیں:

در ہوس مثنویت در دل ست | حل کنم این بہ تو کہ بس مشکل ست
در روشے کز تو نیاید مرد | گفت بدم مشنو و نیکو شنو
نظم نظامی بہ لطافت چو دُر | وز دُر او سربسر آفاق پُر
پس چو تو کم مایۂ بسیار لاف | در شمری مہرۂ خویش از گزاف

| | |
|---|---|
| چیست دران کم کہ بجوئیش باز | تا چہ نہ گفتست کہ گوئیش باز |
| پختہ ازو شد چو معانی تمام | خام بود پختن سودائے خام |
| زین دو خیالی کہ ترا گرۂ ترست | جستن آن مایہ خیال گرۂ ست |
| بگزر ازین خانہ کہ جائے تو نیست | وین رہ باریک بپائے تو نیست[1] |

پھر بھی کیقباد کی فرمایش پر انھون نے اپنی جدت پسند طبیعت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس فن مین بھی طبع آزمائی کی، چھ مہینے[2] خون جگر پی پی کر تین ہزار نو سو چالیس اشعار کی ایک مثنوی لکھی، اور قران السعدین نام رکھ کر کیقباد کی خدمت مین پیش کی، یہ رمضان المبارک ۶۸۸ھ مین ختم کی گئی تھی،[3]

اس کے خاتمہ کا پہلا حصہ بعد مین اضافہ کیا، اس وقت ان کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان تھی،[4]

اوپر ابھی کہا گیا ہے کہ خسرو کو یہ مثنوی لکھنے مین ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ تھی لیکن جب قران السعدین ختم کی تو فخر و پندار محسوس کرنے لگے، خود لکھتے ہین:

| | |
|---|---|
| دید چو این مثنوی بیش را | تیر شد قلم گرد سر خویش را |
| ہر یک ازین بیت کہ جنت وش ست | شد خوشی دل کہ چہ بیت خوش ست[5] |

اور ان کو اپنی مثنوی نگاری کی کامیابی پر کچھ ایسا سرور حاصل ہوا کہ شاہانہ انعام و اکرام

---

[1] قران السعدین علی گڈھ اڈیشن ص ۴۴-۴۱، [2] ایضاً ص ۲۳۱، علی گڈھ اڈیشن مین ۴۴ ۲۵ اشعار کم ہیں،
[3] ایضاً ص ۲۳۱، [4] مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے لکھا ہے کہ اس وقت خسرو کی عمر ۵۰ سال کی ہوگی (مقدمہ قران السعدین ص ۶۸) ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہین کہ اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی، (دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو ص ۴۷)
[5] قران السعدین ص ۲۳۶

سے بے نیاز اور مستغنی ہو گئے، کہتے ہیں کہ

ہر ہمہ دانند کہ چندیں گہر | کس نفشاند بدو سہ بدرہ زر
در دو بدم گنج فریدون و جم | ہدیۂ یک حرف نبود بلکہ کم
کام ازین نامۂ عنوان کشائے | نام بلندست کہ ماند بجائے[1]

یہ فخر و مباہات بے جا نہیں، اس مثنوی کو لکھے ہوئے تقریباً سات سو برس گذر گئے، لیکن آج بھی یہ اپنی جدت ذہنی، واقعہ نگاری، سحر بیانی، وصف نگاری، تخیل آفرینی، تمثیل نگاری اور لفظی صنعت گری کے لحاظ سے ادب العالیہ میں شمار کیے جانے کے لائق ہے، یہ ۱۸۸۵ء میں پہلے نولکشور پریس میں چھپی، پھر اس کا ایک عمدہ اڈیشن نظام حیدر آباد دکن کی سرپرستی میں ۱۹۱۸ء میں آرٹ پیپر پر دیدہ زیب طباعت وکتابت کے ساتھ علی گڈھ سے شائع ہوا، اور گو اس کا متن ۲۵۶ صفحے ہی پر مشتمل ہے لیکن اس پر مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے ۱۶۶ صفحے کا ایک مقدمہ لکھا جس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجایش نہیں تھی، اگر جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی تھی اس کو جناب سید حسن برنی نے ۱۶ صفحے کی تمہید لکھ کر پورا کیا، مولانا اسمٰعیل نے اس مثنوی کو اتنے مختلف زاویوں سے مطالعہ کیا ہے کہ ان کے مقدمہ کو پڑھ کر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ آیندہ نسلوں میں خسرو کے کلام کو سمجھنے والا ایسا دیدہ ور اہل قلم پیدا نہ ہو سکے گا، اس مقدمہ اور جناب سید حسن برنی کی تمہید کے بعد اس عاجز راقم کے لیے قران السعدین پر لکھنے کو کچھ باقی نہیں رہ جاتا، پھر بھی ناظرین کو اگر ذیل کی سطروں میں ایک دو باتیں بھی نئی نظر آجائیں تو راقم کو اس کی محنت وکاوش کا صلہ مل جائے گا،

مثنوی کے قصہ کا خلاصہ ہم شروع میں پیش کر چکے ہیں، یعنی یہی کہ ناصر الدین بغرا خان اپنے

---

[1] قران السعدین ص ۲۳۹

لڑکے کیقباد کی بے راہ روی اور رندی کی خبرین سن کر اس کو راہ راست پر لانے کے لیے دار السلطنت لکھنوتی سے ایک لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا، کیقباد سمجھا کہ باپ کی طرف سے یہ فوج کشی ہے، اس لیے وہ بھی اپنا لشکر لے کر دہلی سے چلا، باپ بیٹے کی ملاقات اودھ مین ہوئی اور پھر دونون ایک دوسرے سے مل کر اپنے اپنے دار السلطنت کو لوٹ گئے، خسرو کو اسی غیر دلچسپ اور خشک واقعہ کو مثنوی مین منظوم کرنا تھا، ان کے سامنے گوناگون مشکلات تھین، طویل مثنوی لکھنے مین مہارت نہ تھی، پھر قصہ کے پلاٹ مین کوئی دلآویزی اور رومانیت نہ تھی، ایک تاریخی واقعہ کی کثافت و خشکی کو لطافت و رنگینی مین اس طرح تبدیل کرنا تھا کہ ایک سرمست اور رند مشرب بادشاہ بھی خوش ہو اور خود ان کی شاعرانہ عظمت بھی دوبالا ہو، بالآخر اپنی طباعی اور سحر کاری سے ساری مشکلون پر قابو پا لیا، اور جب ان کا قلم اعجاز رقم چل کر رکا تو یہ عشرت کے رنگ مین ڈوبی ہوئی مثنوی نہ صرف عیش پرست اور رنگیلے بادشاہ کو پسند آئی، بلکہ ایک اہم تاریخی لٹریچر بھی بن گئی اور فن وادب کے جلوۂ صد رنگ سے بھی اس طرح معمور ہو گئی کہ ہر دور مین ارباب نظر اس کو پڑھ پڑھ کر سر دھنتے رہے ہیں،

ذیل کی سطرون مین ہم پہلے اس کی تاریخی پھر ادبی حیثیت کا ناقدانہ مطالعہ کرنے کی کوشش کرین گے،

**مثنوی کی تاریخی حیثیت** مولانا شبلی رقمطراز ہین کہ قران السعدین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نظم اور لطائف نظم کی پابندی کے ساتھ تاریخی حیثیتین تمام ملحوظ رکھی گئی ہیں، اس طرح کہ کوئی نثر لکھتا تو اس سے بڑھکر ان باتون کو نہ لکھتا (شعر العجم حصہ دوم ص ۱۵۷) اور اسی خصوصیت کی بنا پر مورخوں نے کیقباد کے عہد کے ذکر مین اس مثنوی کو ایک مستند ماخذ قرار دیا ہے، بلکہ بعض لحاظ سے یہ اس عہد کا تنہا معاصر ماخذ ہے، مولانا ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی مین کیقباد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، لیکن وہ اس وقت سن شعور کو نہیں پہنچے تھے، بلکہ وہ عہد ان کے بچپن کا تھا، انھون نے ناصر الدین بغرا خان اور کیقباد کی ملاقاتون کی تفصیل قران السعدین ہی کو سامنے رکھ کر کی ہے،

البتہ ناصر الدین بغرا کی روانگی کے بعد کیقباد کی رندی اور سرمستی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ شاید خود ان کے شاعرانہ ذوق کا نتیجہ ہے، شاید قران السعدین ہی سے متاثر ہو کر کیقباد کی بوالہوسی اور عشرت پرستی کی مصوری ایسے انشاء پردازانہ انداز مین کی ہے کہ اس پر خود ان کو ناز ہو گیا، اور اس کو اپنی انشاء پردازی کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہوئے اس کا نام قبۃ التواریخ رکھا، (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۶۵)۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی قران السعدین سے استفادہ کیا ہے، اور اپنی تاریخ مین اس کا حوالہ دیا ہے[۱]، فرشتہ نے تو اپنی تاریخ مین باپ بیٹے کی ملاقات کے ذکر مین جا بجا قران السعدین کے بہت سے اشعار بھی نقل کر دیے ہین[۲]، موجودہ دور کے مورخون مین سر ہنری الیٹ نے اپنی مشہور و معروف تالیف ہسٹری آف انڈیا مین اور مستند تاریخون کی طرح اس مثنوی کے بھی اقتباسات نو دس صفحون مین دیے ہین[۳]، پروفیسر کوول نے ۱۸۶۰ء کے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مین اس مثنوی پر ایک مضمون لکھا تھا جس مین ان کا یہ بیان ہے کہ اس مثنوی مین تاریخی واقعات صحت کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہین، کسی اور زبان

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۶۰ [۲] فرشتہ ص ۸۶ - ۵ ۸ [۳] الیٹ جلد ۳ ص ۴۴ - ۵۲۴ [۴] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۶۰ء ص ۲۸ - ۲۲۷، اس مضمون کے آخر مین پروفیسر مذکور نے اپنے کچھ غصہ کا بھی اظہار کیا ہے، ان کو شکایت ہے کہ کیقباد کے بدطینت اور مکار وزیر نظام الدین کے متعلق خسرو نے اتنا کچھ نہیں لکھا ہے جتنا کہ انکو لکھنا چاہیے تھا، اور اسکو انکی اخلاقی بزدلی پر محمول کیا ہے، خسرو کو خود نظام الدین سے بہت سی شکایتیں تھین لیکن یہ انکی اخلاقی شرافت کی دلیل ہے کہ اس وزیر کو اپنے قلم سے مجروح نہیں کیا، پھر ایک عیش و عشرت مین ڈوبی ہوئی مثنوی مین وہ اگر اپنے تکدر اور غصہ کا اظہار کرتے تو اسکی رنگینی اور دلآویزی مین فرق آجاتا، پروفیسر مذکور کو یہ بھی شکایت ہے کہ اس مثنوی مین بہت سی ایسی چیزون کی کمی ہے جس سے یہ واقعۃً ایک اچھی مثنوی نہین کہلائی جاسکتی ہے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ خسرو دقت پسند اور تخیل پسند بننے کی کوشش مین نثری باتین بے نتیجہ ذکر کر گئے ہین، یہ اعتراض کہ قران السعدین اچھی مثنوی نہین کہلائی جاسکتی ہے، بالکل قابل قبول نہیں، جیسا کہ ہمارے مباحث

(باقی ص ۳۳۵ پر)

کی تاریخی نظموں میں واقعات کی صحیح ترتیب کی ایسی مثال کم ملے گی ...... اس میں رزمیہ اور بزمیہ دونوں قسم کے اشعار کا دلچسپ امتزاج ہے"۔

مورخوں نے اس مثنوی کے صرف اسی حصہ کو زیادہ اہمیت دی ہے جس سے باپ بیٹے کی ملاقات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، لیکن اس سے اور بھی بہت سی اثری، تمدنی اور عمرانی باتیں معلوم ہوتی ہیں، مثلاً اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہر دہلی اس وقت تین حصار سے گھرا ہوا تھا، دو پرانے حصار تھے اور ایک نیا، نئے حصار سے غالباً کیلوکھری مراد تھا،[1] یہ شہر اپنی خصوصیات کی وجہ سے قبۂ سلام کہلاتا تھا، یہاں بڑے بڑے بزرگ تھے، ہر گھر اپنی زینت و آرایش کے لحاظ سے گوشۂ بہشت کا نمونہ تھا، اس کی صنعت کاریوں میں بکثرت روپے لگائے تھے،[2] پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر پہاڑی پر واقع تھا، اس کے اردگرد دو دو میل تک باغ تھے، جن کی آب یاری دریائے جمنا سے ہوتی تھی، یہاں سردی اور گرمی دونوں زیادہ پڑتی تھی، پھول سال کے ہر موسم میں نظر آتے تھے، پھولوں سے چمن چاندی اور سونے کی طرح جگمگاتا رہتا تھا، روئے زمین پر سبزوں کی لہلہاہٹ سے سواد بہشت کا لطف آتا تھا، ہند و خراسان کے میووں سے بازار بھرا رہتا تھا، عام طور سے لوگ فرشتہ خصلت ہونے کے علاوہ صنعت، علم، ادب اور آہنگ و ساز سے دلچسپی رکھتے تھے، نیزہ، پیکان اور تیر کے فن کے بھی واقف کار تھے،[3]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) سے اندازہ ہوگا کہ پروفیسر مذکور نے شروع میں تو اس مثنوی کی بہت تعریف کی ہے، لیکن آخر میں کچھ متضاد باتیں لکھ دی ہیں، شاید ان کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ ایک مشرقی شاعر کے محاسن کو اپنے ناظرین کے سامنے اچھالنے کے بجائے رذائل ہی کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

[1] تمہید قران السعدین از جناب سید حسن برنی صاحب ص ۴۱ [2] قران السعدین ص ۲۹ [3] ایضاً ص ۳۱

دہلی مین اس وقت تین چیزین خاص طور پر نمایان تھین، مسجد جامع، منارہ اور حوض سلطانی،
مسجد مین نوگنبد تھے، اس کے سامنے دو ون کا سلسلہ مسقف نہ تھا، منارہ کے اوپر ایک قبہ تھا جس کا
بالائی حصہ سونے کا تھا[۱]، حوض شمسی دو پہاڑون کے درمیان واقع تھا، اس کا پانی ایسا صاف اور
شفاف تھا کہ رات کے وقت بھی اس کی تہ کی ریگ دکھائی دیتی تھی، پہاڑی زمین ہونے کے باعث
اس کا پانی اندر جذب نہین ہوتا تھا، اس کی موجین دامن کوہ سے ٹکراتی تھین، شہر کے تمام لوگ
اسی کا پانی پیتے تھے، دریاے جمنا سے اس حوض تک بہت سی نہرین نکالی گئی تھیں اس کے بیچ مین
ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ایک عمارت بھی تھی، حوض کے مرغ وماہی کی وجہ سے بڑا دلکش منظر
رہتا تھا، اسی لیے یہان شہر کے لوگ تفریح کے لیے آتے اور دامن کوہ مین خیمہ زن ہوتے تھے[۲]،

جمنا کے کنارے کیلوکھری مین شاہی محل واقع تھا، جو آراستہ و پیراستہ ہونے کی وجہ سے بہشت
معلوم ہوتا تھا، اس کا عکس دریا مین پڑتا تھا، نیچے کا حصہ اینٹون سے بنا ہوا تھا جس پر آئینہ
کی طرح صاف و شفاف چونے کا گچ تھا، اوپر کے حصہ مین سنگ سفید لگا ہوا تھا، اس کے
ایک طرف دریا تھا، دوسری طرف باغ تھا جس کے درختون کی شاخین محل کے اندر آکر
لٹکتی رہتی تھین[۳]،

موسم بہار مین باغون پر جو ایک عالم طاری رہتا تھا خسرو نے اس کی بھی مصوری کی
ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین سرو، شمشاد، سنبل، چنار، بید، گربہ بید کے علاوہ حسب ذیل
پھولون سے چمن آرائی ہوئی تھی،

سوسن، سمن، بنفشہ کبود، نرگس، لالہ، گل سرخ، ریحان، گل کوزہ، گل یالا، گل زردی،
گل لعل، گل سفید، سپرغم، صدبرگ، نسترن، یاسمین، دوانہ، کرنہ، نیلوفر، دھاک، پلاس، چمپا، جوہی

[۱] قران السعدین ص ۳۰ [۲] تمہید ص ۴ [۳] ایضاً ص ۳۳ - ۳۲

کیوڑہ، سیوتی، گلاب، بیلا، مولسری وغیرہ[1]،

کیقباد نے محل مین جس طرح جشن نوروزی منایا تھا، اس سے شاہی دربار کے تمدن کا اندازہ ہوتا ہے، اس موقع پر محل مین ہر قسم کی زینت و آرایش کی گئی، اس کے کنگرے بھی سجائے گئے، محل کی نو محرابون مین زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے، جشن گاہ مین پانچ "چتر" تھے، ایک سیاہ، دوسرا سپید، تیسرا سرخ، چوتھا سبز اور پانچوان پھولون کا تھا، سیاہ چتر پر غیر معمولی نقش و نگار بنے تھے، اس مین جا بجا موتی اس طرح لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے، جیسے سیاہ ابر مین بوندین پڑ رہی ہون، سفید چتر مدور تھا، اس کی چھت دروازے اور ستون سنہرے تھے، اور یہ بھی موتیون سے جگمگا رہا تھا، سرخ چتر مین موتیون کے علاوہ یاقوت بھی تھے، سبز چتر مین سبز اطلس لگائی گئی تھی، اس پر موتیون سے ایک سبز سایہ دار اور بار آور درخت بنایا گیا تھا جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے سبزہ کو زمردین بنا رہا ہے، پھولون کا چتر چمن کی طرح کھلا ہوا تھا، دریا کے داہنے بائین سیاہ اور سرخ شاہی پرچم لہرائے گئے تھے، دونون طرف دو ہزار گھوڑون کی صفین کھڑی کی گئی تھین، گھوڑے جڑاؤ زیور پہنے تھے، داہنی طرف گھوڑون پر سیاہ جھولین پڑی تھین، بائین طرف کے گھوڑون کی جھولین سرخ تھین، ان کے پیچھے ہاتھیون کی صف تھی، ہاتھی اس طرح کھڑے تھے کہ گویا لوہے کے قلعہ پر پاکھر پڑی ہے، پھر دریا کے بیچ مین زر و جواہر سے ایک مصنوعی چمن بھی بنایا گیا تھا، مصنوعی درختون کی شاخ مین پھل اس طرح لٹک رہے تھے، جیسے وہ ابھی ٹپک پڑین گے، ان مین چڑیان ایسی دکھائی دیتی تھین کہ گویا ابھی ابھی اڑنا چاہتی ہین، بہت سے درخت موم کے بھی بنائے گئے تھے، پھر ایسے دل فریب گلدستے بھی تیار کیے گئے تھے کہ سبزہ

---

[1] قران السعدین ص ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۵۸، ۷۵ ان کا ذکر ... کے نام قران السعدین مین نو شین ہین، لیکن غور کی دول رانی خضر خان مین ہین،

لالہ، ریحان اور بید کا ایک چمن نظر آتا تھا، اس کے علاوہ زری کے کام سے بھی دربار کو جنت بنایا گیا تھا، اطلس، زربفت اور یاقوت کے پردے دیواروں پر لٹکے تھے، اس طرح کہ دیوار کے پتھر بھی یاقوتی رنگ کے معلوم ہو رہے تھے، فرش میں بھی موتی اور سونے کا کام تھا، غرضیکہ پورا محل سونے سے ایسا آراستہ کر دیا گیا تھا کہ فردوس بریں کا دھوکا ہوتا تھا، اور جب جشن منانے کے لیے بادشاہ کی آمد آمد کا غلغلہ ہوا تو چاؤش نے نعرے لگائے، حشم الحشم یعنی بادشاہ کے محافظ دستے ادھر ادھر جنبش کرنے لگے، شحنۂ بارگاہ نے صفیں سیدھی کیں، کچھ دستے تلواریں لیے دائیں بائیں متعین ہو گئے، بادشاہ سونے کے تخت پر آکر بیٹھا، تو اس کا تاج جگمگانے لگا، اس کی قبا میں سونے کی بہت سی صنعتیں دکھائی گئی تھیں، اس کے تاج، قبا اور پٹکے میں موتی اس طرح ٹکے ہوئے تھے کہ پٹکے کی چمک کمر تک اور قبا کی گلے تک اور تاج کی سر تک تھی، اس کی آمد پر دربار کی زمین اور فضا نافۂ چینی سے معطر کر دی گئی، اور جب وہ تخت پر جلوہ افروز ہو گیا تو نذریں پیش ہونے لگیں، محاسب حساب لکھتا جاتا اور حاجب پکار پکار کر تفصیل بیان کرتا جاتا تھا،[1]

کیقباد نے باپ کی ملاقات کے موقع پر ایک بڑی شاندار دعوت دی، جس کو خسرو نے بہت لطف و لذت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس سے اس زمانہ کے شاہی دسترخوان کے کھانوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، خسرو رقم طراز ہیں کہ دسترخوان پر ایک ہزار سے زیادہ قسموں کی نعمتیں تھیں، شربت قند کے سیکڑوں پیالے رکھے گئے تھے، منہ کا مزہ بدلنے کے لیے شربت گلاب بھی تھا، انواع واقسام کے حلوے بھی تھے نان تنک، نان تنوری، کاک کے علاوہ سنبوسے بھی تھے، پلاؤ کی بھی کئی قسمیں تھیں جن میں سے ایک میں خرمے اور انگور پڑے تھے، بکرے، دنبے اور ہرن کے بھنے ہوئے

[1] خسرو نے جشن کی جو ترتیب لکھی ہے اس میں، راقم نے اپنی سہولت کے مطابق تقدیم و تاخیر کر دی ہے، کسی شعر کا لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ تمام اشعار کو سامنے رکھ کر ان کا خلاصہ لکھ دیا گیا ہے، دیکھو ص ۵۵ - ۳،

گوشت کی مختلف شکلیں تھیں، پرندوں میں بٹیر، تیتر، تیھو اور چرز وغیرہ کے بھی گوشت تھے، آخر میں پان بھی تقسیم کیے گئے، جس کی تعریف میں خسرو نے ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے۔[۱]

باپ بیٹے میں تحفے وہدایا کا جو تبادلہ ہوا، ان میں خاص خاص چیزیں یہ تھیں، عود، قرنفل، مشک ختن، عنبر، کافور، صندل خالص، زر وجواہرات، موتی، یاقوت، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، تیغ، شمشیر، تیر، کمان، تاتاری وختائی غلام، حریر، پرنیان اور زربفت کے لباس وغیرہ، ان میں بعض ہندوستانی کپڑے اتنے باریک تھے کہ پہننے پر جسم نظر آتا تھا، اور بعض کپڑے ایسے بھی تھے جنکو لپیٹو تو انگلیوں کے ناخن میں آجائیں، اور کھولو تو بہت بڑا تھان ہو جائے،

جامۂ ہندی کہ ندانند نام | گر تنگی تن بنماید تمام
مانده بہ پیچیده بناخن نہان | باز کشائیش بپوشد جہان[۲]

پوری مثنوی بقول جناب سید حسن صاحب برنی عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی اور سراپا مرقع عیش ہے، لیکن اس سے اس زمانہ کے تمدنی حالات اس قدر معلوم ہوتے ہیں کہ اس عہد کی تہذیب وثقافت کا بھی یہ مرقع ہے،

اس مثنوی کو ختم کرنے کے بعد رند مشرب کیقباد سے تکدر پیدا ہونے کے بجائے اس سے ایک خاص قسم کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ خسرو کے سحر انگیز بیان کا اثر ہو، لیکن مولانا ضیاء الدین برنی نے کیقباد کی رندی اور بوالہوسی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بھی انشاء پردازی کا ایک اچھا نمونہ ہے، مگر اس سے کیقباد سے رغبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ صریحاً نفرت پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ مولانا ضیاء الدین برنی نے خود اس کے مجموعی اوصاف کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

۱؎ قران السعدین ص ۸۶ - ۱۰۳ ۲؎ ایضاً ص ۱۳۲

"سلطان معزالدین بادشاہے خوب طبع، صاحب مکارم وسہل گیر و آسان گذار بود
و قہر سطوت پادشاہی انقیا دآرندہ متمردان و قوت ناکان است در طبیعت او نبود،
و در پادشاہی خود ہمہ آسان و سہل گیر را کار فرمود و نخواست کہ مورچہ از و آزردہ شود......"[۱]

**قران السعدین کا ادبی جائزہ**

یہ مثنوی بحر سریع مین لکھی گئی ہے، یعنی اس کی بحر وہی ہے جس مین نظامی گنجوی نے اپنی مشہور و معروف مثنوی مخزن الاسرار لکھی ہے، لیکن خسرو کی ایجاد پسند طبیعت نے اس مین اتنی مختلف قسم کی نئی باتین پیدا کر دی ہین کہ یہ اپنے رنگ کی ایک خاص مثنوی ہو گئی ہے، اور بقول جناب سید حسن برنی "یہ مثنوی فارسی لٹریچر مین اپنا جواب نہین رکھتی، اور اپنے رنگ مین بالکل انوکھی کتاب ہے۔ اس مثنوی کے لیے خسرو کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ تھا، اور ہمارے علم مین خسرو کے بعد اس کا جواب نہین لکھا گیا"[۲]

پوری کتاب مین غزل اور مثنوی کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ نظم کے اصناف ثلثہ کا پورا لطف حاصل ہوتا ہے، خسرو قصیدہ نگاری اور غزل گوئی مین مہارت حاصل کر چکے تھے، اس لیے مثنوی مین قصیدہ اور غزل کا پیوند لگانا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا، جہان خشکی پیدا ہونے لگتی ہے وہان موقع سے اس طرح مختلف بحرون کی غزلین آ جاتی ہین کہ یہ خشکی رنگینی مین بدل جاتی ہے، مثنوی کی ابتدا قصیدہ کے رنگ کے اشعار سے ہوتی ہے،

شکر گویم کہ بتوفیق خداوند جہان | بر سر نامہ ز توحید نوشتم عنوان
نام این نامۂ والاست قران السعدین | کز بلندیش بہ سعدین سپہرست قران

پھر عنوان کی سرخی ایک شعر لکھ کر قائم کی گئی، سرخی کے تمام اشعار یکجا لکھ دیے جائین تو مستقل ایک قصیدہ بن جاتا ہے،[۳] مثنوی کا آغاز اگر قصیدہ کے اشعار سے کیا گیا ہے تو اس کا خاتمہ

---

[۱] برنی ص ۱۴۷، [۲] تمہید قران السعدین ص ۸، [۳] یہ التزام وسط الحیوٰۃ مین بھی رکھا گیا ہے،

غزل پر ہوا ہے۔ اس تنوع سے ایک خاص قسم کی رنگا رنگی پیدا ہو گئی ہے، جناب سید حسن صاحب برنی رقمطراز ہیں کہ اس مثنوی میں غزلیں موقع بموقع اس طرح لکھی گئی ہیں کہ گویا خارجی واقعات کو مجرد جذبات کا جامہ پہنایا گیا ہے، اور ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ جس داستان کے بعد آتی ہیں داخلی حیثیت سے پچھلے واقعات کا اعادہ کرتی اور اگلی داستان کی طرف اشارہ کرتی ہیں[1]، پروفیسر کوول نے لکھا ہے کہ اس مثنوی میں ان غزلوں کی وہی حیثیت ہے جو ٹے نی سن کی نظم "پرنسس" میں اس کے گیتوں اور یونانی ڈراموں میں "کورس" کی ہے[2]، مثنوی میں قصیدہ اور غزل کے پیوند لگانے کے سلسلہ میں مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ جدت طرازی نہایت پرلطف و بامزہ ہے، مگر اس کی تقلید یک فنے شاعر کا کام نہیں، جو شاعر مثنوی، قصیدہ اور غزل ان سہ اصناف میں ید طولیٰ رکھتا ہو وہی خسرو کی تقلید کر سکتا ہے، علاوہ بریں حضرت خسرو کو اس مثنوی کا ممدوح بھی خوش قسمتی سے ایسا ہاتھ لگا ہے کہ ساقی و مغنی و شاہد و بادہ و ساغر کا ذکر محتاج تکلف نہیں، بلکہ اس کی بزم کا ایک معمولی ہنگامہ ہے، انوری کی طرح خسرو کو یہ شکایت ہرگز نہ تھی کہ

نیست معشوقے سزاوار غزل[3]

مثنوی میں قصہ کے علاوہ بظاہر بہت سی غیر متعلق باتیں نظر آتی ہیں، اور یہ غیر متعلق چیزیں وہی ہیں جو خسرو نے وصف نگاری کے سلسلہ میں لکھی ہیں، اور اس طرح ان کو ۱۵ چیزوں کا وصف بیان کرنا پڑا ہے، جس سے قصہ کا تسلسل قائم نہیں رہتا ہے، اور اسی کے ساتھ ان اوصاف کا بیان اصل قصہ سے زیادہ بڑھ گیا ہے، اس نقص کا احساس خسرو کو خود ہی تھا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ قصہ میں کوئی

---

[1] تمہید مثنوی قران السعدین ص ۲۸ - ۳۰

[2] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، نمبر ۳ سنہ ۱۸۶۰ء ص ۲۲۸

[3] مقدمہ مثنوی قران السعدین ص ۸۰

جان نہ تھی[1]، اسی لیے ایک پھیکے اور بدمزہ قصے کی بے مائگی کو دور کرنے کے لیے انھون نے مختلف اشیا کا وصف بیان کرنا شروع کیا، لیکن اپنی سحر کاری اور اسلوب بیان کی تازگی سے کچھ ایسا کام لیا کہ یہ نقص ان کی مثنوی کا وصف بن گیا، اور یہ وصف نگاری اتنے متنوع اور گوناگون مضامین پر مشتمل ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے ذوق اور جذبات کی تسکین کے لیے اس مین پورا سامان مل جاتا ہے، کہین تاریخی عمارتون کا ذکر ہے تو کہین فصل خزان مین نرگس و لالہ کی بے نوری اور زاغ و زغن کی ہنگامہ خیزی کا بیان ہے، کہیں موسم بہار مین شاخ گل کی شمیم انگیزی اور عندلیب و قمری کی نغمہ سرائی کی مصوری ہے تو کہین نوروز کی نشاط انگیزی اور اس کے جشن کے کیف و ابنساط کی نقاشی ہے، کہین تیغ و دورباش اور تیر و کمان کی قلمی تصویرین کھینچی گئی ہین تو کہیں ہاتھی، گھوڑے، کشتی، خربزے، قلم، دوات، کاغذ پر مسلسل نظمین لکھی گئی ہین، کہین بادہ و ساغر کی گردش اور جام و مینا کے ذریعہ مدہوشی و سرمستی، چنگ و رباب، دف و نے اور مطرب و مغنیہ کے طرب و نشاط کی نقش آرائی ہے، تو کہیں چتر مرصع، تاج مکلل، اور تخت زرین کی وصف نگاری ہے، کہیں انواع و اقسام کے لذیذ کھانون کی تفصیل ہے، تو کہیں مختلف برجون کی بھی سیر کرائی گئی ہے، قران السعدین کی یہی بوقلمونی اور رنگارنگی اس کو فارسی زبان مین ایک امتیازی درجہ بخشتی ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض بعض چیزون مثلاً کاغذ، قلم، دوات اور خربزہ کا جو وصف بیان

[1] خسرو گویا معذرت کرتے ہین (۲۵۴)

چون سخن از لطف نشانے نہ داشت — کالبدش صورت جانے نہ داشت

وصف بر آن گونہ فرو راندہ ام — کز غرض قصہ فرو ماندہ ام

خالی تکلف ز دمشس بر جمال — نغز نماید مگر اندر خیال

عیب چنان نیست کہ بنہفتہ ام — کانچہ بگو یندہ ہمہ گفتہ ام

کیا گیا ہے۔ اس سے موجودہ ذوق کو تسکین نہین ہوتی ہے، بلکہ بقول مولانا شبلیؒ اس مین تکلف اور مضمون آفرینی کا رنگ چڑھ گیا ہے، مگر مجموعی حیثیت سے تمام ارباب کمال نے خسرو کی وصف نگاری کی داد دی ہے، مولانا شبلیؒ فرماتے ہین کہ ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ خاص خاص چیزون پر نظمین نہین لکھی گئیں، مثلاً قلم، کاغذ، کشتی، دریا، شمع، صراحی، جام، خاص خاص میوون اور پھولون وغیرہ وغیرہ، پر ایسی مسلسل اور لمبی نظمین نہیں ملتین، جن سے ان کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، امیر خسرو نے ایشیائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہے، انھون نے قران السعدین مین اکثر اسی قسم کی نظمین لکھی ہین اور اس کتاب سے ان کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ قائم کرنا تھا[1]۔

مولانا اسمٰعیل میرٹھی رقم طراز ہین کہ خسرو نے اس مثنوی کو وصف نگاری کے ذریعہ سے نگارستان بنا دیا کہ شاہ و گدا سب کے لیے موجب انبساط خاطر ہو[2]، ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہین کہ خسرو نے ایک مشکل کام مین ہاتھ لگایا، اور یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ انھون نے اس کام کو حسن وخوبی سے انجام دیا، ممکن ہے کہ اس مثنوی مین یہان وہان کچھ چیزین بے جوڑ معلوم ہون، کچھ چیزین ایسی بھی نظر آئین جن پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہو، یا غیر ضروری طور پر ان کو نمایان کیا گیا ہو لیکن مجموعی حیثیت سے پوری مثنوی مین ہم آہنگی اور ہمواری ہے جس کو ایک بہت ہی مشاق آرٹسٹ ہی نباہ سکتا تھا[3]۔

اس مثنوی مین نادر تشبیہات و استعارات کی مثالین اتنی کثرت سے ملتی ہین کہ ان کو سمیٹنا آسان نہین، پھر بھی ہم یہان پر ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے دو چار مثالین پیش کرتے ہین، آفتاب کی صفت بیان کرتے ہوئے اس کو کبھی تو گازر آلودگی آب وخاک (پانی اور مٹی کی

---

[1] شعر العجم جلد دوم ص ۱۵۱ [2] مقدمہ قران السعدین ص ۲۰ [3] لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو ص ۱۷۵

کثافت کا دھونے والا) کبھی چشمۂ آتش، کبھی طفل کہن سال، کبھی آہوئے پوئیدہ، کبھی شاہ جہانگیر اور کبھی بیلک گردون گزار (آسمان مین پیوست ہو جانے والا پیکان) کہتے ہین، اور اس کی شعاعون کو کبھی "لعاب روان"، کبھی قرطۂ زرد (زرد لباس) کبھی جبۂ مسکین اور کبھی شمشیر تیز اور کبھی خنجر سے تعبیر کرتے ہین، ایسے اشعار ملاحظہ ہون:

روے زمین کردہ بیک چشمۂ پاک گازر آلودگیِ آب و خاک
چشمۂ آتش نشنیدہ است کس چشمہ بر آن آب ندیدہ است کس

حسب ذیل شعر مین یہ کہنا چاہتے ہین کہ آفتاب جاذب رطوبت بھی ہے تو یہ پیرایۂ بیان اختیار کرتے ہیں،

چشمہ کہ داد آب فراوان شود آب خورد چشمہ عجب آن بود

اس شعر مین آفتاب کو "طفل کہن سال" اور اس کی شعاع کو لعاب روان کہکر آسمان کو اس کی دایہ کہتے ہین

طفل کہن سال ولعابش روان دایۂ او چرخ دے مہربان

اس مطلب کو کہ موسم سرما مین غریب آفتاب کی روشنی مین پناہ لیتے ہین، اس اچھوتے طریقہ پر ادا کرتے ہیں:

قرطۂ زردش کہ زخز دیافتہ جبۂ مسکین ہمہ زویافتہ

اسی طرح یہ کہنا چاہتے ہین کہ آفتاب کی روشنی ہر جگہ پہنچتی ہے، تو کہتے ہین کہ آفتاب کا کاھم شیر یعنی برج اسد سے نکل کر ہرن کی طرح ہر طرف چوکڑی بھرتا رہتا ہے،

آہوئے پوئیدہ ببالا و زیر خانۂ خود ساختہ در کاھم شیر

اسی قسم کے اور اشعار یہ ہیں:

شاہ جہانگیر بہ شمشیر تیز      چتر سیاہ شب ازو در گریز

لشکر انجم ہمہ چرخ کبود      او بکشد خنجر و گوئی نبود

شمع و چراغے کہ بود شب فروز      کشتہ شود گر برون آید بروز

الغرض آن ہیکل گردون گزار      رفت چو بر چرخ یک آماج وار

ہاتھی کی صفت بیان کرتے ہوئے ہاتھی کو کوہ بے ستون کہتے ہین، کوہ بے ستون اس پہاڑ کا نام ہے جس سے فرہاد نے جوے شیر نکالنے کی کوشش کی تھی، ہاتھی کی سونڈ کو اژدرسے تشبیہ دیتے ہین، اور ایسے اژدرسے جو پہاڑ کی اونچائی سے گر رہا ہو، اور اس کی سونڈ کے پیچ وخم کو کمند، ہودج کو کشتی اور ہاتھی کے دونون کان کو دو بادبان کہتے ہین،

پیل چو کوہے کہ بود بے ستون      چار ستون زیر گہ بے ستون

پیچشِ خرطوم بسانِ کمند      اژدر افتادہ زکوہ بلند

اژدر آن کوہ شدہ مار پیچ      مار ازو یافتہ در غار پیچ

کشتی عاج ست تو گوئی روان      گشتہ دو گوشش زدو سو بادبان

موسم خزان کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہین کہ چنار کے پتون پر نمی اس طرح حرکت کرتی ہے جیسے رعشہ والے کی ہتھیلی پہ پارہ کانپتا ہو تو کہتے ہین

نم بکفِ دست چنار از روش      زیبقِ لرزان بکفِ مرتعش

ناصرالدین بغراخان اور کیقباد مل کر جب ایک ساتھ تخت پر بیٹھے ہین تو خسرو نے اس موقع پر دونون باپ بیٹے کے لیے عجیب وغریب تمثیلین و تشبیہین استعمال کی ہین، کہتے ہین کہ دونون برج جوزا (دو پیکر) کی طرح معلوم ہوتے تھے، جوزا مین دو صورتین آدمی کی طرح ہوتی ہین، پھر کہتے ہین دونون تخت پہ جلوہ فرما اس طرح نظر آتے تھے جیسے ایک برج مین دو قمر یا دو ستارے

ہون، یا ایک تخت پر دو دارا ہون، یا زمین پر دو جمشید کی شان و شوکت آگئی ہو، یا چشم جہان مین دو خورشید کا نور پیدا ہوگیا ہو، یا دو لوح جبین اور دو نور یقین کو ایک ہی روشنی مل رہی ہو، یا دو سرو کی شاخین آپس مین مل رہی ہون، یا دو آب روان مین ایک ہی موج بلند ہو رہی ہو، یا دو نہریں ایک باغ وفا مین جاری ہو گئی ہون یا ایک تلوار مین دو دھارین پیدا ہوگئی ہون، یا کشت زمین دو بارش سے سیراب ہوئی ہو، اور دنیا نے دو باغ کی خوشبو سونگھی ہو، یا آسمان دو چاند سے ایک ہو گیا ہو، وغیرہ وغیرہ۔

ہر دو بیک تن چو دو پیکر شدند | بر فلکِ تخت چو مہ بر شدند
گشت بہ برجے دو قمر جائے گیر | گشت قرین بد و سلطان سریر
برج شرف کرد دو اختر یکے | سلک نسب کرد دو گوہر یکے
ملک بیک تخت دو دارا نمود | دہر بیک آب دو دریا نمود
روے زمین فرِ دو جمشید یافت | چشم جہان نور دو خورشید یافت
نور یکے داد دو لوحِ جبین | لمعہ یکے داد دو نور یقین
شاخ بہم سود دو سرو جوان | موج بہم داد دو آبِ روان
گشت یکے باغ وفا را دو جوئے | گشت یکے تیغ صفا را دو روئے
کشت زمین آب دو باران چشید | مغز جہان بوئے دو بستان کشید
چرخ یکے شد بہ دو ماہ تمام | بزم یکے شد بہ دو دور مدام

اس مثنوی مین معنوی اور لفظی صنعتون کی مثالین بھی بکثرت ملتی ہین، مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے اپنے مقدمہ کے ستائیس اٹھائیس صفحون مین وہ تمام اشعار جمع کردیے ہین جن پر کسی نہ کسی صنعت کی تطبیق ہوتی ہے، ہم یہان پر اس مثنوی کے صنائع و بدائع کی صرف چند مثالون ہی پر اکتفا

کرتے ہین، گو آج کل ان صنعتون کی کوئی قدر نہین، لیکن پھر بھی ہم اپنے ناظرین کو اس فن سے روشناس کرنے کی کوشش کرتے ہین، جس کی داد آج سے پہلے بہت ملا کرتی تھی، پہلے صنائع معنوی کی مثالین ملاحظہ ہون،

تضاد[1] - یعنی شعر مین ایسے الفاظ آئین جن کے معنی ایک دوسرے کے متضاد ہون، مثلاً

پُر دل وخالیِ دلِ شان از ہراس — پایک بازندہ برون از قیاس
خفتہ ہمہ خلق ز بیدار یش — مستیِ او مایۂ ہشیار یش

مذکورۂ بالا اشعار مین الفاظ "پر" اور "خالی" "مستی" اور "ہشیاری" "خفتن" اور "بیداری" ایک دوسرے کے مخالف ہین،

ارصاد یا تسہیم - یعنی ابتداے کلام مین ایسے الفاظ لانا جن سے معلوم ہو جائے کہ قافیہ یا کلام کے آخر مین فلان لفظ آئے گا، بشرطیکہ روی کا حرف پہلے سے معلوم ہو، حرف روی وہ ہے جس پر قافیہ کی بنیاد ہوتی ہے مثلاً

سیم بر ان صورتِ دیبا شدہ — شقۂ دیبا بر زیبا شدہ
صورتِ ادراک ز آئینہ رفت — آئینہ صورتش از سینہ رفت

عکس[2] - یعنی کلام کے جزو مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کرنا

خانۂ یک مردم و صد مردمی — مردم یک خانہ و صد خرمی

حسن تعلیل[3] - یعنی کسی صنعت کے لیے اس کے مناسب ایسی علت ٹھہرانا جو حقیقت مین اسکی علت نہ ہو، مثلاً

---

[1] اردو مین مثال ملاحظہ ہو: نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا + گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجران کا

[2] اردو کی مثال: باقی ساقی جو کچھ ہو لے لے + ساقی باقی شراب دے دے

[3] ،، ،، بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے + کوئی بے تاب تہ خاک تڑپتا ہوگا

پشتِ بنفشہ بہ سمن ذارہا　　　　گوژ شد از چیدنِ دینارہا

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ بنفشہ کی پیٹھ چمن مین دینار چننے کی وجہ سے ٹیڑھی ہوگئی ہے۔ دینار سے مراد پھول ہے، بنفشہ کا پودا قدرتی طور پر جھکا رہتا ہے، شاعر کا خیال ہے کہ پھول چننے کی کوشش مین اس کی پیٹھ اسی طرح جھکی رہتی ہے، جیسے کوئی شخص دینار چننے کے لیے جھکے۔

ادماج - ایک کلام سے دو یا دو سے زیادہ معنی کا اس طرح حاصل ہونا کہ دوسرے معنی کی صراحت نہ کی جائے، اسکی مثال میں عام طور سے خسرو کا حسب ذیل مشہور شعر پیش کیا جاتا ہے

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم　　　　چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

زیر نظر مثنوی کا یہ شعر بھی اسی صنعت کی مثال ہے،

لالہ چون از کوہ برفت آن شکوہ　　　　کبک ببرید دل از تیغِ کوہ

مطلب یہ ہے کہ پہاڑ پر سے لالہ ختم ہوا تو کبک کا دل بھی پہاڑ کی چوٹی سے اچاٹ ہوگیا، لیکن دوسرے مصرعہ کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ لالہ کے نہ رہنے کی وجہ سے کبک نے تیغ کوہ سے خودکشی کرلی ہے،

استخدام - یعنی دو معنی والے لفظ سے ایک معنے مراد لے کر اس کی ضمیر سے دوسرے معنے مراد لینا، مثلاً

سوئے سواد اودھ آمد چو باد　　　　کرد حک از خنجرِ تیزش آن سواد

اس کے یہ معنی ہین کہ جب ہوا اودھ کے گرد و نواح (سواد) مین آئی تو ہوا نے خنجر تیز کی طرح سیاہی (سواد) کو دور کر دیا،

ایہام[۱]، تبلیغ[۲]، اغراق[۳] اور غلو[۴] کی مثالین تو بکثرت ہین،

---

۱؎ یعنی کلام مین ایسا لفظ لانا جو دو معنی رکھتا ہو ۲؎ ایسا مبالغہ جو عادۃً و عقلاً ممکن ہو ۳؎ ایسا مبالغہ جو عادۃً ممکن نہ ہو اور عقلاً ممکن ہو،
۴؎ ایسا مبالغہ جو عادۃً و عقلاً دونون ممکن نہ ہو،

اسی طرح صنائع لفظی مین تجنیس[1]، اشتقاق[2] وشبہ اشتقاق[3] اور تنسیق الصفات[4] کی بھی مثالین بہت ملین گی، ان کے علاوہ حسب ذیل لفظی صنعتون کی مثالین ملاحظہ ہون،

ترصیع - یعنی پہلے مصرعہ کے تقریباً تمام الفاظ دوسرے مصرعہ کے تمام الفاظ کے وزن اور روی مین مطابقت رکھتے ہون، مثلاً

بے کرمے نام فروشی کنند      بے گہرے مرتبہ کوشی کنند
مہر چہ جوئی ز وفائے کہ نیست      روئے چہ بینی بصفائے کہ نیست

سجع - یعنی ایک شعر مین تین تین قافیے ہون اور چوتھا قافیہ قصیدہ یا غزل کا ہو، مثلاً

گر شہد باشد بر زبان - یا آب حیوان در دہان      گفتار می گویم کہ آن نبود دگر گفتار تو
زین پس بخوبان ننگرم - در کوے ایشان نگذرم      گر ہیچ یکرہ جان برم از غمزۂ خونخوار تو[5]

رد العجز علی الصدر - یعنی پہلے مصرع کا شروع (صدر) مین جو لفظ آئے وہ دوسرے مصرع کے آخر مین بھی آئے[6]، خواہ یہ لفظ بعینہ ہو یا صنعت تجنیس یا صنعت اشتقاق یا شبہ اشتقاق کے طور پر ہو،

عود قماری کہ ہمی داد دود      غالیہ می ساخت گل از دودِ عود
باد کہ اندر سرِ ہدہد فتاد      تاج سلیمان ز سرش برد باد

خسرو نے آگے چل کر صنائع و بدائع مین ہر قسم کی زور آوری دکھائی، اپنی تصنیف اعجاز خسروی مین انھون نے تو بعض خاص خاص قسم کے صنائع مین ورق کے ورق لکھے ہین، بعض صنعتین تو ان ہی کی ایجاد ہین، جیسا کہ آیندہ جلد مین ذکر آئے گا،

---

[1] دو یا زیادہ لفظون کا تلفظ اور تحریر مین مشابہ ہونا اور معنی مین مختلف ہونا [2] چند الفاظ کا ایک ہی مادہ سے اشتقاق کر کے کلام مین لانا:
[3] چند الفاظ کا ایک دوسرے سے مشابہ ہونا لیکن مادے مین مختلف ہونا [4] کسی چیز یا کسی شخص کا ذکر بہت سی صفتون کے ساتھ کرنا،
[5] یہ پوری غزل مسجع ہے [6] اس شعر کی مثال: محمد سے صفت پوچھو خدا کی      خدا سے پوچھیے شانِ محمد

# غلط نامہ بزم مملوکیہ

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۹ | ۱۳ | بادشاہون | بادشاہ ہونے | ۷۴ | ۱۳ | سپاہ | سیاہ |
| ۱۰ | ۱۷ | بمہر | مہر | ۷۴ | ۱۵ | چو | چون |
| ۱۱ | ۹ | اشک | رشک | ۷۴ | ۱۶ | آب چون | آب جون |
| ۱۲ | ۱۱ | ناس | پاس | ۱۰۰ | ۵ | خط | بر خط |
| ۱۲ | ۱۶ | عالی | عالمی | ۱۰۰ | ۱۳ | بنا | بنان |
| ۱۲ | ۱۸ | آمد | آنکہ | ۱۰۲ | ۸ | آمدہ | آمدہ است |
| ۱۶ | ۷ | صفت | صنعت | ۱۰۳ | ۱ | ہے | کا ہے |
| ۲۰ | ۱۵ | چتوان | جتوان | ۱۰۵ | ۶ | آنکہ | کہ |
| ۲۱ | ۳ | چتوان | جتوان | ۱۰۷ | ۱۷ | بہ | ہر |
| ۲۹ | ۲ | کتاب لانساب | بحرالانساب | ۱۱۰ | ۱۱ | آ | آر |
| ۲۹ | ۱۳ | چاغان (صغان) | صاغان (صغان) | ۱۱۰ | ۱۷ | موشی | موسی |
| ۳۹ | ۱۶ | طغر | طغرا | ۱۱۱ | ۱۳ | پردرد | پردردہ |
| ۵۲ | ۳ | راہ | ماہ | ۱۱۱ | ۱۶ | برسہ | برسر |
| ۵۶ | ۱۰ | نہ ہیک | مہ پیک | ۱۱۷ | ۱۱ | طغر | ظفر |
| ۵۶ | ۱۰ | قہرجان | مہرجان | ۱۳۷ | ۱۳ | تاریافت | تارتاریافت |
| ۶۲ | ۱۱ | کرلیگا | کریگا | ۱۶۰ | ۷ | طرہ | طرح |

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱۶۴ | ۱۶ | وہ بھی | یہ بھی | ۲۵۸ | ۶ | زتقدیر | نہ زتقدیر |
| ۱۷۷ | ۹ | باشس | بالشس | ۲۶۴ | ۹ | بادباد | باباد |
| ۲۰۰ | ۲ | معنامین ندرت | مضامین مین ندرت | ۲۶۵ | ۱۶ | فوائدالفوائد | فوائدالفواد |
| ۲۰۸ | ۱۰ | دریائے | درپائے | ۲۷۸ | ۹ | نقش | سخنش |
| ۲۱۴ | ۱۰ | کہ زرنج | زرنج | ۲۸۳ | ۹ | تابتہ | تأبتہ |
| ۲۱۴ | ۱۰ | چو | چون | ۲۸۳ | ۱۰ | دولت بخت | دولت وبخت |
| ۲۴۵ | ۴ | زرپاشی کے ذکرمین | زرپاشی مین | ۳۰۵ | ۴ | پاپہائے | باپہائے |
| ۲۵۲ | ۶ | نادانی | نادانی | ۳۰۵ | ۷ | خواشس | خراش |
| ۲۵۲ | ۱۴ | اژدم | تااژدم | ۳۰۵ | ۸ | عروسی ہا | عروسی ہار |
| ۲۵۳ | ۱۷ | پاخنجر | باخنجر | ۳۱۲ | ۲ | راسر | رابرسر |
| ۲۵۴ | ۶ | ساقیا | ساقیان | ۳۱۲ | ۱۲ | روح | ورروح |
| ۲۵۶ | ۱۱ | دیباپور | دیبالپور | ۳۲۸ | ۱۷ | ش | سشہ |

نقطے اور مرکز کی غلطیان ناظرین خود درست کرلین۔

# مؤلف کی اور دوسری کتابیں

## بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایون نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء و فضلاء کو سیم و زر مین تلوایا، عالمگیر نے انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شاہزادون اور شہزادیون نے بھی علم و ادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء کے گوناگون کمالات وغیرہ کی تفصیل اس کتاب مین ملاحظہ فرمائیے،

قیمت

معہ ر

## بزمِ صوفیہ

جس مین عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام حضرت شیخ ابو الحسن علی ہجویریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ، حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ، حضرت برہان الدین غریبؒ، حضرت ضیاء الدین نخشبیؒ، حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت جہانیان جہان گشتؒ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ، اور حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے مستند حالات اور تعلیمات پیش کی گئی ہین،

قیمت

ہے ر

(طابع و ناشر صدیق احمد)